خاص نمبر

40 سے زائد ممالک میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اردو میگزین

ہر عمر کے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول لاہور

2000ء

11 ویں سال کا تیسرا شمارہ

KASHMIR

نوائے وقت

ننھی عشرت نے پوچھا

یہ لوگ ہمیں مہاجر کیوں کہتے ہیں

1000 ان سلے سوٹ اور 17,000 روپے کی ادویات

کے ساتھ ہجرت کے بعد سب سے پہلے پھول والے ہی ہم تک پہنچے

میرا نام ..... ہے

اور یہ میرا پیارا پھول ہے

اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ

- نمازکی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
- آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
- امی نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

چیف ایڈیٹر ..... مجید نظامی

ایڈیٹر ..... اختر عباس

ہر عمر کے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول لاہور

http//www.phool.com.pk phool@phool.com.pk

پھول کی ادا سب سے جدا

تمہاری یادیں بسی ہیں دل میں افق کے اس پار جانے والو!
سلام تم پر!
لہو کے قطروں کے بیج بو کر، ہزار گلشن سجانے والو!
سلام تم پر!

سب ایڈیٹر ..... منظر وحید

ڈیزائنر ..... عامر شکیل عامر

السٹریٹر ..... عمیر صفدر

لے آوٹ ..... شعیب قادر

انچارج پھول کلب ..... محمد اعظم یاد

انچارج کہانی گھر ..... ماریہ مجید

انچارج پھول سٹڈی ویبل ..... شازیٹ

انچارج پھول کلب لودھراں ..... امجد اعجاز احمد

پھول رنگ

Stories

اسے جانا تھا	نجمہ ثاقب	8	
مسئلے حل کو تبھی دیتے	شازیٹ	10	
انگارہ وادی	انتخاب منصور فائز	14	
ہم اہل وفا ہیں	مائرہ مجید	20	
بلونگڑا	نور محمد جمالی	23	
موت کی گھنٹی	ایم آر رای	24	
اکتوبر کی ایک شام	صغیر قمر	32	
خوبصورت چہرہ		37	
شان شہید سی	ڈاکٹر انکبرا ے انور	46	
ٹارگٹ	عادل منہاج	48	
ویری ناٹ	انور رومان	60	
بیڈ ٹائم سٹوری		74	

Exclusive

انٹرویو:	رؤف خالد	12
کشمیر کے شاعر	غلام نبی بٹ	18
مہاجرین سے ملاقات	امجد اعجاز احمد	26
کشمیریات کے اساتذہ اور طالب علموں کی باتیں	بابر حیات	30
امبور کیمپ	ظفر اقبال	34
قربانی کی بانہوں میں	انیلا مظفر الٰہی	50
کشمیر کی شیر	تنویر حسین	54

Column,s

کرنیں	ماریہ مجید	4
اداریہ	ایڈیٹر بھیا	5
مسکرایئے آپ کی فیس ویلیو		29
بڑھیے کی کہانی گھر		
ٹیلی فونک کالم	مختصر خبریں	45
پھول بڑا مقبول	براہ راست ڈائیلنگ	56
پھول اخبار	کھٹے میٹھے خطوط	60
واہ کیا بات ہے	خبریں وبریں	64
سپورٹس گلانس	سیدہ طاہرہ	70
الحدیث	مونا سکندر	72
	نظر زیدی	78

ماہنامہ پھول 4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور فون 6367551-54 فیکس 6367616 پاکستان اور آزاد کشمیر کے تمام تعلیمی اداروں کیلئے منظور شدہ

مجید نظامی پرنٹر پبلشر نے دعائے نور پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا پاکستان میں بذریعہ ڈاک بدل اشتراک ماہنامہ پھول 300 روپے سالانہ 150 روپے ششماہی

کرنیں

یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے

☆..... اور اللہ کی طرف سے رضا کا حاصل ہو جانا بڑی نعمت ہے۔ (توبہ..... 72)

☆..... اور جو شخص اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اپنی جان بیچ دیتا ہے' اللہ اپنے ایسے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ..... 207)

☆..... جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کیلئے اپنے گھربار اور وطن کو خیرباد کہا اور خدا کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب و کامران ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت کی اور اپنی رضا کی خوشخبری سناتا ہے۔ (توبہ..... 20-21)

☆..... اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے نہیں لڑتے جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر۔ (النساء..... 75)

☆..... مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔ (آل عمران..... 141)

☆..... اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بلائے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ (البقرہ..... 154)

☆..... اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو بخشش اور رحمت تمہارے حصے میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ (آل عمران..... 157)

☆..... غزوہ حنین میں کفار نے اس زور و شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا لیکن ام سلیم کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں۔ جب حضرت ابوطلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہے؟" بولیں کہ میں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں۔

☆..... غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں بند کر دیا تھا۔ ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابتؓ سے کہا "یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے اس کو قتل کر دو۔ وہ بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں" حضرت صفیہ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے ماری وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

کشمیر کیلئے

"وہ جو نامہ بر ہے بہار کا"
میرے تن کے زخم نہ گن ابھی
میری آنکھ میں ابھی نور ہے
میرے بازوؤں پر نگاہ کر
جو غرور تھا وہ غرور ہے
ابھی رزم گاہ کے درمیاں ہے
میرا نشان کھلا ہوا
ابھی تازہ دم ہے میرا فرس نئے
معرکوں پہ تلا ہوا
بڑا منتقم ہے میرا لہو
یہ میرے نسب کی سرشت ہے
میں اسی قبیلے کا فرد ہوں جو حریف
سیل بلا رہا
اسے مرگ زار کا خوف کیا؟ جو
کفن بدوش سدا رہا
سو میرے غنیم نہ بھول تو
کہ ستم کی شب کو زوال ہے
تیرا ظلم و جبر بلا سہی
میرا حوصلہ بھی کمال ہے
تجھے جوش گزند پہ ناز ہے
مجھے ناز زخم بدن پہ ہے
یہی نامہ بر ہے بہار کا
جو گلاب میرے کفن پہ ہے

احمد فراز

جرات اور قربانی کے بارے غلط فہمی

جرات کی طرح قربانی کے بارے میں بھی پہلے غلط فہمی ہوئی۔ خیال تھا کہ یہ گزرے ہوئے زمانے میں کسی زرہ پوش اور کفن بردوش جذبے کا نام تھا اور اس زمانے میں جنگ کیلئے ڈھال' تلوار اور یہ جذبہ کام آتا تھا۔ اب چونکہ ڈھال اور تلوار کا زمانہ نہیں رہا اسلئے قربانی کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جنگ کے بارے میں بھی میری واقفیت واجبی تھی۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ جنگ صرف پہلے زمانے میں ہوئی تھی جب آدمی غیر مہذب اور بہادر تھا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ آدمی مہذب اور بزدل ہو گیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کا ذکر کان میں پڑا تو خیال میں صرف اتنی ترمیم ہوئی کہ اگر موجودہ دور میں بھی جنگ کا کوئی وجود ہے تو وہ دور دراز علاقوں میں ہو گا اور ہمارے علاقے کے بارے میں راوی جب بھی لکھے گا چین لکھے گا۔ وقت گزرا تو یہ غلط فہمی بھی دور ہوئی۔ معلوم ہوا کہ جنگ تو ہر وقت اور ہر جگہ جاری ہے اور اس کے وار سے نہ کوئی خطہ خالی اور نہ کوئی لحظہ فارغ۔ اس جنگ میں ہر قدم پر قربانی دینی پڑتی ہے اور اس کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ انتہائی صورت شہادت ہے مگر بعض لوگوں کی قسمت میں ایسی زندگی لکھی جاتی ہے کہ وہ جیتے جی شہید ناز ہو جاتے ہیں۔ اس قبیلہ کے لوگ زندہ شہید کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے امام کا نام احمد بن حنبل ہے۔ مامون کے عہد میں ان کی مشکیں کسی گئیں' معتصم کے عہد میں انہیں کوڑے مار کر بیہوش کرتے اور تلوار کی نوک چبھو کر ہوش میں لاتے' واثق کا عہد آیا تو انہیں قید تنہائی کی سزا ملی۔ پیرانہ سالی آئی تو ابتلا کی جگہ اس احترام نے لے لی۔ جو ہزار برس گزرنے کے باوجود لوگوں کے دلوں میں تازہ ہے۔ قیامت آئے گی تو کیا عجب کہ جہاں پیشانی سجدے کے نشان سے منور ہو گی وہاں پشت دروں کے نشان سے روشن تر ہو جائے۔ وہ پشت جسے حاکم درے لگانے کیلئے استعمال کرتے ہیں اور لوگ خوشی سے کئی نسلوں اور صدیوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ دراصل جرات ایک کیفیت ہے اور قربانی اس کیفیت پر گواہی ہے۔ جرات ایک طرز اظہار کا نام ہے اور قربانی ایک طریق ترک کو کہتے ہیں۔ اس ترک و اختیار میں بسر ہو جائے تو زندگی جہاد اور موت شہادت کا نام پاتی ہے۔ (آواز دوست) مختار مسعود

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دونوں بہن بھائی رونے کو تھے۔
انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا پھر شکریہ کہا۔ اتنی دیر میں گاڑی سے ان کے ابو بھی اتر آئے۔ انہوں نے اس کی ریس بڑھادی تھی تاکہ انجن گرم ہوجائے اور دوبارہ بند نہ ہو۔ ''کوئی بات نہیں بیٹے جی! دکھی نہیں ہوتے''

لوگوں کی باتیں اور تبصرے بے وقعت ٹھیکرے ہی ہوتے ہیں زندگی کی منڈیروں، پہ جلیں روشنی اور خوشی دیں تو چراغ کہلاتے ہیں جو روشنی میں ہی نہ دیں۔ اندر باہر اندھیرے اور مایوسی کو بڑھائیں تو ٹھیکرے سے بھی کم اہم ہوتے ہیں۔

''اب دیکھیں ناں! گاڑی ہماری اپنی ابو بھی ہمارے اور ہم ان کے پیارے، یہ ہر جگہ ہمیں لئے پھرتی ہے۔ اتنے خیال اور اہتمام سے کہ کبھی آنے جانے کو پریشان نہیں ہوتا پڑتا۔ وہ تو اتفاق یہ ہوا کہ عین وہاں آ کر بند ہوگئی جہاں سڑک بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ ''ذکیہ کی بچی! بھائی نے لقمہ دیا'' ٹوٹی ہوئی نہیں توڑی ہوئی ہے۔ توڑنے والوں کو بھی خلق خدا کو دکھ دینے کے موقع کی تلاش رہتی ہے''

''ناں بھائی! بری بات اتنا غصہ نہیں کرتے اس دس بارہ سال کی بچی کے لہجے میں کسی مہربان ماں کی مٹھاس تھی۔

میں تو تبصروں کو انجوائے کر رہی تھی۔ وہ سائیکل والا کانگڑی پتا ہے کیا بولا۔ پہلے بڑبڑایا۔ ''پاگل! کیا چھوٹے چھوٹے بچوں کو دھکا دینے پر لگایا ہوا ہے'' پھر تسلی نہیں ہوئی تو بولا ''لگاؤ لگاؤ زور سے تانوں وی گڈی رکھن دا بڑا شوق اے'' (تم لوگوں کو بھی تو گاڑی رکھنے کا بڑا شوق ہے) بھائی کا غصہ تھوڑا کم ہو چکا تھا بولا۔ ''وہ دکاندار پتا ہے کیا بولا تھا۔ ''ادھر چھوڑ جاؤ مستری لے آؤ'' اتنا نہیں ہوا کہ خود اٹھ کر ہاتھ لگوا دیتا'' ذکیہ نے اپنے ابو کا ہاتھ پیار سے پکڑ لیا۔ ابو وہ جو ریڑھی والا تھا ناں وہ جس کی ریڑھی پہ آلو بھرے ہوئے تھے۔ وہ بھی مشورہ دینے سے باز نہیں آیا۔ کہنے لگا ''گڈی بدل لو نئی لے لو قسطوں پہ بھی مل جاتی ہے'' یہ سن کر ہم بھی ہنس دیئے۔ کبھی لمحوں کا تعارف شناسائی میں بدل جاتا ہے۔ دفتر آتے ہوئے میں نے دونوں بچوں کو گاڑی کو دھکا لگاتے دیکھا تھا۔ تھوڑی دور جا کر میں نے گاڑی روکی اور اتر کر ان کا ہاتھ بٹایا۔ سڑک کا خراب اور ٹوٹا ہوا حصہ گزرتے ہی اس کی رفتار بڑھی اور تھوڑی دیر میں سٹارٹ ہو گئی۔ انجن کبھی ناراض ہو تو بس ذرا سے دھکے سے مان بھی جاتا ہے۔ مگر اس دھکے کیلئے اکثر بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے۔ پہلے اپنی انا کی قربانی ہوتی ہے پھر شرمساری سے کسی کو کہنا۔ لجاجت سے بلانا کہ ذرا ہاتھ لگوا دیجئے۔ ایک سے بات نہیں بنتی تو دوسرے کا انتظار اور اکثر دوسرے کے آنے تک پہلا چلا جاتا ہے۔ مجھے گئی سردیوں کی صبح ہمیشہ یاد رہتی ہے جب ٹھنڈے انجن نے ٹھنڈا کر دیا تھا اور اسے ذرا سے دھکے کی ضرورت تھی۔ میں پورا آدھ گھنٹہ دروازے کے باہر کھڑا آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا اور حوصلہ جمع کرتا رہا کہ کس سے کہوں۔ تب اللہ جی نے مہربانی کی تھی۔ دودھ والا رفاقت آیا تو اس نے پوچھا تھا عباس صاحب خیریت ہے تیار شیار ہو کے باہر کھڑے ہو اور پھر اس نے گوری ڈور سے گاڑی سڑک پر لانے میں مدد کی اور بولا بس اتنی سی بات تھی۔ ذرا سا ہاتھ ہلانے سے رب بھی راضی اور بندہ بھی۔ مجھے تو شکریے کا موقع بھی نہ ملا اور وہ مجھے مشکور چھوڑ کر اپنی راہ پہ ہولیا۔ بچوں کو دھکا لگاتے دیکھ کر مجھے اپنے دودھ والے کی نیکی یاد آئی جو اس نے بغیر میرے کہے کی تھی۔ سوان کو مشکل میں دیکھ کر رکنے کے فیصلے میں مجھے دوسرا لمحہ نہیں لگا۔

دونوں بہن بھائی بہت پیارے تھے بارہ اور تیرہ سالوں سے کم نہیں تو کسی طور زیادہ بھی نہیں تھے۔ پھر عمروں کے کم اور زیادہ ہونے سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ بڑائی کا دن چھوٹی عمر میں آجائے تو اسی کو سجا جاتا ہے۔ مہکا جاتا ہے۔ کبھی معاذ اور کہیں معوذ بنا جاتا ہے۔ کہیں دلندیزی کہانیوں کا حصہ بنا جاتا ہے۔ یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ بڑی عمر اور بڑے قد والے بڑی بڑی خواہشیں پال کر کے بھی چھوٹے ہی رہتے ہیں۔ اور کبھی کوئی بڑا کام چھوٹوں کو لمحوں میں بڑا بنا دیتا ہے۔ مجھے وہ دونوں بہت اچھے لگے۔ خالص اور پیارے اپنی مدد آپ کرنے والے مصنوعی سہاروں کا انتظار نہ کرنے والے اپنی ننھی منی سی کوشش پہ اعتماد کرنے والے اور کامیابی کا یقین رکھنے والے۔

اس ماہ کشمیر پہ خاص نمبر تیار کرتے ہوئے مجھے وہ دونوں بچے پورے منظر کی جزئیات کے ساتھ بہت یاد آئے۔

ایوان وقت میں بڑوں کی ایک محفل سجی تھی۔ دانشور اور طالب علم دونوں جمع تھے اور دونوں ہی کشمیر پہ مشوروں اور تبصروں سے لبالب بھرے تھے۔ ''کشمیریوں کو امن سے رہنا چاہئے۔ انہیں بڑی لجاجت سے مغربی دنیا سے امداد مانگنی چاہئے۔ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے لڑنے مرنے کی۔ اپنی جانیں گنوانے کی۔ وہیں انڈیا کے ساتھ صلح صفائی کر لینی چاہئے'' ان کی عقل و دانش سے بھری باتیں سن کر پہلے تو مجھے کافی غصہ آیا پھر یاد آیا کہ گڑیا نے کل ہی کہا تھا آپ اب غصہ کرنے لگے ہو پہلے تو نہیں آتا تھا۔ پتا ہے غصہ بجائے خود ایک قوت ہے ہتھیار ہے۔ مگر زہر بھی ہے، اور ایسا زہر کہ جتنا دوسروں کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے اتنا ہی اپنے لئے بھی ضرر رساں ہوتا ہے خون جلاتا ہے۔ فشار خون بڑھاتا ہے سوچوں کے صاف چشمے تک کو گدلا کر دیتا ہے۔ راہ سے بھٹکاتا ہے۔ الٹی سمت دکھاتا ہے بعد میں پچھتاوا بھی لاتا ہے۔ میرا بڑا جی چاہا کہ ان سے کہوں کہ بھائی لوگو! گاڑی ان کی، گھر ان کے، علاقہ ان کا، خواب ان کے، صحت ان کی وہ دھکا لگا رہے ہیں۔ اب جب گاڑی سٹارٹ ہونے کو ہے آپ پاس سے گزرتے جاتے ہو اور آلو ریڑھی والے ان پڑھ کی طرح تبصرے اور مشورے دیئے جاتے ہو۔ ہمت توڑتے جاتے ہو۔ اتنا نہیں ہوسکتا کہ ہاتھ بڑھاؤ اور قدم ملاؤ تو ان کے اٹھے قدموں کو تو مت روکو۔ ان کی راہ میں رکاوٹ تو مت ڈالو، ان کی قربانیوں اور ہمتوں کو بے وقعت تو مت کرو۔ ان کی دعاؤں میں دردبن کر شریک نہیں ہوسکتے تو دور بیٹھے دکھ بڑھانے کا باعث تو مت بنو۔ ان کی آزادی کی خواہش بہت بڑی نہیں ہے بس تم ہی چھوٹے ہو اس لئے خواہش بہت بڑی لگ رہی ہے۔ جن دلوں میں کم ہمتی در آئے وہ پورے ماحول میں خوف بے دلی اور مایوسی کا زہر پھیلاتے ہیں۔ وہ انسان کم، مایوسی کی بوریاں زیادہ لگتے ہیں۔ مرتے سبھی ہیں مگر ڈر ڈر کر قسطوں میں روز مرنے والوں کے حصے میں ہزیمت اور اذیت زیادہ آتی ہے۔ کاش میں مظفر آباد سے سری نگر جانے والی سڑک پہ واقع ایک کیمپ میں کچے سیبوں سے لدے درخت تلے بیٹھے اس نوعمر لڑکے ذوالفقار سے انہیں ملوا سکتا جو کپواڑہ سے آیا تھا اور بس نے کہا تھا دل چاہنے کے باوجود سیب اس لئے نہیں کھاتا کہ کیمپ کے امیر نے منع کیا ہے۔ مجھے یہ پابندی بہت ظلم لگی تھی اور تب میں نے اس کو ستانے کے لئے پوچھا تھا۔ اتنی بڑی طاقت، اتنا بڑا ملک اور اتنا مضبوط دشمن تم کب تک لڑو گے؟ اس کی آنکھوں میں ایک دم چمک بڑھی تھی۔ لفظوں میں بجلی کوندی تھی۔ ''تم نے کبھی شاہین سے پوچھا ہے کب پرواز چھوڑ دے گا'' کبھی مچھلی سے پوچھا ہے کب تیرنا بند کرو گے؟ آزادی کیلئے لڑنے والے بھی بس ایسے ہی ہوتے ہیں.. اور ہماری تمہاری حیثیت ایک جسم کے دو ہاتھوں جیسی ہے۔ اب ایسے سخت دل تو نہ ہو جایا کرو کہ جیسے انگوٹھیاں پہنے دو ہاتھ ایک دوسرے پہ ہی مکے برسانے لگے ہوں۔

(اختر عباس..... آپ کے ایڈیٹر بھیا یکم نومبر 2000ء)

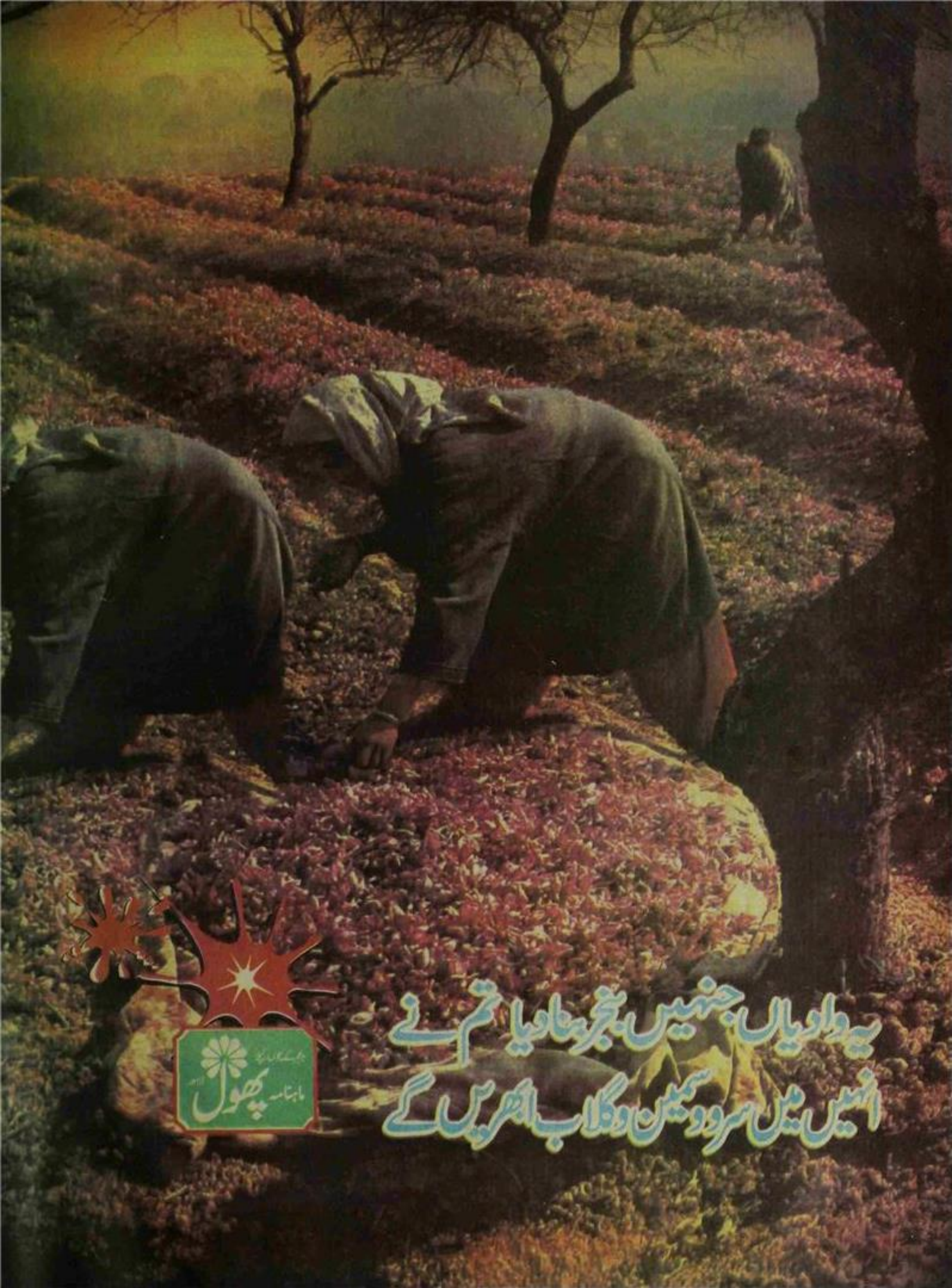
یہ وادیاں جنہیں بنجر بنا دیا تم نے
انہیں میں سرو و سمن و گلاب اگائیں گے
ماہنامہ پھول

KASHMIR

ماہنامہ پھول

We are UN Observers
Every thing is fine in Kashmir
No need for rescue operations

ایک جملے کی کہانی اسے جانا تھا جو جانے والے نے کہا تھا اور ماں نے دہرا دیا۔
بدلے موسم میں دل بدلیں تو رنگ خوب لگتا ہے۔ ایک بیٹے کا احوال..... اسے شرمساری پسند نہ تھی

اسے جانا تھا

وہ افسردہ دل اور جدائی کی برکھا آنکھوں میں لئے ماں کے سامنے جھکا۔ ماں! میں نے آپ کو محفوظ مقام پر پہنچا کر اپنا ایک فرض ادا کر دیا ہے۔ اب میرا دوسرا فرض مجھے پکار رہا ہے۔ مجھے اجازت دو۔ کہ کہیں میں پیچھے رہ جانے والوں میں نہ شمار کیا جاؤں۔

ماں خاموش رہی۔ اس کے دل میں درد کی ٹیس اٹھنے لگیں۔ ماں..... اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ ماں نے چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے چہرے پر کرب کی پوری داستان لکھی تھی۔ ماں! وہ پھر بولا۔ دھرتی مجھے پکارتی ہے۔ ..... آج تک میں حق سے منہ موڑے غاصبوں کے کام آتا رہا ہوں۔ لیکن اب ان کے خلاف اٹھنا چاہتا ہوں کہ تاکہ یہ ثابت کر سکوں کے وادی کا بیٹا نادان تو تھا پر "بے وفا" نہ تھا۔ ماں نے سینے پر پتھر کی سل رکھ لی۔ جاؤ..... اس نے بس اتنا کہا۔ اس کی بیوی ماں کی پشت پر خاموش کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ خدا حافظ..... اس نے جیسے سرگوشی کی۔ بیٹے! ماں کی لرزتی ہوئی آواز نے اس کے قدم روکے۔ ثابت قدم رہنا..... ایسا نہ ہو ..... کل کہیں تم اپنے اس فیصلے پر پچھتاؤ..... اور مجھے اپنے بیٹے کا شرمسار چہرہ دیکھنا پڑے۔ تم دعا کرنا ماں! میں جاتا ہوں..... یوں وہ دہلیز پار کر گیا۔ ماں وہیں کھڑی زمین پر اس کے قدموں کے نشان دیکھتی رہی۔ یہ محض اتفاق نہ تھا۔ ..... بلکہ ایک زندہ ضمیر کی جیتی جاگتی انگڑائی تھی کہ اس نے یکا یک ایک دن پولیس کی نوکری کو ٹھوکر مار دی۔ اس کے باپ نے ساری عمر غاصب حکومت کی چاکری میں گزار دی تھی۔ یہ شائد اسی کی وفاداری کا صلہ تھا کہ بغیر کسی مشکل کے اسے تعلیم ختم کرنے پر پولیس میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ تین سال تک وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر خاموش اور وفاداری سے چلتا رہا ..... پھر اچانک اس کے تیور بدلنے لگے تھے۔ تب وادی کے بچے ظلم کی ریت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کشمیر کے چھوٹے بڑے آزادی کی جنگ میں شریک ہو گئے تھے۔ جواباً جبر کا کوڑا بھی حرکت میں آ گیا۔

وہ اپنی آنکھوں سے اہل وطن پر ڈھائے جانے والے مظالم دیکھتا اور دل پر سہتا۔ کریک ڈاؤن..... اجتماعی آبروریزی..... قتل و غارت..... تلاشی کے بہانے ڈاکہ زنی روز کا معمول بن گیا۔ فوج پولیس کو استعمال کرنے سے بھی نہ چوکتی..... ایسی ہی ایک کارروائی پر اسے بھی روانہ کیا گیا۔ لیکن وہ کئی اور مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلا..... اس نے بغاوت کر دی اور چھپتا چھپاتا گھر والوں کو لے کر خونی لکیر پار کر گیا۔ اور اب وہ واپس محاذ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

ماں نے دوپٹے کے پلو سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے اور نظر اٹھا کر بہو کی طرف دیکھا..... جو ابھی تک دروازے سے باہر تک رہی تھی۔ بیٹی! وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ اب وہ ایک مجاہد ہے۔ اس کے دیس کو اس کی ضرورت تھی۔ اسے جانا ہی تھا۔ سو وہ چلا گیا۔ بہو نے سر جھکا لیا۔ وہ پھر بولی۔ اسے اس بات کا بڑا دکھ ہے کہ اس نے زندگی کے تین قیمتی سال دشمن کی جھولی میں ڈال دیئے ہیں۔ اب وہ ان تین برسوں کا کفارہ ادا کرنے گیا ہے۔ خدا اسے کامیاب لوٹائے۔ پھر کئی دن گزر گئے۔ اس کی کوئی خبر نہ آئی..... ماں کا دوسرا بیٹا مجاہدین کے ٹریننگ سنٹر میں جانے لگا۔ ماں کو اس کے اندر بھی بڑے بیٹے کا سا عزم اور جذبہ محسوس ہوتا۔ وہ آتے جاتے قافلوں کی زبانی مجاہدین کے کارناموں کی داستانیں سنتا اور گھر آ کر ماں کو سناتا۔ ماں کے لبوں پر دعائیں کپکپانے لگتیں

موسم سرما گزر گیا۔ گرمی کی آمد ہوئی۔ ماں کی دعائیں رنگ لائیں۔ ایک مجاہد قافلے کے ہاتھ ماں کے نام لکھا ہوا اس کا خط موصول ہوا۔ ماں کی آنکھوں میں امید کے چراغ جل اٹھے۔ مسرت سے بہو کی پلکیں لرزنے لگیں۔

اس نے لکھا تھا۔ ماں!

یہاں وادی میں حالات مزید ابتر ہوئے جاتے ہیں۔ گیتوں کی سرزمین میں آگ لگی ہوئی ہے۔ دن رات فوجی دستے گلیوں میں بھوکے کتوں کی طرح دندناتے پھرتے ہیں۔ جہاں جس وقت جی چاہتا ہے۔ گھس جاتے ہیں اور لوٹ مار مچاتے ہیں۔ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ تیرے اپنے گاؤں میں ایک دن کے اندر 24 لڑکیوں کی آبروریزی کی گئی۔ میں ان مظالم کو زیر قلم نہیں لا سکتا۔ جو ان مسلمان شریف زادیوں پر توڑے گئے ہیں۔ البتہ میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور میرے ہاتھ دست جفاکش کو توڑ ڈالنے کے لئے بے تاب ہیں۔ ماں نے خط تہہ کر کے اپنے سرہانے تلے رکھ لیا۔ دن میں کئی بار وہ اسے سرہانے تلے سے نکال کر عبارت تکا کرتی۔ وہ پڑھنا نہ جانتی تھی لیکن اس کی نگاہیں عبارت پہ دوڑتی رہتیں اور لفظ گیلے ہو ہو کر پھیلتے رہتے۔ خط اس کی تنہائیوں کا ساتھی بن گیا۔ بہو دن بھر ہمسائی کے خیمے میں اس کی مشین پر سلائی کرتی رہتی۔ بیٹا تربیت کے آخری مراحل میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ بہت پرجوش تھا۔ اور اڑ کر اپنے وطن پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ماں سے کہتا۔ ماں! تو میرے لئے بھی دعا کیا کر..... میں بھی بھائی کے پیچھے جانا چاہتا ہوں اور رات کی تنہائیوں میں ماں کا دامن پھیل پھیل جاتا۔ بہو کئی دنوں سے اداس تھی۔ ماں نے بیٹے کو بہلا بھیجا۔ کچھ دنوں کے لئے ہو جاؤ۔ بہو پریشان ہے اور میرا بھی تم سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے۔ پیغام کا جواب بہت جلد آ گیا .....اس نے لکھا تھا۔

ماں! میری پیاری ماں!

تو مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز اور پیاری ہے۔ میں تجھے ملنے ضرور آؤں گا..... لیکن ابھی نہیں ..... ابھی تو مجھے دیس کو آزاد کرانا ہے۔ تیری بیٹیوں کے سر ننگے ہیں ماں! انہیں عزت کی زندگی لوٹانا تیرے بیٹے کا پہلا فرض ہے اور میں ابھی یہ فرض ادا نہیں کر پاتا۔ تیری بہو اداس ہے..... کوئی بات نہیں ..... کچھ پانے کے لئے قربانیاں دینا ہی پڑتی ہیں۔ ..... وہ اکیلی اس عمل سے نہیں گزر رہی۔ کشمیر کی ہر "بیٹی" اس راہ پر گامزن ہے۔ اس سے کہو..... میرے لئے 'دھرتی کی آزادی کے لئے دعا کرے اور جب دھرتی آزاد ہو جائے' جب خون کی لکیریں مٹ جائیں تو مجھ سے ملنے کی تمنا کرے۔ ماں نے عقیدت سے خط کو چوم لیا..... تکیے کے نیچے ایک کاغذ کا مزید اضافہ ہو گیا۔ دن ایک ایک کر کے گزرتے رہے..... موسم بدلتے رہے..... سکینہ آیا..... پھر جگ موہن..... بھیڑیے رنگ بدل بدل کر سٹیج پہ آتے رہے۔ وادی روز بروز لہو میں نہاتی گئی۔ لٹے پٹے ہزاروں قافلے آزاد علاقے کی خیمہ بستی کی آبادی میں اضافہ کرتے جا رہے تھے۔ سب کی داستاں ایک جیسی تھی..... عزائم ایک جیسے تھے..... حوصلوں کی بلندی میں انہوں نے عظیم ہمالیہ کو مات کیا تھا۔ ہر نئے آنے والے سے "ماں" اس کے بارے میں پوچھتی۔ وہ ٹھیک ہے..... دشمن کے خلاف لڑ رہا ہے..... اس نے فلاں معرکہ لڑا..... فلاں مقابلے میں کامیاب رہا..... فلاں فلاں جگہ پہ جنگ کا پانسہ اس کے ہاتھوں پلٹ گیا۔ دشمن اس کا نام سن کر ٹھہرا جاتا ہے۔ سب یہ کہتے تھے..... ماں کا دل سینے میں خوشی سے ہلکورے لیتا۔ وہ ہر کسی کو بتاتی پھرتی۔ اسے اپنی پچھلی غفلت کا بہت احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اوپر لگا یہ داغ دھو کر رہے گا۔ خیمہ بستی والوں کو ملنے والی نئی نئی خبریں بڑی تشویشناک تھیں۔ کپواڑہ پہ حملہ ہوا۔ سوپور جلا دیا گیا۔ بانڈی پورہ میں بوڑھوں اور بچوں کو ایک کمرے میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا۔ اننت ناگ میں فوج نے مسجد کی بے حرمتی کی۔ جوتوں سمیت محراب میں داخل ہو گئے۔ بڈگام کو جانے والی بارات کو لوٹ لیا گیا۔ دولہا کو قتل کر دیا۔ آنے والی ہر خبر ماں کے دل پہ نیا زخم لگاتی..... وہ بیٹھے بیٹھے سینہ پکڑ لیتی اور گھنٹوں ایک ایک شے کو گھورتی رہتی۔ بہا آئی۔ تو ولر کے کنارے لالوں کی یاد نے چھوٹے بیٹے کے دل میں چٹکیاں لینا شروع کر دیں۔ وہ ٹریننگ سنٹر کے کمانڈر کے درپے ہو گیا۔ مجھے جلد از جلد وادی میں بھیجئے۔ میری ٹریننگ تقریباً مکمل ہے۔ وہ روزانہ کتنی ہی مرتبہ یہ فقرہ دہراتا۔ کمانڈر اس کی بے تابی پہ مسکراتا۔ اس کے چہرے پر معصومیت پھیل پھیل جاتی۔ کیا آپ کو کوئی شک ہے؟ وہ کہتا۔ نہیں ..... وہ مسکرا دیتے۔ میں اپنا بدلہ لینا چاہتا ہوں..... میرے سینے پہ سانپ لوٹ رہے ہیں..... اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں اور شدت جذبات سے الفاظ ٹوٹ جاتے..... وہ اژدھے کی طرح پھنکارتا تھا مگر ڈسپلن کا پابند تھا..... بہار کے کھلے پھولوں کے موسم میں "بہو" کے ہاں بیٹا پیدا ہوا..... ماں کو پتا مل گیا..... وہ دیوانی ہو ہو پھری..... دن بھر اسے گود میں لئے کھلاتی رہتی۔ بیٹے کو ابھی بچے کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس نے بہو سے بیٹے کے نام خط لکھوا کر تکیہ کے نیچے رکھ لیا کہ جونہی کوئی ادھر روانہ ہو..... تو اس کے ہاتھ بھجوا سکے۔ وہ روز بیٹے سے پوچھتی۔ کیا کوئی بھی وطن نہیں جا رہا؟ وہ کہتا..... اب میں ہی جاؤں گا ماں..... پر تو دعا کرے گی تو جب ناں؟ وہ تڑپ اٹھی۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ میں تیرے لئے دعا نہیں کرتی؟ میرا تو انگ انگ سراپا دعا بن چکا ہے بیٹے! اداس نہ ہو ماں! بھلا تو ہی دعا نہ کرے گی..... تو پھر اور کون کرے گا؟ میں تو صرف تجھ سے مذاق کرتا ہوں..... مجھے تیری دعاؤں پہ یقین ہے..... پھر ایک دن چھوٹے نے آ کر خوشخبری سنائی کہ وہ جا رہا ہے۔ ماں ایک دفعہ پھر جدائی کی دہلیز پہ آن کھڑی ہوئی۔ اس نے بیٹے کا ماتھا چوما۔ بیٹا! اپنے بھائی سے ملنا..... اسے بیٹے کی تو ید ضرور دینا اور کہنا! تیری ماں تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ تیری جدائی کے زخم اس کے دل پہ لگے ہیں ..... مگر وہ تیرے راستے کی زنجیر نہ بنے گی۔ وہ تیرے قدموں کو ڈگمگانا نہیں چاہتی۔ اس سے کہنا! ثابت قدم رہے..... اپنے کہے کی لاج رکھے..... اور اب تب ہی ہم سے ملنے آئے..... جب وادی کو آزاد کرا چکا ہو..... میری دعائیں جہاد کے راستے میں اس کے آگے آگے چلیں گی۔ بیٹا دعاؤں اور آنسوؤں کے جلو میں رخصت ہو گیا..... اس رات وہ دیر تک خیمے سے باہر کھلے آسمان تلے بیٹھی رہی..... دعاؤں اور آنسوؤں سے زخمی دل رفو ہوتے رہے۔ سحر کے قریب اس نے خیمے کے اندر آ کر تہجد پڑھی۔ ..... نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ خیمے سے باہر کسی نے چھوٹے بیٹے کا نام پکارا۔ خدایا خیر..... وہ باہر نکل آئی..... بہو بھی آواز سن کر چپلی گھسیٹتی اس کے پیچھے آئی۔ دروازے پر ایک اجنبی کھڑا تھا۔ وہ تو رات کے قافلے کے ہمراہ وطن چلا گیا ہے بیٹے! تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا تھا۔ اوہ! اجنبی نے ہونٹ چبائے..... پھر یقیناً آپ اس کی ماں ہوں گی۔ ہاں! میں اس کی ماں ہوں۔ میں ابھی یہاں پہنچا ہوں..... میں آپ کو اس وقت تکلیف نہ دیتا۔ اگر مجھے جلدی نہ ہوتی تو! وہ ٹھہر گیا..... آپ کو ایک اطلاع دینا تھی۔ ماں کا دل دھڑک اٹھا۔ اجنبی کچھ دیر تک زمین کو تکتا رہا..... اور ماں چاندنی میں نہائے اس کے سراپے کو بے تابی سے دیکھتی رہی۔ آپ کا بڑا بیٹا..... اس میں بولنے کی ہمت نہ رہی .....وہ..... وہ ایک ہفتہ پہلے اگلے مورچوں پر لڑتا ہوا شہید ہو گیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ماں کے لبوں سے نکلا..... اس نے مڑ کر بہو کی جانب دیکھا اور چند قدم چلتی ہوئی آہستگی سے اس کے قریب آئی۔ بہو کے چہرے پر موتی لڑھک رہے تھے۔ اندر کچی زمین پہ لیٹے منے کے رونے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

ماں نے بہو کے سر پر ہاتھ رکھا اور ٹوٹے لہجے میں وہی فقرہ دہرایا۔ جو اس کے جانے پہ کہا تھا۔

مت رو بیٹی! وہ ایک مجاہد تھا..... اس کے وطن کو اس کی ضرورت تھی..... اسے جانا ہی تھا..... سو وہ چلا گیا۔ (وادی کا خیال رکھنا)

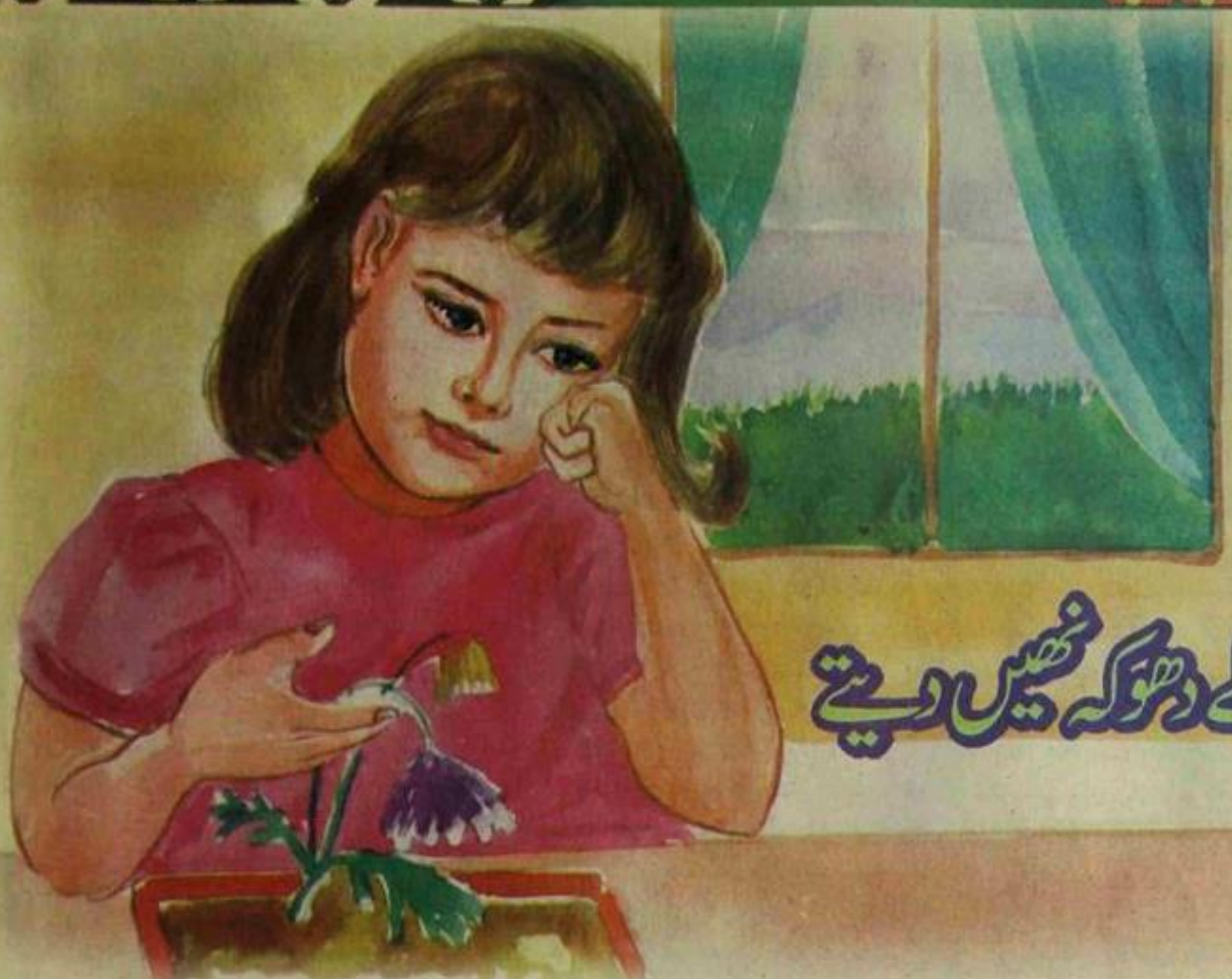

مسلے دھوکہ نہیں دیتے

شاذ بٹ

''اوبس اوئے بس ساوتری میں کوئی رامیش نہ ہوا کوئی بچہ سٹینڈ ہوگیا۔ دونوں بچے مجھے اٹھوائے ہوئے ہیں'' رامیش نے پھولی ہوئی سانس میں جلدی جلدی کہا۔ ''کیا ہے؟ پتا نہیں ہو؟'' ساوتری نے کافی کے کپ میز پر رکھے۔''میں گڈو اور چینا کو لے جاؤں؟'' بہت ہی پیاری معصوم سی خوبصورت ایک کم سن لڑکی اندر آئی۔

''اے تیرا نام.....رشمل ہے نا! تو تو حارث کی بیٹی ہے نا! کتنے بہن بھائی ہیں تیرے؟'' رامیش نے کافی منہ کے قریب لاتے ہوئے پوچھا۔ ''جی میرا نام رشمل ہے میرے ابو کا نام حارث ہم دو بہن بھائی ہیں' اسامہ شہید ہو گیا ہے۔وہ بہت پیارا ہے۔'' رشمل نے معصومیت سے جواب دیئے۔ ''رے وہ تو شہید ہوگیا رے اور تو کہہ رہی ہے وہ بہت پیارا ہے'' ساوتری کے سوال پر اس نے معصومیت سے پھر کہہ دیا ''ہاں وہ ہے' ہے.....'' ''یہ تو ورڈزورتھ کی پوئم کے موافق دکھتا ہے رے ''We are seven'' رامیش نے رائے دی تو ساوتری کچھ سوچ کے بولی ''ویسے بھی ان کے دھرم میں شہید زندہ ہے۔ کتنی عزت ہے ان کے دھرم میں' صرف زندہ کا نہیں جانے والے کا بھی وقار اور احترام ہے''۔

''بس بس اب تو زیادہ متاثر نہ ہو' ہندو سرکار نے ہمیں انہیں ختم کرنے کا کہا ہے۔ یہ احترام وحترام چھوڑ۔ مجھے پتہ نہیں رشمل کا باپ پہلے ہندو دھرم کا تھا پھر اس کی ماں کے کردار اور اس کے دھرم سے متاثر ہو کر وہ بھی مسلا ہو گیا اور ایک دن وہ بھی شہید ہو گیا۔کیا تو چاہتی ہے کہ میں بھی.....؟'' ''بھگوان نہ کرے.....'' ساوتری نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''رشمل بچوں کو لے جا چکی تھی۔ ''میں بچوں کو واپس لے آؤں اس سے؟ ساوتری نے گھبرا کر کہا۔ ''نہیں رہنے دے ساوتری۔ یہ مسلے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے۔ یہ بچوں کو قتل نہیں کرتے اور دھوکا نہیں دیتے۔'' کیپٹن رامیش نے میز سے اپنی ٹوپی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

''بابا' بابا' بابا' میں آ گئی.....'' رشمل دور سے بھاگتی آ رہی تھی۔ اس حسیں وادی میں وہ پہاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے پاؤں ننگے تھے اور جسم پہ اس کے ایک خاکی کوٹ تھا جو اسے کافی بڑا تھا۔ اس کے سنہرے چھوٹے چھوٹے بال ہوا کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا کے باعث اس کے گال ناک اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ رشمل روزانہ گل بابا کے پاس آیا کرتی تھی کیونکہ گل بابا کے پاس ایک ریڈیو تھا جس پر وہ دونوں خبریں اور ملی نغمے سنتے تھے۔

''ارے رشمل تو آج پھر ننگے پاؤں آ گئی ہے؟''

''بابا تجھے تو پتہ ہے میری ماں' بھیا' بابا سب اور میرے دوست ابوبکر اور ارسل اسی مٹی میں شہید ہوئے۔ اس مٹی میں مل گئے۔میں جوتے کو اپنے اور اس مٹی کے درمیان ایک دیوار سمجھتی ہوں۔

میرے پاؤں مٹی میں رہیں تو مجھے سکون ہوتا ہے اور پتہ نہیں کب میں بابا کے پاس چلی جاؤں۔ اس لئے اس مٹی کے پاس ہی رہنے دو۔"

"اور تو یہ جو کوٹ بن کر آتی ہے تجھے کہا ہے بڑا ہے' بہت بڑا ہے" بابا نے اس کے خاکی کوٹ کا جائزہ لیا۔ "بابا یہ بھیا کا ہے۔ میں اسی میں شہید ہوں گی۔ یہ خاکی ہے نا بابا! بابا یہ خاکی اور سرخ رنگ مل کر..... کون سا رنگ بنتا ہے بھلا؟" اس نے کچھ سوچ کے پوچھا..... بابا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور تیسرا سوال کر ڈالا۔ آج تو اپنی لالی کی بجائے اس بچی کو کیوں لے آئی؟ کون ہے یہ؟" بابا لالی کو آج نئی گھاس دی ہے۔ بہت خوشی سے کھا رہی ہے اور کھیل رہی ہے۔ بابا یہ چینا ہے۔ کیپٹن رامیش کی بیٹی..... چلو نا بابا ریڈیو آن کرو....." "ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے ہاں جیتیں گے' ماؤں کی دعا پوری ہوئی ور ہمیں..... اس پرچم کے سائے تلے..... ملی نغمے چلے اور پھر اچانک خبر آئی' ٹرین میں بم پھٹنے سے چالیس افراد ہلاک اور پچیس کے قریب شہید و زخمی حالت میں ہسپتال میں پڑے ہیں" رشمل جس کے چہرے پر پہلے خوشی اور زندگی کی تمازت تھی' اس کا پھول چہرہ اک دم سے مرجھا سا گیا۔ "بابا پاکستانی اپنا ترپن واں جشن آزادی منا رہے ہیں ناں!" "ہاں بیٹا..... بابا ہم بھی ویسے ہی نغمے گائیں گے نا! جب ہم آزاد ہو جائیں گے؟" "ہاں بیٹا ویسے ہی گائیں گے!" "بابا کیا پھر جو کچھ پاکستان میں آزادی کے بعد ہو رہا ہے' وہی ہماری آزادی کے بعد بھی ہو گا؟" "بولو نا بابا! تم تو کہتے ہو جس طرح کشمیری اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں ویسے ہی پاکستانیوں نے پاکستان کیلئے دیں۔ پھر ہمیں بھی آزادی ملے گی تو کیا جو جو برائیاں اور خرابیاں پاکستان میں ہیں ہماری بھی وہی ہوں گی بابا؟ بتاؤ نا بابا" گل بابا حیران تھا' وہ خاموشی سے بت بنا اس کے چہرے کی معصومیت اور بات کی پختگی کو سوچتا رہا جو اس کی بولنے کی ہمت دور کر چکی تھی۔ اچھا بابا اب میں جا رہی ہوں۔ وہ لٹکائے چہرے کے ساتھ مڑی۔ کیا وہی ہماری آزادی کے بعد بھی ہو گا؟ کیا وہی ہماری آزادی کے بعد بھی ہو گا؟ کیا وہی ہماری آزادی کے بعد بھی ہو گا؟ اس کی آوازیں بابا کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔ "بابا..... بابا" وہ اس لمحے مڑی تھی۔

بابا میں غلطی سے چینا کو لے آئی۔ رستے میں اسے کچھ ہو گیا تو؟ بابا میں رامیش صاحب کو بلا کر لاتی ہوں بابا کہ وہ اسے خود لے جائیں۔ میں چلتی ہوں بابا۔ اس کے ننھے ننھے ننگے پاؤں تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ بابا کی نظروں سے وہ اوجھل ہو رہی تھی۔ اک دم اچانک ایک آوازسی گونجی' خاکی کوٹ کے اندر کوئی چیز لپٹی ہوئی زمین پر سجدہ ریز تھی اور اس خاکی کوٹ پہ تیزی سے سرخ رنگ پھیل رہا تھا۔ "رامیش' میری بچی..... تم ہی کہتے تھے مسلے دھوکا نہیں دیتے۔ ہائے میری بچی۔" ساوتری کا رو رو کے برا حال تھا۔ ہائے میری بچی! ہائے میری بچی! وہ ایک پل کو رکی..... رامیش میری بچی مجھ سے جدا ہو گئی رامیش۔ شاید وہ اوپر والا تم سے ناراض ہو گیا رے..... تمہارے سپاہی کتنی بچیاں مارتے ہیں رے..... بھگوان نے بدلہ لے لیا ہے رے..... بھگوان نے بدلہ لے لیا رے..... دروازے پہ دستک سن کر کوئی نہ لپکا۔ رامیش نے ہمت کی۔ "کون ہے رے تو؟ تو تو کوئی مسلا دکھتا ہے رے....." رامیش نے دروازے پہ وہی سوال کر ڈالا..... "ہائے میری بچی' ہائے میری چینو" ساوتری پاگل ہو رہی تھی اور اپنی بچی کو پیار کئے جا رہی تھی۔ سورج طلوع ہونے کو تھا اور اس کا سنہری اور سرخ رنگ آپس میں مل رہے تھے۔ جب ساوتری اس خاکی اور سرخ کوٹ پہ جھکی روتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی..... "تو سچ کہتا تھا رے..... مسلے دھوکا نہیں دیتے..... مسلے دھوکا نہیں دیتے" رامیش اپنی سوچ میں غرق تھا اس منظر میں تو شاید سورج بھی کڑھا ہو گا۔ ساوتری..... میں تو سوچ رہا تھا ری..... یہ بھی تو کسی کی بچی ہے رے!!!" "تو پھر تو نے کیا فیصلہ کیا ہے رامیش؟" "جو تو سمجھی ہے..... ہاں وہی۔"

بقیہ: روف خالد

کہ میرے پر نکل آئے ہیں اور میں اڑ رہا ہوں۔ میں چاہتا بھی یہی تھا کہ پر ہوں اور اڑتا رہوں۔ ہر کسی سے یہی پوچھا کرتا تھا کہ تمہارا جی نہیں چاہتا کہ تمہارے پر ہوں اور تم اڑ جاؤ۔

☆..... بچوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

o..... بچہ بچہ ہوتا ہے چاہے انسان کا ہو یا جانوروں کے بچے سب پیارے شرارتی اور مچلے ہوتے ہیں۔

☆..... پاکستانی بچوں اور بیرونی ملکوں کے بچوں میں کوئی فرق.....؟

o..... بچے سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ہاں آئی کیو میں ہمارے ملک کے بچے زیادہ ہیں میرا مطلب ہے زیادہ ذہین ہیں ہمارے بچے۔

☆..... کسٹم کی نوکری کیوں چھوڑ دی؟

o..... سرکاری نوکری میں اپنی مرضی نہیں چلتی کوئی کام نہیں کرنے دیتا۔ کیونکہ ہم قوم کے لئے کام نہیں کرتے لوگوں کے لئے کرتے ہیں اور یہ مجھے پسند نہیں تھا کہ میں چند مخصوص لوگوں کی بجائے قوم کے لئے کام کرنا چاہ رہا تھا۔ اس لئے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور اب اپنا کام کر رہا ہوں۔

انعامات کی برسات

انچارج کوئز: سید غضنفر علی

پھول دوستو آپ کو انعامات مبارک ہوں آپ نے وقت پہ کوپن بھجوائے اور درست جواب دیئے اسلئے انعام کے مستحق ٹھہرے جہاں پہ آپ انعام ملنے کی خوشی منائیں وہاں اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کریں اور اپنی خوشیوں میں اپنے دوستوں کو بھی شامل کریں۔ جن دوستوں کے انعامات نکلے ہیں وہ 10 نومبر 2000 بروز جمعہ دن گیارہ بجے پھول فورم میں پھول آفس تشریف لائیں اور کسی اچھی سی مہمان شخصیت کے ہاتھوں اپنا انعام لیجائیں اپنے آنے کی اطلاع فوری طور پہ دیں۔ انعامات کی ترتیب کچھ یوں ہے

صفحہ بتائیے

1۔ زینب اشفاق۔ چناب فرنیچر ہاؤس چنیوٹ

2۔ باسط علی نسیم ہاشمی۔ c\o وطن ایئر ٹریولز کوٹلی آزاد کشمیر

3۔ محمد افضل بٹ۔ محلہ عیدگاہ اللہ والی مسجد منڈی وار برٹن

4۔ شیخ رؤف رزاق۔ وارڈ نمبر 14\E محلہ غریب آباد جنوبی ریلوے کوٹ ادو

5۔ سلمیٰ حبیب۔ محلہ ذیلدار موسیٰ خیل میانوالی

کوئز کی دنیا

1۔ آنسہ خدیجہ۔ مبارک کالونی گوجرانوالہ

2۔ حافظ خالد محمود۔ مین بازار مغل آباد

3۔ سحر خورشید۔ اولڈ سول لائن گرلز کالج ساہیوال

4۔ علی حسن ڈار۔ غلام سرور بٹ شیخاں والی مسجد نارنگ منڈی

5۔ عائشہ چوہدری۔ لاجپت روڈ شاہدرہ لاہور

پھول کوئز کی قرعہ اندازی آمنہ اعظم نے کی آپ پھول فورم کی انچارج ہیں

حدیث کوئز

حنا کنول۔ بابر کالونی رحیم یار خان

خصوصی انعام۔۔ محمد ارشد تحصیل و ضلع لودھراں

حدیث کوئز کی قرعہ اندازی سید علی حسن کاظمی نے کی آپکا تعلق ملتان سے ہے۔

ظلم سے بھی کبھی کوئی دبا ہے

کشمیر پہ مشہور زمانہ ڈراموں انگارہ وادی اور لاگ کے ایکٹر، ڈائریکٹر اور رائٹر رؤف خالد کی باتیں

کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسی صلاحیتیں عطا کرتا ہے۔ کہ جو اسے دوسروں سے منفرد اور بلند مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں۔ رؤف خالد بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ کشمیر پر ڈرامہ لکھنے اور پھر اسے پروڈیوس کر کے وہ انٹرنیشنل سطح پر ایک بڑا نام بن گئے ہیں۔ انگارہ وادی کے بعد لاگ جیسی ڈرامہ سیریل پیش کر کے ہزاروں دل جیت لئے۔ رؤف خالد طالب علمی کے زمانے سے ہی ڈرامہ لکھنے کی طرف راغب تھے۔ شروع میں انہیں بھی شدید مایوسی ہوئی لیکن وہ ثابت قدم رہے اور ان کو پہلا ڈرامہ ٹی وی پر چلا۔ اس کے بعد انہوں نے گیسٹ ہاؤس جیسا ڈرامہ لکھا۔ جن میں ان کا کردار ریمبو (افضل خان) زبان زد عام ہوا یعنی انہیں نے نہ صرف سنجیدہ بلکہ مزاحیہ انداز میں بھی اپنا مقام بنایا۔

اس کے بعد انہوں نے وہ ڈرامہ پیش کیا جس نے انہیں شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا اور انگارہ وادی بلاشبہ ایک ایسی تحریر ہے۔ جس نے تاریخ تحریک آزادی کشمیر میں ایک نیا باب رقم کیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے لاگ جیسا ڈرامہ لکھا اور پروڈیوس کیا جس نے تحریک آزادی کشمیر کے دوران مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی عکاسی کی اور دیکھنے والوں کی آنکھیں نم کر دیں۔

رؤف خالد سی ایس ایس آفیسر تھے لیکن پھر شوبز کی رنگینیوں میں آ کر کاسموس کے نام سے ادارہ بنایا اور

یہ بھگوان کا روپ تھا۔ آج ہم نے ایک دیوتا مار دیا

سرکاری جاب کو خدا حافظ کہہ دیا۔ ان کا ادارہ کاسموس پروڈکشن مختلف ڈرامے تیار کر رہا ہے جو عنقریب آپ کی نظروں سے گزریں گے۔

ان کا انٹرویو یہ ممتاز حبیب، رستم حسن زئی اور افتخار عالم نے اسلام آباد میں ان کی رہائش پر کیا آپ کی نذر ہے۔

کچھ دنوں کے لئے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں مقیم تھے معلوم ہوا کہ ہاسٹل سے مشرقی سمت کی مشترکہ دیوار رؤف خالد کی ہے۔ کون رؤف خالد کشمیر پر دو کامیاب سیریل لکھنے والے، ڈائریکٹ کرنے والے اور ہیرو کے روپ میں جلوہ گر "انگارہ وادی" کے کیپٹن حمزہ اور "لاگ" کا کیلاش چنانچہ میں افتخار عالم اور محمد رستم خان وارسک نے ان سے وقت لیا اور عشاء کی نماز کے بعد رؤف خالد کے گھر گئے۔ ملازم نے ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ڈرائنگ روم خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ مصوری کے خوبصورت نمونے دیواروں پر آویزاں تھے۔ مجسمے بھی لگے ہوئے تھے چھوٹے مجسمے جن میں ایک بوڑھے کا مجسمہ تھا۔ دو پری بچیوں کے مجسمے مالاکنڈ کا مجسمہ وغیرہ، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ پینٹنگ اور مجسمے رؤف خالد نے خود بنائے ہیں۔ ملازم ٹھنڈا شربت پلا کر چلا گیا تو رؤف خالد آ گئے۔

سادہ کاٹن کے کپڑے، کلین شیو اور انکساری کی تصویر رؤف خالد ان سے گفتگو ہوئی مزے مزے کی باتیں ہوئیں۔ درمیان میں چائے سے بھی لطف اندوز ہوئے کھانے کا بھی اصرار ہوا مگر بعد شکریہ ہم نے انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ رؤف خالد کافی مہمان نواز ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی اس کی ایک جھلک حاضر ہے۔ یہ گفتگو پشتو میں ہوئی تھی۔

☆..... آپ نے تعلیم کہاں کہاں سے حاصل کی؟

○..... مردان میں جہاں آج کل گورنمنٹ ہائیر سکنڈری سکول (شاڈھنڈ بابا میں) ہے وہاں پر ایک سکول تھا۔ ابتداء وہیں پر کی بعد میں فضل حق کالج مردان میں پڑھا میٹرک کے بعد ایف ایس سی اسلامیہ کالج پشاور سے کیا۔ پھر میرین انجینئرنگ کی اور سی ایس ایس بھی کیا۔

☆..... بچپن کیسا گزرا.....؟

دوسروں کیلئے لڑنا میری عادت بن چکی تھی

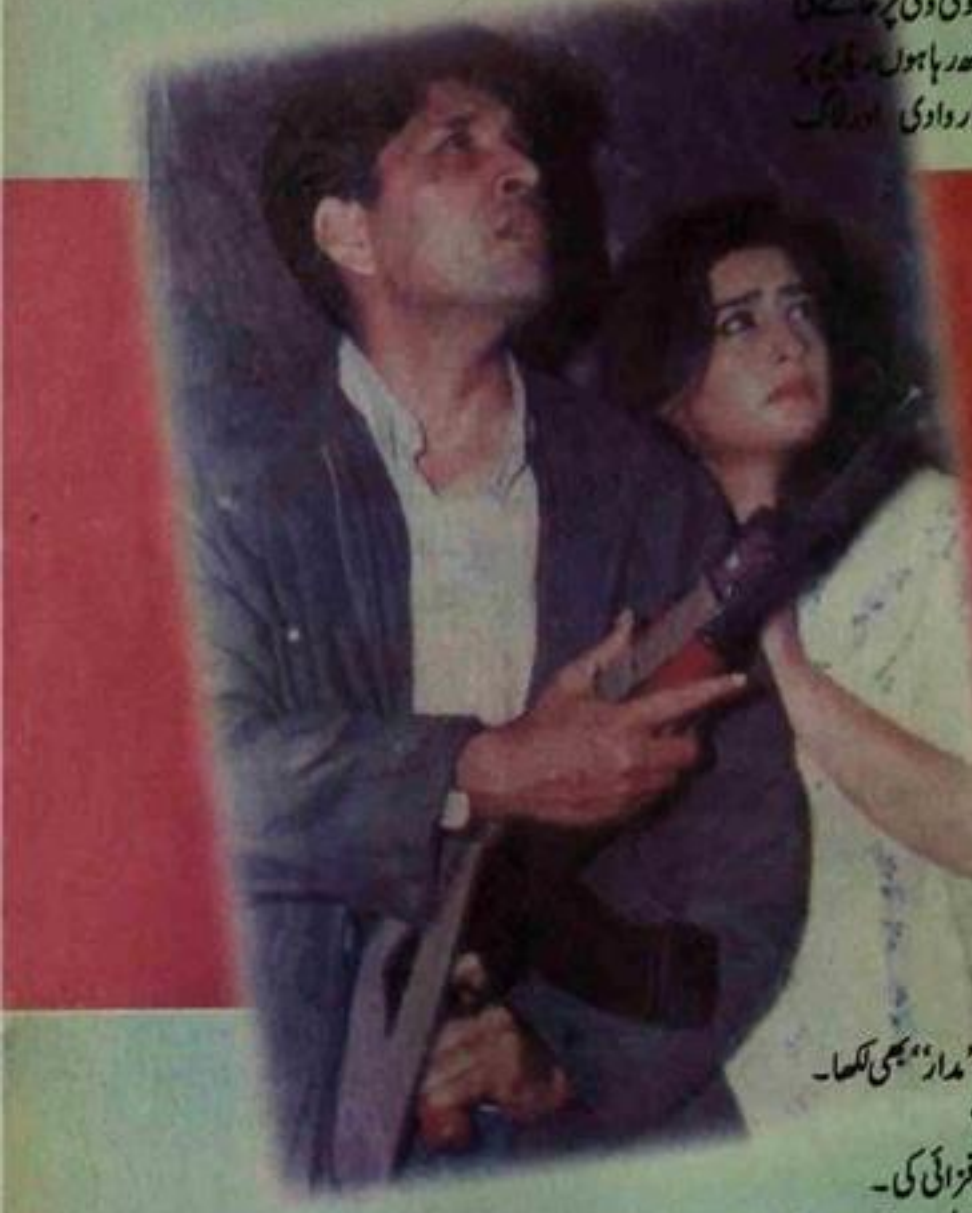

o..... میں نے خوب بچپن گزارا دوسروں کے لئے لڑنا میری عادت بن چکی تھی۔ میں روز کسی کسی نہ کسی کے لئے کسی نہ کسی سے لڑ پڑتا تھا۔ مجھ سے کسی کے حق تلفی کسی پر ظلم حتی کہ کسی پر غلط نام یا آواز کسا جانا بھی نہیں دیکھا جاتا تھا۔ میری ماں کہا کرتی تھی روف کبھی تو گھر ایسے حالت میں بھی آیا کرو کہ تمہارے کپڑے پھٹے نہ ہو تم پر خون نہ ہو تم زخمی نہ ہو۔

☆..... کوئی خاص یاد رہنے والا واقعہ؟

o..... ایسے کئی واقعات ہیں ایک دن میں اور میرا ایک دوست جا رہے تھے۔ میدان میں لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے میرے دوست پر آواز کسی ہم بہت آگے تھے۔ میں واپس آیا اور ان سے جھگڑا شروع کر دیا۔ وہ زیادہ تھے لہٰذا خوب مار کھائی۔ جب بیچ بچاؤ ہوا تو جس کے لئے مار کھائی تھی وہ بھاگ گیا تھا مجھے چھوڑ کر' دوسروں کا حق دلانا اور ان کے لئے لڑنا میری بہت بڑی کمزوری ہے۔

☆..... بچپن میں شرارت کیا کرتے تھے؟

o..... نہیں..... شرارت کی بجائے میں آرٹ میں دلچسپی لیا کرتا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ مجھے آرٹ بھی پسند تھا اور کیمیا' میتھ یعنی سائنس کا بھی دیوانہ تھا۔ بچپن میں مجھے سائنسدان کہا جاتا تھا۔ ہاں چور سپاہی کھیلا کرتے تھے۔

☆..... پسندیدہ شخص کون ہے؟

o..... میں نے بتایا نا کہ مجھے سائنس سے دلچسپی تھی آئن سٹائن مجھے اچھے لگتے تھے۔

☆..... شادی کب کی اور بچے کتنے ہیں؟

o یارہ سال ہو گئے اس بندھن میں بندھے ہوئے تین بچے ہیں' سدرہ بڑی بیٹی ہے دس سال عمر کی ہے اس سے چھوٹا حسن ہے 8 سال کا اور پھر چھوٹا سلیمان ہے ڈھائی سال کا۔

☆..... آتے ہیں لکھنے کی طرف' لکھنا کب شروع کیا؟

o..... جب میں نویں کلاس میں تھا تو میرے لکھے ہوئے ڈرامے ریڈیو پر نشر ہونے شروع ہو گئے یہ پشتو میں لکھے گئے تھے۔ پھر جب فرسٹ ائر میں آیا تو ٹی وی پر خاکے کی شکل میں لکھنا شروع کر دیا اور تب سے اب تک لکھ رہا ہوں ریڈیو پر ڈرامے نشر ہوتے ہیں۔ ٹی وی کیلئے انگار وادی اور لاگ گیسٹ ہاؤس کے کچھ اقساط بھی لکھیں ہیں۔ ''مدار'' بھی لکھا۔

☆..... گھر والوں نے منع نہیں کیا؟

o..... نہیں بلکہ انہوں نے حوصلہ افزائی کی۔

☆..... شاعری کے بارے میں کیا خیال ہے؟

o شاعری ایک اچھی صنف ہے میں خود پشتو میں شاعری کیا کرتا تھا۔ پشتو کے گلوکار سردار علی ٹکر نے میری شاعری گائی ہے۔

☆..... ٹی وی پر بچوں کے پروگرام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

o..... کارٹون فلموں کے علاوہ ٹی وی پر بچوں کے لئے کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ میں ان پروگراموں سے مطمئن نہیں ہوں۔

☆..... تو خود کیوں کوئی پروگرام شروع نہیں کرتے؟

o..... ''آج کہانی'' کے نام سے ایک پروگرام شروع کرنا چاہ رہا تھا جو روزانہ ہوتا کئی سپانسر سے ملاقاتیں کی۔ مگر کوئی سپانس کرنے کو تیار ہی نہیں۔ دراصل یہ گلیمر اور کمرشل کا زمانہ ہے بچوں کا پروگرام کو سپانسر کر کے ان کو کیا ملے گا؟

☆..... آپ نے دو کامیاب سیریل لکھے انگار وادی اور لاگ آپ نے کشمیر ایشو کو اجاگر کیا۔ کشمیر کے بارے میں کیا خیال ہے؟

o..... کشمیر بہت بڑا ایشو ہے۔ کشمیر کی وجہ سے ہم کسی اور بات پر کسی اور منصوبے پر بات نہیں کر سکتے۔ ہمارا تو خیر چھوڑیں' انڈیا کے لئے سب سے بڑا پرابلم کشمیر ہے۔ دونوں ممالک کے دفاعی بجٹ میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے صرف کشمیر کی وجہ سے۔ ان کا تو بجٹ کا بڑا حصہ کشمیر پر خرچ ہو رہا ہے۔ اگر کشمیر کا مسئلہ منصفانہ طریقے سے یو این (UN) کے قراردادوں کے مطابق حل ہو جائے تو دونوں ممالک ترقی کے نئے دور میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ جس قدر ظلم کر رہے ہیں مسئلہ دبانے اور لوگوں کو ڈرانے کے لئے تو انہیں کوئی سمجھائے کہ کبھی ظلم سے بھی لوگ دبتے ہیں۔

☆..... بچوں کے لئے کسی موضوع پر لکھا جائے؟

o..... خوابوں پر بچے جو خواب دیکھتے ہیں اسی طرح کی کہانیاں ہونی چاہئے۔ جیسے میں بچپن میں خواب دیکھا کرتا

بقیہ صفحہ نمبر 11 پر

جس کیلئے مار کھائی وہ مجھے لڑتا چھوڑ کر بھاگ گیا

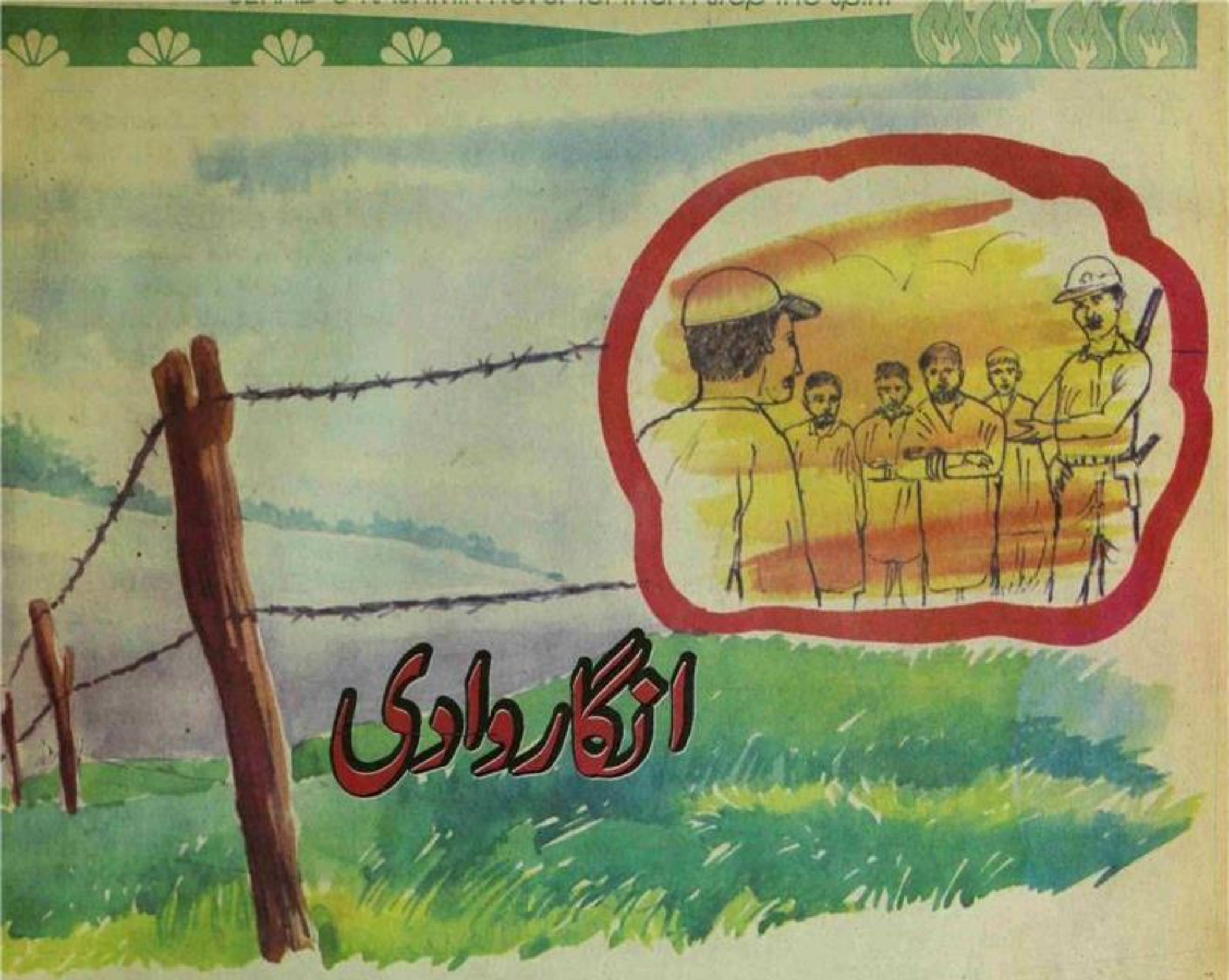

انگارواڈی

(کرنل رام لال اور میجر اچاریہ کرنل کے دفتر میں بیٹھے ہیں)

میجر: سر آپ نے کیپٹن حمزہ کی باتیں سنی ہیں

کرنل: میں نے سنی ہیں اور سمجھی بھی ہیں۔

میجر: ویسے حمزہ بہت خطرناک باتیں کرتا ہے۔

کرنل: میں ہینڈل کرسکتا ہوں اچاریہ ڈونٹ وری

میجر: اس نے کچھ سپاہیوں کو کہا ہے کہ آپ ہارڈر کراس کرنے والوں کو پکڑا دیں' گولی مت ماریں لیکن آپ نے تو گولی مارنے کا حکم دیا ہے۔ فوجی آپ کا حکم مانیں یا حمزہ کا' وہ اگروادیوں کے لئے نرم پہلو رکھتا ہے۔

کرنل: ہاں!

میجر: ان فیکٹ آرمی والوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ ادھر ایک کشمیری کو کیوں بھیج رہے ہیں۔ ان کو یہ اندازہ ہونا چاہئے کہ کچھ بھی ہو ہر آدمی اپنے لوگوں کے لئے نرم گوشہ ضرور رکھتا ہے۔

کرنل: اچاریہ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ ہماری موومنٹ کا اگروادیوں کو بتانا ہی نہ شروع کر دے۔

میجر: یہ پاسیبلٹی بھی تو ہے اور پھر یہ سوپور کا رہنے والا ہے وہاں تو ہر گھر میں اگروادی ہیں۔

کرنل: میں اس کے خلاف ہیڈ کوارٹر کو لکھتا ہوں کہ وہ اسے واپس بلا لیں۔ لیکن اسے پتہ نہ چلے۔

میجر: کیوں نہ اس مرتبہ اسے ٹیسٹ کیا جائے اس مرتبہ کسی موومنٹ کی مخبری ہو تو اسے بھیج دیتے ہیں۔

کرنل: ہاں! میرا بھی خیال ہے کچھ کرنا پڑے گا۔

(حاجرہ کی ماں خواب دیکھ رہی ہے کہ حاجرہ کا باپ آگیا ہے۔ حاجرہ کی ماں بڑی خوش ہوجاتی ہے اور بھاگ کر حاجرہ کے باپ کی طرف جاتی ہے۔ حاجرہ کے باپ کے ہاتھ میں ایک خوبصورت تحفہ پیک کیا ہوا ہے۔ حاجرہ کی ماں حاجرہ کے باپ سے تحفہ لیتی ہے اور بیڈ پر رکھ کر جلدی جلدی کھولتی ہے جونہی وہ تحفہ کھولتی ہے اس کے اندر سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے نظر آتے ہیں حاجرہ کی ماں کے ہاتھ خون سے بھر جاتے ہیں۔ حاجرہ کی ماں اپنے ہاتھوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی ہے۔ چیخ کے ساتھ ہی وہ جاگ جاتی ہے۔ حاجرہ بھی اٹھتی ہے)

حاجرہ: امی کیا ہوا' امی کیا ہوا ہے؟

(حاجرہ کی ماں اپنے حواس بحال کرتی ہے)

حاجرہ کی امی: بیٹا میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔

(حاجرہ جلدی سے امی کو پانی پلاتی ہے۔ حاجرہ کی امی پسینے سے شرابور ہے پانی لیتی ہے حاجرہ اس کے ساتھ ہی لیٹ جاتی ہے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتی ہے حاجرہ کی ماں آہستہ آہستہ دوبارہ سو جاتی ہے۔

28 دسمبر 1991ء

(کیپٹن حمزہ کی پلٹن کنٹرول لائن کے قریب روٹین ایکسرسائز پر ہے۔ کافی سارے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ کچھ فوجی چار کشمیری دیہاتیوں کو جو بقول ان کے سرحد پار کرنا چاہتے تھے پکڑ کر لائے

ہیں۔ ان میں سے ایک کا پاؤں مائن سے اڑا ہوا ہے۔ وہ بری طرح زخمی ہے۔ ان سب کی آنکھیں بند ہیں' ان کی ٹانگیں اور ہاتھ مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ حمزہ گزرتے ہوئے انہیں دیکھ کر چلا جاتا ہے۔ ایک حوالدار کو اشارہ کرتا ہے حوالدار حمزہ کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف جاتا ہے)

(حوالدار اور حمزہ خیمے میں آتے ہیں۔ حمزہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہے)

حمزہ: ان کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ تو نہیں تھا؟

حوالدار: نہیں سر!

حمزہ: یہ کیسے پکڑے گئے؟

حوالدار: سر' اس ایک کی ٹانگ مائن سے اڑی ہے۔ یہ دوسرا اس کا بھائی ہے۔ اس کو اٹھا کر لے جانا مشکل تھا تو خود ہی ہماری پکٹ پر آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم ان کو ہسپتال بھیج دیں گے ویسے بڑے جھوٹے لوگ ہیں۔

حمزہ: وہ کیسے؟

حوالدار: سر' کہنے لگے ہماری بھینس گم ہوئی تھی اسے ڈھونڈنے نکلے تھے کہ ایک کا پاؤں مائن پر آ گیا۔ دیکھو جھوٹوں کو۔

حمزہ: ٹھیک ہے' آپ جائیں

(کرنل ایک سپاہی سے مشین گن لے کر حمزہ کو پکڑاتا ہے حمزہ جحت سے کام لیتا ہے)

کرنل: حمزہ Shoot these Dogs

میجر: حمزہ' کرنل صاحب تم سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ کم آن ڈوائٹ

(حمزہ مشین گن لیکر ان لڑکوں کی طرف چل پڑتا ہے ان کے قریب پہنچتا ہے ان کی طرف دیکھتا ہے' ایک کے سر کا نشانہ لیتا ہے اچانک اس کو لگتا ہے کہ اس کے سامنے طلحہ ہے۔ سارے دیہاتی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا ورد شروع کر دیتے ہیں۔ حمزہ کو پسینے آنے لگتے ہیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ مشین گن پر اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے اور ایک کرب کی سی صورت میں زمین پر بیٹھ جاتا ہے)

(میجر اور کرنل ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور چل پڑتے ہیں)

(اوشا نے مجاہد کیمپ میں ایک چھوٹی سی جگہ اپنی عبادت کے لئے بنائی ہوئی ہے۔ اوشا عبادت کر رہی ہے۔ ایک لڑکا دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اوشا عبادت میں مصروف ہے۔ لڑکا دوبارہ دستک دیتا ہے۔ وہ تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھتا ہے' اوشا گنیش دیوتا کے سامنے مراقبہ میں ہے)

(کرنل رام لعل اور میجر اچاریہ کرنل کے خیمے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حمزہ نظریں جھکائے سامنے بیٹھا ہے)

حمزہ: لیکن سر کیسے مارتا ان کو۔ ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں اور ان سے کوئی اسلحہ برآمد نہیں ہوا۔ ایک کی ٹانگ مائن سے اڑی ہوئی ہے۔

ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ انہیں ہسپتال پہنچا دیں۔

کرنل: یہ کوئی جنگی قیدی نہیں' دیش دوہی ہیں۔

حمزہ: لیکن کسے معلوم کہ یہ واقعی پار جانا چاہتے تھے۔

میجر: تم سمجھتے ہو کہ تمہارے سینئرز بیوقوف ہیں۔

حمزہ: نہیں' یہ بات نہیں

میجر: یہی بات ہے اور کیا بات ہے

حمزہ: سر' آپ کہتے ہیں آپ کو جانوروں خصوصاً کتوں سے بہت محبت ہے۔ آپ دن کا آغاز اپنے بچوں کی تصویریں دیکھ کر کرتے ہیں۔ اتنے رحمدل ہو کر آپ انسانوں پر ایسا ظلم کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ سر ہمیں ان کو قانون کے حوالے کر دینا چاہئے۔ آگے قانون کی مرضی کہ ان کے ساتھ جو بھی کرے۔

میجر: جب فوجی اگر وادیوں کے ہاتھ آتے ہیں تو وہ ان کو قانون کے حوالے کرتے ہیں یا سیدھا سیدھا مار دیتے ہیں؟

کرنل: حمزہ ٹھیک کہہ رہا ہے

(میجر حیران ہو کر کرنل کو دیکھتا ہے (اپنے ساتھ) ہمیں انہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہئے۔ (جیسے بات نہ سمجھ رہا ہو)

کرنل: ٹھیک ہے اچاریہ' تم جاؤ

(کرنل اور اچاریہ کی آنکھیں چار ہوتی ہیں۔ کرنل معنی خیز مسکراہٹ سے اچاریہ کو کچھ سمجھا دیتا ہے)

(مجاہدوں کو ایک پک اپ میں ڈال کر میجر اچاریہ کہیں لے جاتا ہے)

(حمزہ اپنے خیمے میں آ کر ڈریس تبدیل کرنے لگتا ہے۔ اچانک اس کو فائرنگ کی آواز آتی ہے۔ حمزہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے خیمے سے نکلتا ہے۔ سامنے ایک جیپ کھڑی ہے ایک ڈرائیور اس کے ساتھ کھڑا ہے حمزہ ڈرائیور سے چابی چھین کر اور اس کو دھکا دیکر جیپ سٹارٹ کرتا ہے اور بڑی تیزی سے فائرنگ کی آواز کی طرف جاتا ہے۔ حمزہ فائرنگ کی آواز والی جگہ پر پہنچتا ہے میجر اچاریہ کھڑا ہے اور کچھ اور سپاہی ہیں جو دیہاتیوں کی لاشیں ایک کھڈ میں ڈال رہے تھے۔ ان سب کو اچاریہ نے گولیوں سے چھلنی کیا ہوا تھا)

حمزہ: کیوں قتل کیا تم نے ان کو It is a murder in cold blood میں تمہیں قانون کے حوالے کر دوں گا۔ میں تمہارے خلاف گواہی دوں گا۔ میں اپنی یونٹ میں بے گناہ شہریوں کے قتل کی اجازت نہیں دوں گا۔ کنٹرول لائن پار کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ اس کے لئے سرسری سزا صرف اور صرف موت کی دی جائے۔

میجر: گو ٹو ہل Go to Hell

حمزہ: یو گو ٹو ہل You go to Hell

میجر: تمہیں معلوم ہے تم کس سے بات کر رہے ہو

حمزہ: ہاں ہاں مجھے معلوم ہے میں تم سے بات کر رہا ہوں' ایک قاتل سے بات کر رہا ہوں۔

اچاریہ: میں تمہارا سینئر ہوں میں تمہارے خلاف رپورٹ لکھوں گا

حمزہ: رپورٹ تو میں تمہارے خلاف لکھوں گا جب (co) سی او نے تمہیں کہہ دیا کہ ان کو قانون کے حوالے کر دو' تمہیں انہیں گولی مارنے کا اختیار کس نے دیا تھا۔

میجر اچاریہ: شٹ اپ Shut up

حمزہ: یو شٹ اپ You shut up

(اچاریہ جو پہلے سے جیپ میں سوار ہے جیپ چلا کر چل پڑتا ہے۔ حمزہ اس کے پیچھے دوسری جیپ دوڑا دیتا ہے دونوں جیپیں پلٹن میں ایک ساتھ پہنچی ہیں)

(میجر اچاریہ سیدھا کرنل رام لعل کے خیمے میں جاتا ہے کیپٹن حمزہ بھی اس کے پیچھے کرنل کے خیمے میں جاتا ہے)

(کرنل اپنے خیمے میں بیٹھا ہے۔ میجر اچاریہ اور کیپٹن حمزہ داخل ہوتے ہیں)

میجر: سر' میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ کمینہ مجاہدین سے ملا ہوا ہے۔

حمزہ: سر' اس ذلیل کو آپ نے کہا کہ ان لوگوں کو قانون کے حوالے کر دو اس ذلیل نے جا کر سب کو گولی مار دی۔

میجر اچاریہ: کس کو ذلیل کہہ رہے ہو۔

حمزہ: تمہیں کہہ رہا ہوں تم ذلیل ہو' کمینے ہو' خونی اور بدذات ہو۔

(میجر اچاریہ' حمزہ کو دھکا دیتا ہے۔ حمزہ گرتے ہوئے بچتا ہے اور اٹھ کر بجلی کی سی تیزی سے میجر کو مکر مارتا ہے میجر ٹیبل کے اوپر گرتا ہے قریب پڑی ہوئی کرسی سے نکلے ہوئے کیل سے اس کا ماتھا زخمی ہو جاتا ہے)

کرنل: (حمزہ سے) پلیز حمزہ' سٹ ڈاؤن

حمزہ: میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا ایک ایک کو پھانسی تک لے جاؤں گا۔

(حمزہ غصے سے نکلتا ہے' کرنل پیچھے آواز لگاتا ہے۔ ''حمزہ'' ..... ''حمزہ'' حمزہ نہیں رکتا اور سیدھا اپنے خیمے میں جا کر لیٹ جاتا ہے)

(کرنل رام لعل اور میجر اچاریہ بیٹھے ہوئے ہیں میجر اچاریہ کے ماتھے سے بار بار خون نکلتا ہے اور وہ اس کو رومال سے صاف کرتا ہے)

میجر: سر اگر یہ کمینہ اس واقعے کی رپورٹ کردے تو بہت برا ہو گا۔

کرنل: ارے تم خواہ مخواہ پریشان ہورہے ہو پہلی مرتبہ کوئی کشمیری آرمی کی گولی سے مرا ہے کیا؟

میجر: لیکن سر اس سے کوئی بعید نہیں یہ ہیرو بننے کے چکر میں اخبار میں دے سکتا ہے۔ کسی سیاست دان کو استعمال کرسکتا ہے۔

کرنل: فکرمت کرو میں سنبھال لوں گا

میجر: لیکن سر اس واقعے کی رپورٹ اس طرح نہیں ہونی چاہئے۔

کرنل: اچاریہ! رپورٹ میں نے لکھنی ہے یا کپتان نے لکھنی ہے۔ بس تم جاؤ اور ماتھے پر کوئی دوا لگادو۔

میجر: سر! ویسے اس کو بچانا نہیں آپ نے

کرنل: جاؤ جاؤ میں دیکھ لوں گا جو بھی کرنا ہے میں کر لوں گا۔

(ایک پہاڑی کی چوٹی پر سات خوبصورت چیل کے درختوں کے حصار میں مولوی مشتاق وضو کر رہے ہیں۔ وہی لڑکا آتا ہے جس نے اوشا کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا)

لڑکا: مولوی صاحب یہ جو ہندو ڈاکٹرنی ہے اس پہ مجھے شک ہے

مولوی مشتاق: کس بات کا؟

لڑکا: میں نے اسے دیکھا کہ اس نے اپنے کمرے میں سندھیا بنایا ہوا ہے اور وہ عبادت بھی کررہی تھی۔

مولوی: تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

لڑکا: مولوی صاحب آپ تو وضو کر رہے ہیں

مولوی: وضو میں کس گئے کر رہا ہوں

لڑکا: مولوی صاحب آپ نے نماز پڑھنی ہے نا

مولوی: میں بھی عبادت کے لئے وضو کررہا ہوں دیکھو بیٹھو یہاں' اسلام میں بھی اور کہیں بھی کسی مذہب کے پیروکاروں کو عبادت سے روکنے کا حکم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آئندہ تم ایسی بات نہیں کرو گے۔ (لڑکا ہاں کے انداز میں سر ہلاتا ہے) (ایک جگہ نوکھا اور کچھ سپاہی پہاڑ کے اوپر سے حمزہ وغیرہ کو دیکھتے ہیں۔ نوکھا دوربین سے ان کو دیکھتا ہے اور خوش ہوکر اپنی ہتھیلی کو مکہ مارتا ہے)

سپاہی: سر یہاں سے ہم ایل ایم جی سے ان کو مار سکتے ہیں۔

نوکھا: نہیں میں اس کو وہاں ماروں گا جہاں منزل اس کے سامنے ہو۔

(حمزہ اور حاجرہ دریا تک پہنچتے ہیں دریا کے اوپر تار لگا ہوا ہے لیکن اس کا جھولا ٹوٹ چکا ہے حمزہ پہلے حاجرہ کو سمجھاتا ہے کہ وہ کیسے تار سے لٹک کر دوسری طرف جائے گی پھر اکبر کو سمجھاتا ہے کہ وہ حمزہ کی کمر کو مضبوطی سے پکڑ لے حمزہ تار کے ذریعے سے لٹک کر دوسری طرف جاتا ہے جب درمیان تک پہنچتا ہے حاجرہ رسی کھینچنا شروع کردیتی ہے اور حمزہ اور اکبر پار چلے جاتے ہیں حمزہ پھر واپس آتا ہے اس دفعہ حاجرہ اس کی کمر سے مضبوطی سے ہاتھ لپیٹ لیتی ہے حمزہ دوبارہ پار اتر جاتا ہے)

حاجرہ: صبح ہونے والی ہے

حمزہ: بس ہم پہنچ چکے ہیں وہ سامنے کنٹرول لائن ہے۔

(صبح کی اذانیں ہو رہی ہیں۔ پو پھٹ رہی ہے' حمزہ کنٹرول لائن کے پاس وائر تک پہنچتا ہے نوکھا تھوڑی سی دور ایک اوپی میں بیٹھا ہوا ہے اس وقت اس کے پاس تین سپاہی ہیں جن کے پاس ایل ایم جی پکڑی ہوئی ہے نیچے 30/20 بی ایس ایف اور آرمی والے بیٹھے ہیں۔ حمزہ پہلے حاجرہ کے پاگل بھائی کو بار بار وائر پر چڑھنا سکھاتا ہے اور دوسری طرف اتار دیتا ہے اس کے بعد وہ حاجرہ کو وائر کے دوسری طرف اتار دیتا ہے سب سے آخر میں وہ خود وائر پر چڑھنا شروع کردیتا ہے جونہی وہ وائر کے سرے تک پہنچتا ہے ایل ایم جی سے فائرنگ ہوتی ہے حمزہ بری طرح گولیوں سے زخمی ہو کر وائر کے ساتھ لٹک جاتا ہے)

نوکھا: (خوشی سے چیخ مارتا ہے) جئے ہند.....

(دوڑتا ہوا اوپی سے اترتا ہے۔ نوکھا فخر اور غرور کے انداز میں حمزہ تک آتا ہے تاکہ اپنی آخری فتح دیکھ لے وہ آکر حمزہ کی لٹکی ہوئی گردن اوپر کرتا ہے حمزہ کے مردہ جسم میں جان پڑتی ہے وہ اپنا کلاشنکوف سیدھا کرتا ہے اور نوکھا کے چہرے پر فائر کرتا ہے نوکھا کے چہرے اور کھوپڑی کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں اور وہیں مرجاتا ہے۔ سپاہی قریب آتے ہیں ان سپاہیوں میں پرکاش بھی ہے۔ حمزہ شہید ہوجاتا ہے پرکاش حمزہ کو دیکھتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو آنا شروع ہوجاتے ہیں۔

پرکاش: آج ہم نے ایک اوتار کو مارا ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ ہماری آرمی کا سب سے بہادر کپتان ہے۔ یہ بھگوان کا روپ ہے ہم نے آج ایک دیوتا کو مارا ہے۔ (پرکاش حمزہ کی لاش کو سلیوٹ کرتا ہے وہاں باقی سپاہی بھی حمزہ کی لاش کو سلیوٹ کرتے ہیں۔ پاکستانی فوجی آکر حاجرہ اور اس کے بھائی کو لے جاتے ہیں۔

سکرین پہ لکھا آتا ہے 14 اگست 1993

(ماسٹر شفیع اور نازو ہسپتال کے کوریڈور میں چہل قدمی کرتے ہیں' ماسٹر شفیع لنگڑا رہا ہے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے ایک نرس اندر سے باہر نکلتی ہے)

نرس: مبارک ہو' آپ کا پوتا ہوا ہے

نازو: (خوشی سے) بابا مبارک ہو

بابا: تمہیں مبارک ہو نازو

ایک عجیب خواب

''یار رات میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا۔''

''کون سا خواب''

رات میرے خواب میں ایک پتھر ٹوٹا۔ اس پتھر میں سے ایک سوکھا پتہ نکلا''

''ایک سوکھا پتا''

ہاں ایک چنار کا سوکھا پتہ''

''لیکن یہ کیا۔''

''چنار کے اس پتے پر لہو تھا۔ کسی نے اس کی شہہ رگ کاٹنے کی کوشش کی تھی۔''

(نازو اپنے باپ سے گلے ملتی ہے شفیع نازو کو پیار کرتا ہے) (حاجرہ ہسپتال کے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی ہے ساتھ ہی اس کا نوزائیدہ بچہ ہے ماسٹر شفیع اور نازو اندر آتے ہیں۔ نازو اس کو گلے ملتی ہے اس کو کئی مرتبہ چومتی ہے۔ اپنے بھتیجے کو دیکھتی ہے نازو کی آنکھوں سے آنسو آتے ہیں)

نازو: بابا ہم اس کا نام حمزہ بھائی کے نام پر رکھیں گے۔

ماسٹر شفیع: نہیں بچے' میں اس کا نام عبیدالرحمن رکھوں گا۔

بیٹا' عبیدالرحمن میرے بزرگوں میں سے وہ شخص تھا جو آزاد پیدا ہوا تھا۔ سکھوں کی حکومت میں غلام بن گیا جب ڈوگروں نے 1892 کے قحط کے دوران لوگوں کو کشتیوں میں بٹھا کر ولر جھیل میں ڈبویا تھا اس وقت عبیدالرحمن اور اس کی بہو عائشہ بھی ایسی ہی ایک کشتی میں ڈبوئے گئے تھے عبیدالرحمن کشمیری کے بعد پشتوں میں یہ پہلا بیٹا ہے جو آزاد پیدا ہوا ہے۔ میں اس کا نام باہمت انسان کے نام پر رکھوں گا۔ عبید

نرس: (اندر آتی ہے حاجرہ سے) بی بی آپ سے کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔ وہ اپنا نام نہیں بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔

ماسٹر شفیع: کون ہوسکتا ہے۔ تو بیٹا اندر بھیج دو اگر ان سے ملنے آئے ہیں تو ہمارے کوئی اپنے ہی ہوں گے۔

دروازہ کھلتا ہے حاجرہ کا باپ اندر آتا ہے۔ حاجرہ کے باپ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں حاجرہ اس کو پہچان لیتی ہے حاجرہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنا شروع ہوجاتے ہیں حاجرہ اپنے دونوں ہاتھ باپ کی طرف پھیلا دیتی ہے۔

حاجرہ: ابا آپ نے بہت دیر کردی۔

باپ آکر حاجرہ سے گلے ملتا ہے اس کو چومتا ہے اور خود بھی روتا ہے حاجرہ کا باپ اپنے پاگل بیٹے کو بھی گلے لگاتا ہے جو اسے حیران نظروں سے دیکھتا ہے۔

بلوچستان کے نامور اور معروف شاعر، ادیب اور دانشور ضیحی کا بلند پایہ کلام

دیکھ کشمیر کی وادی میں تبسم اپنا

میں تری یاد میں گلہائے عقیدت کے عوض
ے خونناب سے لبریز سبو لایا ہوں!
"بال جبریل" کی سوگند تجھے، دیکھ تو لے
تیرے جاں باز شہیدوں کا لہو لایا ہوں!

یہ انہیں کا ہے لہو جو تھے غلام ابن غلام
جن کی گفتار میں شوخی تھی نہ کردار میں آگ!
آج اونچا ہے ہمالہ سے بھی پرچم جن کا
جن کی ہر بات میں للکار ہے، تلوار میں آگ!

تو نے تاریخ کی زلفوں میں کیا تھا شانہ
ہم نے صندل کے عوض خون جگر گھول دیا!
تیری آواز کی تاثیر تھی یا ضرب کلیم
ہند میں شوکت اسلام کا در کھول دیا

قرطبہ جا کے لٹائے تھے جو آنسو تو نے
مہر و مہ بن کے کراچی میں درخشاں ہیں آج!
فرط غم یہ ہے کہ مژدہ یہ سنائیں کس کو
مور بے مایہ نہیں ہم تو سلیماں ہیں آج!

کھول دے روزن فردوس، خودی کے صدقے
اپنے دیرینہ نشیمن کی بہاروں کو تو دیکھ!
دیکھ کشمیر کی وادی میں تبسم اپنا
سربکف مرد مجاہد کی قطاروں کو تو دیکھ!!

داستاں کشمیر کی

کرب میں ڈوبی ہوئی ہے داستاں کشمیر کی
جانے کب جا کر کٹیں گی بیڑیاں کشمیر کی

ظلم اپنی انتہا سے کتنا آگے جائے گا
بین کرتی پھر رہی ہیں بیٹیاں کشمیر کی

سرخرو ہو کر پلٹنا تم محاذ جنگ سے
اپنی بیٹیوں کو دعا دیتی ہے ماں کشمیر کی

کیوں نہ مٹی میں بھی شامل خون کی مہکار ہو
جب قیادت کر رہے ہوں نوجواں کشمیر کی

ان مہکتی وادیوں میں خامشی پہنے ہوئے
کیسے اپنے دکھ بتائیں نرسیاں کشمیر کی

کیا یہ آزادی مقدر میں نہیں لکھی ہوئی!
کیوں نہیں فریاد سنتا آسماں کشمیر کی؟

کوشش پیہم بھی کرنا اور دعا بھی مانگنا
آخر اک دن ہاتھ میں ہوگی کماں کشمیر کی

(نوید مرزا)

دو ننھے شہید

حافظ مظہر محسن- لاہور

دشمنوں کے حواس گم ہیں
ارے ہٹو
کون آ رہا ہے!
جنہیں نہیں موت کا کوئی غم
جو خون اور آگ میں گھسیں گے
ارے یہ انساں نہیں رکیں گے
یہ پھول شعلوں میں جا رہے ہیں

اور ان کی نازک سی کونپلوں سے
بھینی بھینی سی خوشبوؤں کا
طوفان اٹھا
وہ سینہ تانے کھڑے ہوئے ہیں
موت ان کو بلا رہی ہے
لو ہنستے ہنستے وہ جا رہے ہیں
سلام بھیجا ہے آسماں نے
زمیں نے آنسو بہا دیئے ہیں
ماں نے جیسے دو ننھے بچے
پیار کر کے سلا دیئے ہیں

کشمیر میں

منصور فائز

موسم گل رو دیا کشمیر میں
کس کا آنچل جل گیا کشمیر میں
پھول میرا کیوں مسل کے رکھ دیا
پوچھتی ہے ماتا کشمیر میں
منصفو! اس سمت بھی ہو اک نظر
جرم کی ہے انتہا کشمیر میں
اشک آنکھوں میں اتر آئے ہیں کیوں

کوئی آنگن جل گیا کشمیر میں
ظلم کی بارش سے بچ پائی نہیں
کوئی عصمت کی ردا کشمیر میں
آنکھ بھر آئی مری یہ جان کر
لٹ گیا اک رہنما کشمیر میں
خون کی مہکار سے کیوں بھر گئی
اس قدر پیاری فضا کشمیر میں
مانگتا پھرتا ہے فائز یہ دعا
رحمتیں ہوں اے خدا کشمیر میں

کشمیر کے چند محب وطن شاعروں کا تذکرہ

غلام نبی بٹ

کشمیری شاعری موضوع کے اعتبار سے اور زبان و بیان کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے۔ پہلا حصہ سنسکرت اور ہندی کی آمیزش سے پُر ہے 700 سال قبل اس دور کی عظیم شاعرہ "للہ دید" ایک عظیم صوفی اور دانشور مجذوبہ تھی جو ہندومت سے بت پوجا سے بیزار ایک ذات واحد کی پرستش کرتی تھی اس دور میں اسلام کشمیر میں داخل ہو رہا تھا۔ انکی شاعری تصوف کا دیباچہ ہے۔

ان کے چند اشعار کا ترجمہ

میں سیدھی آئی اور سیدھی چلی جاؤں گی
بے عمل لوگ مجھے بھلا کیا بگاڑیں گے
میں ازل سے ذات واحد کی عاشق ہوں
وید اور ویاس کیا سمجھائیں گے

☆☆☆☆☆

انہی کے ساتھ اسلام کے عظیم علمبردار شیخ نورالدین ولی ایک عظیم مسلم شاعر اور دانشور کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں انکی تبلیغ سے لاکھوں افراد اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ ان کے چند اشعار کا ترجمہ یوں ہے۔

خوف خدا میں میں نے کھانا پینا ترک کیا
تمام عمر ایک سادہ لباس میں بسر کی
جب میں نے اپنا من دھو کر صاف کیا
تو گھر بیٹھے میں نے دنیا کے اسرار پالئے

☆☆☆☆☆

جنہوں نے اپنا عمل اور زندگی قرآن کے مطابق بسر کی۔
وہ لوگ خوش قسمت رہے انکی قبریں آج بھی سرمہ بصیرت ہیں

دوسرا دور : تصوف کے اس دور کے بعد کشمیری زبان میں سادگی اور فارسی کے زیر اثر رنگین ہوگئی تو حسن و جمال اور فطرت کا حسن نزاکت اور کمال اس کے اندر آ گیا اور زندگی کے حقائق سامنے لائے گئے اس دور کی سب سے بڑی شاعرہ ملکہ کشمیر جسے کشمیر کی نور جہاں کہنا مناسب ہوگا "حبہ خاتون" ہیں جو ایک عام دیہاتی لڑکی تھی مگر اسے شاعری میں کمال حاصل تھا بے حد حسین بھی تھی تو کشمیر کے بادشاہ یوسف چک نے اس سے شادی کر کے اسے ملکہ بنایا انکی شاعری عوامی احساسات کی ترجمانی کرتی ہے۔ انکے کچھ اشعار کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

کس سوتن نے تمہیں برمایا مجھ سے روٹھ گئے
آج مدن جی بالا پن کے ٹوٹے سپنوں نے
نینوں سے ساون برسایا مجھ سے روٹھ گئے
آدھی رات گئے در کھولے سپنے بہک چلے
سونے آنگن کو ترسایا مجھ سے روٹھ گئے

☆☆☆☆☆☆

تیسرا دور :۔ اس کے بعد تیسرا دور آتا ہے جب کشمیر کی شاعری میں اردو کے اثرات بھی پڑے اور اسکے موضوعات میں تنوع پیدا ہوگیا۔ جب کشمیر پر غلامی کے گھنے سایے پڑ چکے تھے اور آزادی کی لہر کنارے تک پہنچے لیلئے بے چین ہو رہی تھی اور شاعر بھی اپنے کلام میں حب وطن اور جذبہ آزادی لیئے نظر آتے ہیں اس دور کا تسلسل آج تک جاری ہے

چند بڑے شاعروں کی شاعری کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

محمود گامی اس دور کے ابتدائی شاعر ہیں انکی نظم آج تک ریڈیو آزاد کشمیر سے قومی نغمے کی حیثیت سے سنی جاتی ہے اور مقبول عام ہے۔ کریومنز جگرس جائی چھم نومائی شان عہ چاسی۔ اس نظم کا ترجمہ یوں ہے۔

"اے میرے محبوب (وطن) میں تجھے دل میں بٹھائے رکھوں۔
تیری محبت بھلانے والی چیز نہیں میرا دل عشق کی بھٹی بن گیا۔ اس آگ نے مجھے بھون ڈالا خدا کرے تو جگ جگ جیوے میرے کئی ارمان دل میں رہ گئے ہیں مگر تو نہیں بھولا غلام احمد مہجور کشمیر کے قومی شاعر ہیں تحریک آزادی میں انکی خدمات ناقابل فراموش ہیں انہوں نے ہر جگہ بھارتی تسلط اور ڈوگرہ راج کیخلاف آواز بلند کی انکی ایک نظم کا ترجمہ یوں ہے:

کچھ تو ہے اے لالہ خونیں تیرے غم کا سراغ
کیا اس دیس میں سب کا مقدر ہیں سینے کے داغ
کیا انسان کو خوش آتے ہیں بم برساتے جہاز
حد نظر تک جھلسے کھیت اور اجڑے اجڑے باغ
کیا اس دیس میں بھی ارزاں انسانوں کا خون
کیا اس ظلمت میں جلتے ہیں صرف لہو کے چراغ
زہر کو امرت کہنے والے ایسے لوگ بھی ہیں
کیا شریں سخن کہلاتے ہیں اس دیس کے داغ

☆☆☆☆☆

انہی کی ایک نظم کچھ اس طرح ہے:

باغبانو آؤ اور بہارنو کی شان پیدا کرو
ایسا سامان کر کے پھول کھلیں اور بلبلیں ان پر فدا ہوں
اے نادان بلبل تجھے کون آزاد کرے گا
اٹھ اور اپنی آزادی کا سامان خود پیدا کر
اگر تم اس پھولوں کی بستی کو جگانا چاہتے ہو
تو ساز و رباب چھوڑ کر طوفان کی گھن گرج پیدا کر

☆☆☆☆☆☆

ایک اور انقلابی انداز کا شاعر عبدالاحد بڈگامی غلامی کے خلاف اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتا ہے:

غلامی دلوں کا ولولہ اور جوش چھین لیتی ہے
دماغ غلامی کی وجہ سے برقرار نہیں رہتا
غلامی بہادر شیروں کو زنجیر پہنا دیتی ہے
دلوں میں وہم ڈال کر کانوں کو بہرا کر دیتی ہے
بڑے بڑے حسین غلامی میں خوار ہوتے ہیں
جوتے میں بٹھانے کے لائق آنکھوں پر بیٹھتے ہیں
جو لوگ زبان اور قلم سے آگ برساتے ہیں
غلامی ان لوگوں سے رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوتی ہے

☆☆☆☆☆☆

راشور ناز کشمیری محب وطن شاعر ہیں کئی مرتبہ جیل گئے تحریک آزادی کشمیر کے پرجوش رکن رہے ہیں پاکستان بننے کے بعد کراچی آ کر وکالت کرتے رہے "اسرار خودی" علامہ اقبال کا اردو ترجمہ کر چکے ہیں انکی ایک نظم یوں ہے:

پھر جاگ اٹھی قوم کی سوئی ہوئی تقدیر
بیدار ہے بیدار ہے بیدار ہے کشمیر
سینوں میں ہے قرآن تو ہاتھوں میں ہے شمشیر
بیدار ہے بیدار ہے بیدار ہے کشمیر
اب ظلم کی کوئی نہ یہاں رسم چلے گی
ملت کے مخالف کو سزا خوب ملے گی
واللہ یہ ہے کاتب تقدیر کی تحریر
بیدار ہے بیدار ہے بیدار ہے کشمیر

☆☆☆☆☆

اسی طرح احمد شمیم بھی ان قلمکاروں میں سے ہیں جو پاکستان آئے اور یہاں آ کر انہوں نے اپنے وطن سے محبت اور انکی آزادی کے لئے بہت لکھا انکی ایک نظم یوں ہے:۔

کیسی رات بدلی ہے یارو کوئی من کی بات نہیں
شعلہ تن کی سرو سمن کی کنج چمن کی بات نہیں
ہر اک دام پہ شام کے سائے دام بچھائے بیٹھے ہیں
کن طوروں دل کو سمجھائیں اپنے وطن کی بات نہیں
اپنی خاموشی آخر حرف و حکایت بن کر پھیل گئی
کس وادی آبادی میں اس غنچہ دھن کی بات نہیں

☆☆☆☆☆

طاؤس بانہال بھی اس پود سے تعلق رکھتی ہیں جس نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور پاکستان آ کر حب وطن اور تحریک آزادی کے لئے کام کیا۔ انکی ایک نظم یوں ہے:۔

راہ و رسم کہن کی بات چلی
قیس اور کوہکن کی بات چلی
یاد آ کے رہیں گے دیوانے
جب بھی دار و رسن کی بات چلی
جلتی یادوں کی جگمگاہٹ ہے
ہائے کس انجمن کی بات چلی
کنج غربت میں یوں رہے طاؤس
دھڑکنوں سے وطن کی بات چلی

☆☆☆☆☆

ایک اور مشہور انقلابی شاعر مسعود احمد تبسم کچھ اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:۔

خونچکاں تنہا میرا دل ہی نہیں ہے دوستو
زخم کھاتا ہیں جوانان وطن بے امتیاز
جام لبریز مئے الفت جو تھے شکستہ ہیں
غمگساران وطن سب خستہ و پابستہ ہیں
گلشنوں پہ دیو استبداد ہے خنجر بدست
کلبت و ظلمت ہیں بے مہر آنکھوں میں چھائے
اے وطن پہ جان چھڑکنے والا آؤ جلد آؤ
ظلم کی زنجیر کا ٹو ظلم کی دیوار ڈھاؤ

☆☆☆☆☆☆

ہم اہل وفا ہیں

مائرہ عبید۔ ملتان

اماں سکول کا کام ختم کر کے ماں کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے معاذ نے ماں کو مخاطب کیا تھا۔ ہاں بیٹا! کیا بات ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہی ماں کے چہرے پر چاہت بھری مسکان ٹھہر گئی تھی۔ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔ پوچھو بیٹا۔ اماں مسکرائی تھیں اس کے سوال پوچھنے والی عادت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ ایک ایک چیز کے بارے میں ایسے کریدتا تھا جیسے اس پر ریسرچ کرنے کا ارادہ ہو۔

اماں! کیا میرے ابو غدار تھے۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

اس کا سوال سن کر اماں کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ سوال ہی اتنا غیر متوقع تھا۔ جس بات کو انہوں نے اتنا عرصہ اس سے چھپائے رکھا تھا وہ اسے کیسے پتہ چل گئی تھی۔ انہیں اچانک معاذ کی طرف دیکھتے ہوئے احساس ہوا کہ وہ اپنی عمر سے ایک دم بہت بڑا ہو گیا ہے۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ جان گئی تھیں کہ اب چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں بیٹا۔ بدقسمتی سے تمہارا باپ بھارتی فوج کے ساتھ مل گیا تھا۔ اس نے کشمیر سے غداری کی جس کی سزا کے طور پر مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ شاید اس لئے ہر شخص کی آنکھوں میں میرے لئے بے یقینی اور سرد مہری ہوتی ہے۔ معاذ کے لہجے میں درد کا گہرا احساس اتر آیا تھا۔ ہاں معاذ اور میں آٹھ سال سے یہ نفرت برداشت کر رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ میرا بیٹا بڑا ہو کر اپنے باپ کی اس غلطی کا ازالہ کرے گا اور مجھے بھی اس مٹی اور رب کریم کے حضور سرخرو کرے گا۔ کرو گے ناں؟ ماں نے بڑے مان سے پوچھا اور وہ ان کا مان کیسے توڑ سکتا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خود بخود اس کی آنکھوں میں وہ خواب اتر آیا تھا جب لوگ اس کے باپ کی غلطی کو نہیں اسے اس کی اپنی دھرتی سے وفا کے لئے یاد کریں گے۔ آزادی کے علاوہ اب یہ خواب بھی اس کے لہو میں شامل ہو گیا تھا۔

مجاہدین کی یہ تنظیم جوائن کیے اسے چار ماہ ہو گئے تھے۔ تین ماہ تک تو صرف اس کی ٹریننگ ہوتی رہی تھی۔ کام کرتے ہوئے ابھی اسے صرف ایک مہینہ ہی ہوا تھا۔ لیکن اس عرصے میں وہ کوئی خاص کام سر انجام نہیں دے سکا تھا۔ ویسے بھی اس تمام عرصے میں بھارتی فوج کی طرف سے بڑے سکون کا مظاہرہ ہوا تھا۔ لیکن سب

لوگ محسوس کر رہے تھے کہ اس سکون کے پیچھے کوئی بڑا طوفان چھپا ہوا ہے۔ کوئی بڑا کام ہونے والا ہے۔ اس لئے تنظیم کے تمام لوگ پوری طرح چوکنا تھے۔ معاذ بھی اپنی جگہ پوری طرح چوکس تھا اسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح یقین تھا کہ بھارت کشمیر کا کوئی فیصلہ نہ ہونے تک کشمیریوں کو کسی طور بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ ویسے بھی اسے پوری طرح اس بات کا احساس تھا کہ جو لوگ اس کے باپ کے کارنامے سے واقف تھے ان کی آنکھوں میں اس کیلئے بے اعتباری اور تحقیر تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا کہ یہ آنکھیں اس سے یہ کہہ رہی ہیں کہ غدار باپ کے خون سے کیا توقع کی جا سکتی ہے اور اس نے ماں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس نفرت کی جگہ وفا کی شمعیں روشن کرے گا۔ آج ہنگامی میٹنگ بلوائی گئی تھی۔ معاذ اور تنظیم کے باقی تمام لوگ خفیہ دفتر میں ایک گول میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے تمام ممبران نے منہ پر نقاب پہنے ہوئے تھے اور ان کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان تمام آنکھوں میں بے چینی کے رنگ نمایاں تھے وجہ یہ تھی کہ کسی کو کچھ پتا نہ تھا کہ میٹنگ کس لئے بلوائی گئی ہے۔ عجیب سا سکوت کمرے میں طاری تھا اس سکوت کو ابو طلحہ کی آمد نے توڑا جو ان سب کو لیڈ کرتے تھے۔

السلام علیکم ساتھیو۔ ابو طلحہ نے اپنے لئے مخصوص کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ وعلیکم السلام! تمام ممبران نے جو اپنے لیڈر کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو گئے تھے نے جواب دیا۔ ابو طلحہ نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ یقیناً آپ تمام لوگ آج کی میٹنگ کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں گے۔ ابو طلحہ نے بغیر وقت ضائع کئے بات کا آغاز کیا تھا۔ ہمیں حال ہی میں بھارتی فوج کے ایک خفیہ اڈے کا پتہ چلا ہے۔ ہمارے مخبر نے اطلاع دی ے کہ اس اڈے میں بھارتی فوج نے بہت سا اسلحہ جمع کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس میں ایک باقاعدہ ٹارچر سیل بھی بنایا ہے۔ ایسے اڈے خاص طور پر ہمارا ٹارگٹ ہوتے ہیں اور اس وقت سے یہ ہمارے لئے اور بھی اہم ہو گیا جب ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے دو ساتھی صالح اور ناصر جنہیں پچھلے ہفتے بھارتی فوج گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی کو بھی اسی اڈے میں لے جایا گیا ہے۔ ابو طلحہ نے تھوڑی دیر کے لئے خاموشی اختیار کی پھر بولے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ کیا طرز عمل اختیار کیا جائے کہ ہمارے دونوں ساتھی بھی رہا ہو جائیں اور اس اڈے کو بھی تباہ کیا جائے۔ اس کے متعلق بہت سمجھ بوجھ کے بعد ایک پلان تیار کیا ہے۔ پھر وہ انہیں اپنے پلان کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔ بہت دیر بعد جب وہ انہیں تمام تر تفصیلات سے آگاہ کر چکے تو بولے۔ اس منصوبے کو تیار کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کم سے کم لوگ اس میں انوالو ہوں۔ کیونکہ جتنے زیادہ لوگ ہوں گے غلطی کا امکان اتنا ہی زیادہ رہتا ہے۔ ویسے تو اگر اسے بالکل منصوبے کے مطابق انجام دیں تو اسے دو لوگ بڑی آسانی سے سنبھال سکتے ہیں لیکن پھر بھی ہم ایک اضافی شخص ساتھ بھیجیں گے۔ یعنی ہم سے تین لوگ جائیں گے اور وہ تین ممبرز کون سے ہوں گے اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔ اس بات کا تو مجھے یقین ہے کہ میرے تمام ممبرز خوبیوں میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے ممبرز کی طرف دیکھا تھا۔ ہر شخص کے دل میں یہ خواہش تھی کہ کاش اس مشن کے لئے مجھے منتخب کیا جائے۔ آزدی کی تڑپ تو سب لوگوں کے دلوں میں برابر تھی۔ لیکن سلیمان نے کھڑے ہو کر کہا۔ جناب! آپ اس منصوبے اور اس کی تمام جزئیات کو ہم سے بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ خود اس کے مطابق منتخب کریں کہ ہم میں سے کون جائے گا۔ ہم سے کوئی بھی آپ کی رائے سے اختلاف نہیں کرے گا۔ مجھے پتہ تھا کہ آپ لوگ یہی فیصلہ کریں گے اس لئے ہم نے اس کے لئے پہلے سے تین لوگوں کو سلیکٹ کیا ہے۔ فاروق، شعبان اور معاذ۔ مجھے یقین ہے یہ اس کام کے لئے بہترین ہیں۔ میں آپ سے اختلاف کرتا ہوں۔ ابو طلحہ کے خاموش ہوتے ہی علی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ کس بات پر: ابو طلحہ نے سوال اٹھایا۔ جناب! یہاں پر موجود تمام لوگ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ معاذ کا باپ غدار تھا۔ اور ایک غدار کے بیٹے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ میں تو اسے تنظیم میں رکھنے کے ہی خلاف ہوں کجا کہ اتنے اہم مشن پر معاذ کو بھیجنا: آپ کسی اور کو اس کی جگہ بھیجیں۔ علی نے وجہ اختلاف بتاتے ہوئے کہا تھا۔ معاذ کی آنکھیں یہ سنکر جھک گئیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اب وہ کبھی سر نہیں اٹھا سکے گا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھا کہ اگر اب نہیں بولا تو شاید کبھی لوگ اس کا اعتبار نہیں کریں گے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میرے بڑوں کے گناہوں کی سزا مجھے دی جائے۔ میں مانتا ہوں کہ میرا باپ غدار تھا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے جذبہ جہاد سے سرفراز فرمایا ہے۔ جناب آپ مجھ پر اعتماد کر کے مجھے اس مشن پر بھیجیں انشاء اللہ میں آپ کو ہرگز مایوس نہیں کروں گا۔ دلوں کے بھید تو خدا ہی جانتا ہے اور میں اس خدائے واحد کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں کہ میں کبھی اپنے عہد سے بے وفائی نہیں کروں گا۔

اس کے بات کے اختتام پر ابو طلحہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے تھے۔ شاید اس کے جذبوں کی سچائی جانچ رہے تھے۔ اس مشن کے لئے معاذ کا انتخاب ہوا تھا اور معاذ ہی جائے گا۔ چند

☆.....ہر شخص میں عقل ہوتی ہے اور سمجھ بھی مگر ہر شخص اس سے کام لینا نہیں جانتا۔ (افلاطون)

☆.....جذبہ جب الفاظ کا پیکر اختیار کرتا ہے تو شاعری کہلاتا ہے اور جب عمل میں ڈھلتا ہے تو مقصد حیات بن جاتا ہے (آسکر وائلڈ)

(مرسلہ: اسد حنیف ملک۔ آزاد کشمیر)

☆.....انسان کو ہمیشہ گلاب کی مانند ہونا چاہئے جو ان ہاتھوں کو بھی خوشبو میں بسا دے جو انہیں بے دردی سے مسل دیتے ہیں۔

(مرسلہ: صبوحہ رؤف۔ کراچی)

لمحوں بعد انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔ تنظیم کے تمام ممبران دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے سوائے فاروق' شعبان اور معاذ کے کیونکہ وہ تینوں اپنے مشن پر گئے ہوئے تھے۔ ابو طلحہ کے اندازے کے مطابق انہیں اب تک آ جانا چاہئے تھا لیکن وہ ابھی نہیں پہنچے تھے اور یہی بات ان لوگوں کی پریشانی کا باعث تھی۔ ان کی نظروں میں بے چینی تھی۔ انتظار ٹھہر گیا تھا۔ ایسا انتظار جو کبھی کبھی قیامت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ سب ان کی کامیابی کے لئے دعاگو تھے۔ یاپاک پروردگار! ہم پر اپنا کرم کیجیو۔ ہمارے مجاہدوں کو کامرانی و کامیابی سے سرفراز فرمائیو۔ بہت دیر ہو گئی۔ اب تک ان لوگوں کو آ جانا چاہئے تھا۔ ابو طلحہ نے بے چینی سے کہا تھا۔ انتظار سخت ہوتا جا رہا تھا۔ یاالٰہی اپنی رحمت بھیج۔ دفعتاً باہر کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ سب اپنی اپنی جگہ الرٹ ہو گئے تھے آنے والا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ ساتھی یا بھارتی فوج۔ علی اور قاسم گن لے کر دروازے کے دونوں اطراف میں کھڑے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ دروازہ کھولیں۔ دروازہ کھولیں یہ میں ہوں فاروق۔ باہر سے آواز آئی تھی۔ تمہارے ساتھ کون ہے۔ ابو طلحہ نے دبی دبی آواز میں پوچھا تھا۔ میرے ساتھ رہا شدہ ساتھی ہیں۔ فاروق کے اس جواب پر ابو طلحہ نے علی کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ فاروق اور اس کے ساتھ دو اور افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ ناصر اور صالح تھے۔ رپورٹ ابو طلحہ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہمارے مشن میں کامیابی عطاء فرمائی۔ ہمارے دونوں ساتھی رہا ہوچکے ہیں اور دشمن کا اڈا بھی مدد الٰہی سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ سبحان اللہ تمام لوگوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ نعرہ تکبیر اللہ اکبر کا نعرہ باآواز بلند لگایا گیا تھا۔ لیکن ہمارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔ ابو طلحہ کے پوچھنے پر سب کو خیال آیا۔ بم فٹ کر کے وہ رسی کی مدد سے عمارت کی چھت سے نیچے اتر رہے تھے کہ ایک گشتی فوجی کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اس نے اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اس موقع پر معاذ نے اپنے ساتھی شعبان کو تو بچا لیا لیکن خود دشمن کی گولیوں سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ وہ بہت شدید زخمی ہے شعبان اسے اٹھا کر لا رہا تھا۔ تمام لوگ یہ بات سنکر پریشان ہوگئے تھے۔ اتنے میں شعبان بھی پہنچ گیا اس نے کندھے پر معاذ کو اٹھا رکھا تھا۔ پھر بڑے آرام سے اس نے علی کی مدد سے زخمی معاذ کو زمین پر بچھی دری پر لٹایا تھا۔ اس کی حالت بہت بری تھی۔ خون مسلسل بہہ رہا تھا وہ نیم بیہوش ہو چکا تھا۔

پانی لیکر آؤ۔ ابوطلحہ نے معاذ کی حالت پر پریشان ہو کر تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔ علی نے آگے بڑھ کر پانی کا گلاس پکڑایا تھا۔ ابو طلحہ نے ہاتھ کی مدد سے معاذ کا سراوپر اٹھایا اور پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا۔ بمشکل دو گھونٹ اس کے حلق سے اترے۔ انہوں نے دوسرے ہاتھ کی مدد سے تھوڑا سا پانی لیکر معاذ کے منہ پر چھینٹا مارا۔ معاذ' معاذ آنکھیں کھولو۔ مجاہد کی بے قراری فاتح مجاہد کے لئے۔ معاذ نے ہلکے سے آنکھیں کھول کر ابوطلحہ کی طرف دیکھا تھا پھر علی کیطرف۔ پھر ناصر اور پھر اس کی نگاہیں شعبان پر آ کر رک گئیں۔ نگاہوں میں سوال سمٹ آیا۔ کیا ہوا؟ خدا کا شکر ہے فتح ہمارے نصیب میں ٹھہری۔ بھارتی فوج کا اڈا تباہ ہوگیا۔ شعبان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ الحمد اللہ معاذ کی آنکھوں سے شکر کے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ اس نے ابوطلحہ اپنے لیڈر کی طرف دیکھا۔ میں نے اپنا وعدہ وفا کر دکھایا۔ اب تو کوئی مجھے غدار کا بیٹا نہیں کہے گا۔ علی نے شرمندہ ہو کر نگاہیں جھکالیں تھیں۔ جناب آپ میری والدہ کو میرا پیغام دے دیجئے گا۔ اس نے بہت کمزور سی آواز میں ابو طلحہ سے کہا تھا۔ ہاں ہاں بولو۔ انہیں کہئے گا کہ ان کا بیٹا انہیں سرخرو کر کے جا رہا ہے اور..... اب وہ..... سر اٹھا کر لوگوں کے سامنے..... جا سکیں گی۔ اس کی سانس سینے میں اٹک رہی تھی۔ خدا ..... حافظ..... دوستو..... اس نے آخری دفعہ ان سب کو مخاطب کیا اور پھر ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ کشمیر کا ایک اور بیٹا اپنی زندگی قربان کر گیا اور اس کے بدلے میں جنت پائی۔ کشمیر کی ہسٹری میں ایک اور شہید کا اضافہ ہو گیا۔ لہو رنگ داستان میں لہو کا ایک اور چھینٹا شامل ہو گیا تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ کل فاتح مجاہد کو پوری عزت و احترام سے دفنایا جائے گا۔ ابو طلحہ نے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا۔ معاذ کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ جگہ جگہ گرفیو اور ناکہ تھا۔ بھارتی کتوں کا اتنا نقصان ہو گیا تھا کیسے آرام سے بیٹھتے۔ اس کے باوجود لوگوں کا جم غفیر تھا۔ معاذ کے کارنامے سے کشمیر کا بچہ بچہ واقف ہو چکا تھا کہ کیسے پچھلی رات کو ایک مجاہد دشمنوں کو کاری ضرب لگا گیا تھا۔ وہ اپنے اس شہید کو پوری شان سے اس کی آخری آرام گاہ پر پہنچانا چاہتے تھے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے کشمیر کی ساری وادی گونج رہی تھی۔ فوج بے بس تھی۔ کیسے اتنے بڑے ہجوم کو منتشر کرے۔ بالاخر شہید کا جسد خاکی کی لحد میں اتار دیا گیا۔ لوگوں نے اپنی عقیدتوں کے پھول آنسوؤں کی صورت نچھاور کئے۔ اب سب لوگ واپس جا رہے ہیں ان کی آنکھوں میں اچھے دنوں کا خواب ہے۔ آزادی کی قیمت یقیناً ایسے قیمتی سپوتوں کی صورت ادا کی جا رہی ہے جو نا جانے کب حاصل ہو گی لیکن اس کے حصول تک جنگ تو جاری رہے گی۔ ایسے بہت سے معاذ سر ہتھیلی پر رکھے آئیں گے اور اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کریں گے۔ کشمیر کے اس طویل رقبے پر پھیلے ہوئے قبرستان میں بہت سے شہیدوں کے درمیان معاذ بھی محو آرام ہے۔ لیکن اس کی قبر کے سرہانے لگے کتبے کی عبارت ذرا مختلف ہے۔ لکھا ہے "محمد معاذ۔ جس نے باپ کے بخشے ہوئے داغ کو اپنے باوقار لہو سے دھو دیا اور اس طرح اپنی مٹی اور اپنے رب کے حضور معتبر ٹھہرا"

ایک خوبی

ایک شخص نے جعفر برمکی سے پوچھا کہ آدمی کے کتنے عیب ہوتے ہیں۔ جعفر برمکی نے فرمایا عیب تو بے شمار ہوتے ہیں مگر آدمی میں ایک ایسی خوبی ہے جس پر عمل کرنے سے اس کے تمام عیب چھپ جاتے ہیں۔
سائل نے پوچھا: وہ خوبی کون سی ہے؟
جعفر برمکی نے فرمایا: "زبان پر قابو پانا"
(مرسلہ: محمد مختار احمد۔ دیپالپور)

بلونگڑا

ایک بلونگڑے کی کہانی اسے ایک ہی دن دو امتحانوں سے واسطہ پڑ گیا تھا

نور محمد جمالی

یہ جنگ ہے جنگ آزادی

آزاد رہے اپنی وادی..... سرفراز گاتا ہوا جا رہا تھا..... کبھی بھاگتا..... کبھی اچھلتا اور کبھی کودتا ہوا..... وہ بستہ کمر پر لٹکائے..... گھر کی جانب گامزن تھا۔ خوشی سے اس کا چہرہ سیب کی طرح خوبصورت اور پر رونق ہو گیا تھا۔ وہ چوتھی میں فرسٹ جو آیا تھا..... اس لئے خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی..... آج رزلٹ کا دن تھا..... اس نے حسب دستور پھر پرساد کو پیچھے چھوڑ دیا تھا..... پرساد ایک ہندو لڑکا تھا..... بہت ذہین اور ہوشیار تھا..... مگر اس سے کم..... کیونکہ ہمیشہ دوسرے نمبر پر ہی رہتا تھا اول وہی آتا تھا۔ "پرساد..... جس طرح میں نے اول انعام حاصل کر لیا ہے..... اور چوتھی کے امتحان میں تمہیں شکست دے دی ہے..... اسی طرح میں تم لوگوں سے کشمیر بھی چھین لوں گا..... تم شکست کھا جاؤ گے....." وہ بڑبڑاتا ہوا جا رہا تھا۔

"امی..... ابو..... اور بھیا..... بھابی اور باجی کتنی خوش ہوں گی جب انہیں میں یہ رزلٹ کارڈ دکھاؤں گا....." اچانک ایک فائر ہوا۔ گولی اس کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی وہ بے اختیار رک گیا..... خوف سے اس کی آنکھیں ابل پڑیں اس نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ دوسرے لمحے سن ہو کر رہ گیا۔ درخت کے پیچھے سے چار فوجی نکل آئے تھے۔ ان کے ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔

"کیوں بے..... ہم سے کشمیر چھینے گا تو..... اور کیا کہہ رہا تھا تو..... ہیں..... ہمیں شکست دے گا..... ہاہاہا..... یہ قد دیکھ..... بلونگڑے..... چوہے..... کشمیر صرف ہمارا ہے....." ایک فوجی نے آگے بڑھ کر اسے دھکا دیا..... وہ لڑکھڑا کر پیچھے خشک پتوں پر گرا..... پتے چیخ اٹھے..... درخت حیرت سے معصوم بچے کی سمت دیکھنے لگا..... جواب بالکل خوف زدہ نہ تھا..... خوف میک اپ کی طرح غائب ہو گیا کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا..... تن کر..... بولا۔ "کشمیر میرا ہے..... صرف میرا....." یہ کہہ کر وہ جانے لگا..... دوسرے فوجی نے اسے ہاتھ سے پکڑا..... اور اوپر اٹھایا..... بے اختیار سرفراز نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لا الہ الا محمد رسول" اللہ میاں..... مجھے حوصلہ دے..... میں بزدل نہیں بننا چاہتا"..... دوسرے لمحے اس کے وجود میں انجانی سی طاقت بھر گئی۔ جو مرنے کیلئے خود تیار ہو اسے کوئی کیسے مار سکتا ہے۔ "ہاہاہا....." شیطانی قہقہے پڑے۔ "اسٹاپ دس..... نانسنس....." اچانک آواز ابھری..... ایک سوٹ بوٹ میں ملبوس شخص وہاں کیمرہ لئے نمودار ہوا۔ اس فوجی نے بچے کو نیچے اتار کر کھڑا کر دیا۔ اور گردن ٹیڑھی کی۔ "کون ہے بے تو؟" فوجی نے بدتمیزی دکھائی۔ "میں بی۔ بی۔ سی..... کا اسپیشل نمائندہ ہوں میرے ہوتے ہوئے..... تم..... یہ ظلم نہیں کر سکتے..... اس منظر کو کیمرے میں محفوظ کر چکا ہوں اور دنیا کو تمہارا یہ مکروہ روپ دکھاؤں گا۔ "نمائندہ..... ہاہاہا..... جاؤ اپنا کام کرو۔ تمہیں اس بلونگڑے سے کیا لینا..... یہی بلونگڑا تو انسانیت کی امید ہے۔ تم اسے کیسے بجھا سکتے ہو چاروں فوجیوں نے ایک دوسرے کی طرف معانی خیز نظروں سے دیکھا اور سر ہلایا اور بندوقیں سیدھی کر لیں۔ خوفناک دھماکہ ہوا اور بی۔ بی۔ سی کا نمائندہ اچھل کر گر پڑا..... لہو اس کے سینے سے آبشار کی طرح بہہ رہا تھا۔ ایک فوجی نے کیمرہ توڑ دیا..... اور رول کو ضائع کر دیا۔ بچے کے چہرے پر خوف کا سایہ سا لہرایا اس نے بھاگ کر زخمی کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھنے کی کوشش کی۔ "گھبرانا نہیں بچے! یہ تمہارا امتحان ہے..... انکل یہ بہت گندے بچے ہیں۔ آپ نے ان سے کیوں بحث کی..... پتا نہیں کیوں..... انگریز رپورٹر آخری بار مسکرایا بس ایک بلونگڑے کو اپنے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے چاہا کہ تم جیو اور پھر بڑے ہو کر ان سے لڑو..... بچے نے آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ سرفراز کے بائیں ہاتھ میں موجود رزلٹ کارڈ سرخ ہو گیا تھا جو وہ اپنے گھر والوں کو دکھانے والا تھا.....

آرایم راہی

موت کی گھاٹی

ایک کشمیری باپ کی خواہش کی کہانی۔۔اسے اپنی بن ماں کی بچی سے بہت پیار تھا

پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی وہ کچھ بوکھلایا بوکھلایا سا لگ رہا تھا۔ جب وہ بولا تو خود اسے اپنا لہجہ اجنبی سا محسوس ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں گفتگو کا آغاز کہاں سے کروں۔ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر بولا۔ مجھے پانی مل جائے گا۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اس نے پتھر پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لئے اور پانی پینے لگا۔ آپ اطمینان سے اپنی بات شروع کریں۔

پانی پینے کے بعد اس نے چند لمحے توقف کیا اور پھر خلا میں گھورتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ جناب مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ میں اپنی حرکت پر سخت شرمندہ ہوں لیکن .....لیکن میں اپنی معصوم بیٹی کو موت کی بے رحم ہاتھوں میں جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میری بیٹی ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ مجھے اس کے علاج کے لئے رقم کی ضرورت ہے۔ اس لئے ..... اس لئے میں نے قابض فوجیوں سے سودا کرلیا۔ ایک بھیانک سودا' کیسا سودا! اس کے سامنے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا ابوقاص چونک اٹھا۔ وہ آنے والے اس اٹھائیس سالہ جوان کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جس نے اپنا نام کلیم گردیزی بتایا تھا۔ یہ دشوار گزار پہاڑوں کے درمیان گھنے جنگل میں ایک چھوٹے سے غار کا دہانہ تھا۔ جہاں کلیم گردیزی بڑی مشکلوں سے پہنچا تھا۔ اسے اچھی طرح چیکنگ کے بعد کمانڈر ابوقاص کے سامنے لایا گیا تھا۔ جناب میں عام حالات میں ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن بیٹی کی بے پناہ محبت نے میرے جذبہ حب الوطنی کو کچھ دیر کے لئے دبا دیا تھا اور پھر میں نے بھارتی فوج کے میجر پرمود کو اس ٹھکانے کے بارے میں بتا کر اس سے اپنی بیٹی کے علاج کے لئے ایک بڑی رقم وصول کی۔ لیکن جب تک میں ہسپتال تک پہنچا' میرا سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ میرا جذبہ حب الوطنی ایک دفعہ پھر بیدار ہوگیا تھا اور اب میری اطلاع کے مطابق اگلے پانچ گھنٹوں میں وہ یہاں حملہ کرے گا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

کمانڈر ابوقاص ایک دم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ تم نے .....تم نے اپنی ایک بیٹی کے بچانے کے لئے کشمیر کی سینکڑوں بیٹیوں کی موت کا سودا کیا۔ ابوقاص نے غصے اور جذبات کی شدت سے مٹھیاں بھینچ لیں لیکن ایک بات یاد کرکے وہ نرم پڑ گیا۔ ٹھیک ہے اچھا ہوا تم ضمیر کی آواز پر بروقت لوٹ آئے ورنہ کشمیر کی دھرتی پر تار تار ہونے والی سینکڑوں ردائیں تمہیں کبھی معاف نہ کرتیں۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے معاف کردیا۔ میں اپنے رب سے بھی پرامید ہوں کہ وہ بھی مجھے معاف کردے گا۔ کلیم گردیزی نے

آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا اور کچھ دیر بعد وہ واپس اسی راستے پر جارہا تھا جس راستے پر مجاہد اسے کمانڈر کے پاس لائے تھے۔ پہاڑوں سے اترتے ہوئے اس کی نظر اس سڑک پر تھی جس پر اکادکا گاڑی گزر رہی تھی۔ مجاہد نے اسے کافی اوپر سے رخصت کردیا۔ کلیم گردیزی نے سڑک کے کنارے آکر ایک بس میں بیٹھا اور دس منٹ کے سفر کے بعد ایک چوک پر اترا۔ دو منٹ کی مسافت طے کرکے وہ ایک فوجی ہیڈکوارٹر کے سامنے کھڑا تھا۔

تمہاری پیاری بیٹی کیسی ہے۔ پرمود اسے دیکھتے ہی مکارانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولا۔ میری بیٹی کی حالت اب بھی خطرے سے باہر نہیں ہے۔ لیکن علاج جاری ہے۔ وہ سر جھکا کر دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ تم نے ہمارا کام ٹھیک طرح سے انجام دیا ہے۔ اب تم جاؤ اور اپنی پیاری بیٹی کی تیمارداری کرو لیکن یاد رہے ٹھیک وقت پر پہنچ جانا ابھی تمہاری ضرورت باقی ہے۔ ٹھیک ہے کلیم دھیمے لہجے میں بولا اور شکستہ قدموں سے ہسپتال کی طرف چل دیا۔ اس کی بیٹی اپنے بیڈ پر سو رہی تھی۔ وہ احتیاط سے اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ بیٹی کا معصوم چہرہ اس کی امیدوں کا مرکز تھا اسی مرکز کے لئے وہ زندہ تھا۔ اس کا کوئی ایسا خواب نہیں تھا۔ جس کا تعلق اس کی بیٹی سے نہ ہو۔ جب اس کا دل دھڑکتا تھا تو اسے محسوس ہوتا تھا جیسے بیٹی کی محبت میں شامل ہوکر اس کے وجود میں پھیل رہی ہے۔ یہی سوچ زندگی کا حاصل تھی۔ بیٹی کے معصوم چہرے پر موت کے سائے منڈلانے لگے تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ میں اپنی اکلوتی بیٹی کو موت کے منہ میں جاتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کے دل میں درد سا اٹھا۔ اس نے میجر سے لی ہوئی رقم بھی ابوقاص کے حوالے کردی تھی۔ وہ اس وقت ضرور سوچ رہا تھا کہ اس کی بیٹی کی جان بچ سکتی ہے۔ لیکن وہ تو اس کے حوالے کرنی ہی تھی۔ خودکو بے بس پاکر اس کے آنسو بے اختیار ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اس لمحے اسے اپنی بیوی شدت سے یاد آئی جسے اچانک موت نے آلیا تھا۔ اس کے ساتھ زندگی کا دور کتنا مختصر تھا اور پھر غم کی ایک اتھاہ گہرائی جس میں وہ جانے کب سے گرتا ہی چلا جارہا تھا۔ اسے پالنے والے کشمیر میں یہ دکھ ہی دکھ کیوں ہیں۔ اس نے سوچا اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بیٹی کا معصوم چہرہ تکنے لگا۔ جس کی عمر تین سال تھی جب کشمیر سے آزادی کی طرح اس کی ماں اس سے روٹھ چلی تھی اور اب چند سال بعد اسے بیوی کی آخری نشانی کے متعلق اندیشوں نے گھیر رکھا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر اپنی بیٹی کے سرہانے آنسو بہاتا رہا پھر ایک دم چونک اٹھا۔ بیٹی کا چہرہ جی بھر کے دیکھنے کے بعد اس نے جھک کر اس کی پیشانی کو چوما اور ایک لمحے کے لئے سسک اٹھا۔ لیکن پھر یوں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہسپتال سے نکلا جیسے اچانک اس کے پاؤں سے لپٹ کر اسے روک لے گی۔

کچھ دیر بعد وہ میجر پرمود کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ تم جانتے ہو۔ یہ مشن میرے لئے کتنا اہم ہے۔ جس میں تمہاری طرف سے معمولی سی گڑبڑ کی سزا بھی موت ہے۔ تمہارا دھواں دھواں سا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم بہت کچھ سوچ کر آئے ہو۔ یقیناً تم نے اپنی بہتری کے لئے ہی سوچا ہوگا۔ کلیم گردیزی سر ہلا کر ہی رہ گیا۔ اس کی سوچ تو ہسپتال میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہی رہ گئی تھی۔ اس کی روح اس کی سوچ میں ڈھل کر اس کے جسم سے کب کی نکل چکی تھی۔ وہ بیٹی کو اور کیا دے سکتا تھا۔ اپنی روح کے علاوہ جو زخمی تھی۔ بالکل دھرتی کی طرح اور اس کا احساسات سے عاری جسم میجر اور اس کی کمپنی کا گائیڈ تھا۔ جنہیں وہ پہاڑوں کے خطرناک راستوں پر لئے چلا جارہا تھا۔ ایسے راستے جہاں قدم قدم پر موت تھی۔ جہاں کہیں لغزش ہوئی اور انسان کا وجود گم۔ ..... پہاڑوں کی طرح کشمیر کے چپے چپے پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ رکے ہوئے قدم چل پڑے تو انہیں ہر لمحے کی کسی گھاٹی کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ پہاڑوں کے نشیب و فراز اور گھنے جنگلوں کا یہ سفر خاصا تھکا دینے والا تھا۔ اس کے پیچھے میجر اور اس کی کمپنی اس کے نقش قدم دیکھ رہے تھے۔ میجر نے اسے اپنی ضرورت بنالیا تھا۔ اس لئے اب اسکے پیچھے چلنا مجبوری تھی۔ یکایک کلیم رک گیا۔ میجر اس سے کوئی دس قدم پیچھے آرہا تھا۔ وہ ہانپتے ہوئے اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھیں خطرناک گھاٹی کی گہرائیوں میں دیکھ رہی تھیں۔ جو اچانک ان کے سامنے آموجود ہوئی تھی۔ میجر کی نظریں گھاٹی سے ہٹ کر کلیم کے چہرے کو پڑھنے لگیں۔ تم نے اگر کوئی فراڈ کیا تو اس کا انجام بہت ہی عبرتناک ہوگا۔ کیوں گھاٹی دیکھ کر ڈر گئے میجر ' میں نے کوئی فراڈ نہیں کیا۔ ہم صحیح راستے پر جارہے ہیں۔ کلیم نے گھاٹی کے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہم یہیں سے گھاٹی عبور کریں گے۔ یہ تو انتہائی خطرناک راستہ ہے۔ پرمود کے لہجے میں تشویش دیکھ کر اس نے پریشانی سے کہا۔ لیکن ہمارے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں۔ ٹھیک ہے' ہم اس کو عبور کرلیں گے۔ میجر کچھ سوچ کر بولا۔ سب سے پہلے گھاٹی کے پار تم جاؤ گے۔ کلیم نے سر ہلا اور اللہ کا نام لے کر ان چھوٹے چھوٹے پتھروں پر سنبھل کر چلنے لگا۔ جس میں کسی پھسلواں پتھر پر پاؤں پھسلے اور زندگی کی مہلت ختم۔ لیکن وہ تو انہی پہاڑوں کا بیٹا تھا۔ کتنے قافلوں کی وہ رہنمائی کر چکا تھا اور کتنے ہی قافلے ایسے ہی گھاٹیوں میں دفن ہوئے تھے۔ اور وہ اس بار بھی گھاٹی پار کرکے اس پار جا پہنچا۔ چند فوجی یکے بعد دیگرے موت کے پتھروں پر چل پڑے۔ پچھلا فوجی ایک لمحے کے لئے گھبرایا موت کے پتھروں نے اسے نیچے دھکیل دیا۔ اس کی آخری چیخ فضاؤں میں تحلیل ہوکر رہ گئی۔ اپنی باری کے منتظر فوجی ایک لمحے کے لئے کانپ اٹھے۔ ان انہیں بھی پار جانا پڑا۔ میجر نے آخری پلاٹون کے ساتھ گھاٹی پار کرلی تب تک اس کی کمپنی کے دس جوان گھاٹی کی نذر ہو گئے تھے۔ میجر کو ان کی موت کا کوئی غم نہیں تھا۔ جب تک وہ زندہ تھے۔ میجر کے لئے کارآمد تھے۔ اسے اپنے کام سے مطلب تھا۔ انسان سے نہیں۔ اس نے رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں گردوپیش کا جائزہ لیتے لیتے وہ چونک اٹھا اور گن سنبھالتے ہوئے کلیم پر تان کر غرایا۔ تم نے ہمیں بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔ اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کی غراہٹ کسی خون آشام بھیڑیے کی طرح تھی۔ کلیم حیران ہوا کیسا دھوکہ؟

گھاٹی عبور کرتے وقت میں نے گردوپیش کے راستوں پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم تین اطراف سے محصور ہوچکے ہیں۔ یہ سامنے پہاڑ ہی ہمیں یہاں سے نکال سکتا ہے۔ لیکن اب میں سمجھ رہا ہوں کہ اس پہاڑ پر موت ہماری منتظر ہے۔ کلیم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ گردن موڑ کر اس نے پہاڑ کی اونچائی پر نظر جمائی اور پھر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ احمق تمہاری طرح ہوتے ہیں پرمود یہ وہ چوہے دان ہے جس میں پھنسی ہوئی گردن نکالنا اب تمہارے بس میں نہیں رہا۔ یہ سچ ہے کہ میں بک گیا تھا اور یہ تب کی بات ہے جب میں بیٹی کی محبت کے سامنے جھک گیا تھا۔ لیکن وہ مائیکرو چپ بھی تمہارے کام نہ آسکا۔ جو تم نے ایک بٹن کی صورت میں میری قمیض میں ٹانکا تھا۔ تم یہی دیکھنا چاہتے تھے نا کہ میری خبر سچی ہے یا جھوٹی اور مجھے مجاہد کمانڈر ابوقاص کے ٹھکانے بھیج دیا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا گناہ تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تمہیں پھر بھی بے وقوف بنایا۔ مائیکرو چپ نے ٹھکانے کے راستے نشاندہی کردی تھی۔ اور وہ کہانی بھی جاندار تھی۔ جو میں نے ان کے ٹھکانے پر سنائی لیکن تم کتنی آسانی سے یہ بات مان گئے کہ میں تمہیں ایک ایسے راستے سے وہاں پہنچادوں گا۔ جہاں

ہجرت کے بعد

سب سے پہلے پھول والے ہی ہم تک پہنچے

کوٹلی آزاد کشمیر پہنچے والے مہاجرین کی رپورٹ امجد اعجاز احمد کی زبانی

اب کی بار کشمیری مہاجر و مجاہد بھائیوں کے لئے جو سامان جمع ہوا تھا۔ اس کے لئے یہ ذمہ داری مجھے سونپی گئی کہ جا کر سامان دے آؤں پہلے پروگرام مظفر آباد کا تھا پھر ارادہ تبدیل ہوا کہ کوٹلی جایا جائے جہاں ان دنوں کنٹرول لائن پر بھارتی گولہ باری کر رہے ہیں۔

کوٹلی جا کر پہلے دن تو کسی سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔ رات ہوٹل میں گزاری۔ دوسری دن البدر مجاہدین مرکز گیا اور چند تفتیشی مراحل سے گزر کر مہمان خانے تک پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد یوسف شاہ بھائی اور اسد اللہ بھائی سے ملاقات ہوئی۔ کوٹلی آنے کی غرض بیان کی۔ دونوں ساتھیوں نے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی اور یوسف شاہ بھائی اسی وقت میرے ہمراہ ہوٹل گئے اور سامان اٹھالائے کہ اب آپ کا ہوٹل میں رہنے کا کوئی جواز نہیں۔

اسد اللہ بھائی کے ذمہ گاڑی کا انتظام لگایا گیا وہ اسی وقت گئے اور گاڑی لے آئے۔ تمام کپڑے جن میں سلے ہوئے کپڑوں کی 6 بوریاں اور ان سلے سوٹ 1000 سے زائد تعداد میں تھے۔ گاڑی میں لوڈ کئے گئے۔ اس سے قبل ادویات کے 5 کارٹن جن میں فسٹ ایڈ کے علاوہ دیگر عوارض کی ادویات بھی شامل تھیں۔ اور کچھ مردانہ ان سلے تھان مجاہدین کی نظر کئے گئے۔

پروگرام یہ طے پایا کہ کوٹلی سوہلناں مہاجر کیمپ جو کہ کوٹلی شہر

پھول کی طرف سے 6 بوریاں سلے ہوئے کپڑے
اور 1000 ان سلے سوٹ تقسیم کئے گئے

اللہ ان کا دامن اجر سے بھر دے

17000 روپے کی ادویات کے 5 کارٹن مجاہدین کی نذر کیے گئے

ننھی عشرت نے پوچھا
لوگ ہمیں مہاجر کیوں کہتے ہیں؟

سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے سفر پر ہے جایا جائے۔ جہاں تازہ مہاجرین اور کنٹرول لائن کے متاثرین سے ملا جائے۔ البدر مرکز سے اسداللہ بھائی اور شکر یار بھائی کے ہمراہ سفر کا آغاز کیا۔ یہاں آ کر جب شیر محمد خان سے ملے جو کہ مہاجر کیمپ کے انچارج ہیں انہوں نے نئے آنے والے مہاجرین کے متعلق بتایا کہ یہ لوگ ہیں جن کو مجاہدین کی مدد کرنے کے جرم میں اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے۔ تو آیئے آپ کو ان لوگوں سے ملواتے ہیں جو غلامی کی زنجیریں توڑ کر آگ کا دریا پار کر کے پاک دھرتی تک پہنچے اور اپنے گھر والوں کو محفوظ ہاتھوں میں دے کر دشمن سے لڑنے کے لئے گاہے بگاہے مجاہدین کے ہمراہ مقبوضہ کشمیر جاتے رہتے ہیں۔ یہ مجاہدین کے راہبر بھی ہوتے ہیں اور ساتھی بھی ان میں سے کچھ تو جبر کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت کا مرتبہ پا گئے اور کچھ غازی ایسے ہیں جو شہادت کی آرزو میں بار بار جاتے ہیں۔ یہ مولوی محمد اسلم ہیں جو امام مسجد تھے۔ ان کا گھر مجاہدین کے لئے محفوظ پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔ گزشتہ رمضان المبارک میں ان کا گھر بھارتی فوج نے جلا دیا یہ خود اور بچے جنگلوں میں پناہ لیتے اور چھپنے پر مجبور ہوئے۔ گرفتار ہوئے اور تشدد کے امتحان سے کامیاب نکلے۔ ہم نے پوچھا کہ بچوں نے کنٹرول لائن کیسے پار کی تو بتانے لگے کہ ہم لوگ 11 ستمبر کو یہاں پہنچے ہیں۔ ہمارے بچوں کو مجاہدین نے اپنی کمروں پر باندھ کر یہاں تک پہنچایا ہے۔ بوڑھے مولوی اسلم اب پھر ظلم کی وادی میں جانے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

یہ عبدالشکور شہید کا گھرانہ ہے دو معصوم بچے آج بھی اپنے شفیق باپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ لوگ 94 میں ہجرت کر کے آئے تھے اور عبدالشکور بار بار دشمن سے پنجہ آزمائی کے لئے اپنے وطن واپس جاتا رہا اور پھر ایک دن وہیں کا ہو کر رہ گیا اس کے گھر والوں تک صرف شہادت کی خبر ہی پہنچی۔

دل محمد شہید: 98 تک یہ لوگ کشمیر میں زمیندارہ کرتے تھے مجاہدین کی مدد کی پاداش میں ان کا گھر بار جلا دیا گیا۔ دل محمد مجاہدین کا گائیڈ بن گیا۔ اور پچھلے سال تک سینکڑوں مجاہدین کو محفوظ راہوں سے گزار کر منزل تک پہنچانے والا ایک شدید جھڑپ کے دوران شہید ہو کر منزل مقصود پا گیا۔

محمد نصیر شہید: 2 بچوں کا باپ ایک دلیر مجاہد اور چوکنا گائیڈ جرم اس کا بھی وہی تھا جو دوسرے کشمیریوں کا ہے 98 میں کنٹرول پار کر کے وادی امن میں آ گیا۔ مگر اپنا فرض نہ بھولا پچھلے سال دشمن سے لڑتے ہوئے راہی ملک عدم ہوا۔ باغ حسین شہید ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی مگر شہادت کا سہرا سجا کر حیات جاودان پا گیا۔

یہ اسمٰعیل شہید کے بچے ہیں۔ معصوم اور بھولے بھائے کہتے ہیں ہمارے ابو شہید ہو گئے ہیں ہم بھی بڑے ہو کر بھارت کے خلاف جنگ کریں گے۔ ان کا باپ مجاہد بھی تھا اور گائیڈ بھی اور اب وہ شہید بھی ہے۔

یہ صغیر شہید کی بوڑھی والدہ ہیں۔ وہ گائیڈ بھی تھا اور مجاہد بھی بوڑھی کشمیری خاتون کہہ رہی تھیں ابھی میرا ایک اور بیٹا ہے وہ دشمن سے ضرور آزادی لے لے گا۔

یہ محمد یعقوب کے گھر والے ہیں۔ باہمت اور بلند حوصلہ ابھی دو ماہ قبل کنٹرول لائن پار کر کے آزاد کشمیر آئے ہیں اور یہ نڈر گائیڈ پھر اندھیری راتوں کے انتظار میں ہے کہ مجاہد بھائیوں کو لائن پار کروا سکے۔

وزیر محمد اور اس کے اہل خانہ نے پچھلے ماہ ہجرت کی ہے ان کا گھر بار جلا دیا گیا کھیتاں اجاڑ دی گئیں جب زمین تنگ ہوئی تو آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لئے مہاجر بن کر یہاں آ بسے ہیں اور ابھی اپنے زخموں کو سہلا رہے ہیں۔

یہ مشتاق شہید کے گھر والے ہیں صبر و شکر کا پیکر 92 میں مہاجر ہوئے تھے۔ اس وقت بھی اللہ کے شکر گزار تھے کہ غلامی سے نجات پا گئے ہے۔ آج مشتاق کی شہادت کے بعد بھی صبر و رضاء کے پیکر ہیں کہ جنت کے طلبگاروں میں ہمارا نام بھی لکھا

یہ وہ لوگ تھے جنہیں مجاہدین کی مدد کے جرم میں اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے

گیا ہے۔ شام ہو رہی تھی۔ گاڑی والا بار بار روہانی کروا رہا تھا کہ وقت بہت ہو گیا ہے مگر ان صبر و ایثار کے پیکروں سے جدا ہونے کو دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ ان کی داستانیں دردناک بھی تھیں اور جگر پاش بھی مگر حوصلے ..... ہمالہ سے بلند۔ ایک شہید ہوا ہے تو دوسرے نے سر پر کفن باندھ لیا ہے آفرین ہے ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کروڑوں نعمتیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔ اور انہیں آزادی کی نعمت سے ہم کنار۔ آمین

ایک شہید کی والدہ صدقے واری جا رہی تھیں۔ دعائیں ان کے لبوں سے یوں نکل رہی تھیں جیسے بوری میں سے دانے۔ کہنے لگیں پھول والے سب سے پہلے ہم تک پہنچے ہیں۔ ہمیں ایک ماہ ہو گیا ہے لائن پار کئے ہوئے ابھی تک کسی نے ہماری خبر گیری نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ پھول والوں کو بہت سا اجر دے گا۔ وہاں کچھ مجاہد ایسے بھی موجود تھے جو ماہنامہ پھول کو پہلے سے جانتے تھے اور پھول کی خدمات کے معترف تھے۔ انہوں نے مظفر آباد کے دورے کی رپورٹ پڑھ رکھی تھی نماز مغرب کے بعد ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اور پھول کے لئے بہت سی نیک تمناؤں اور چند نئے قارئین بنا کر ہم لوگ واپس کوٹلی روانہ ہوئے۔

طارق محمود گوندل

نیچے امجد اعجاز صاحب آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ماہنامہ پھول کی طرف سے آئے ہیں۔ راحیل بھائی نے اوپر آ کر بتایا۔ شاہ جی مجھے کہنے لگے کہ جا کر اٹینڈ کروں اور میرا جواب تھا کہ شاہ جی وہ صاحب صحافی ہیں آپ خود جا کر ملیں۔ اسی تکرار میں ہم دونوں مہمان خانے پہنچے تو دھان پان سے امجد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ باہمی تعارف کے بعد میں تو اپنے کام میں لگ گیا شاہ جی تفصیلی گفتگو کے لئے امجد بھائی کے پاس بیٹھ گئے۔ دوسری صبح سے میری مستقل ڈیوٹی امجد بھائی کے ساتھ لگ گئی پتہ چلا کہ ماہنامہ پھول کی طرف مجاہدین کے لئے ادویات اور مہاجرین کے لئے کپڑے لے کر آئے ہیں۔ دوائیں اور کچھ تھان کپڑے کے مجاہدین کی نذر کئے گئے اور دیگر سامان کشمیری مہاجرین میں تقسیم کرنے کیلئے کوٹلی سوہلناں جانے کا پروگرام بنا، اور وہی پروگرام میری زندگی کے خوشگوار دنوں اور یادوں میں نہ صرف حسین لمحات کا اضافہ کر گیا بلکہ پہلی دفعہ پھول کے لکھاریوں میں شامل ہونے کا موقع فراہم کر گیا۔

تو پیارے ساتھیو! سفر کا آغاز کرنے سے پہلے ہم سواری کا انتظام کرنے کیلئے جاں گداز مراحل سے گزرے۔ جس کا سارے کا سارا بار ہمارے ناتواں کندھوں پر ڈالا گیا تھا۔ یہ بار ہم نے کیسے اٹھایا۔ پھر کبھی سہی۔ قصہ مختصر خدا خدا کر کے ایک عدد گاڑی (ڈالا) کا انتظام ہو ہی گیا۔ اور ہم لوگ (امجد بھائی، شنکر یار بھائی اور میں) سوئے منزل روانہ ہو گئے۔ وادی کوٹلی سے کوٹلی سوہلناں تک کا سارا راستہ خوبصورت پہاڑیوں کے درمیان ندی نالوں کے کنارے گزرتا ہے یوں قدرت کے نظارے دیکھ کر اللہ کی تسبیح خود بخود زباں سے بلند ہونے لگی۔ اور اس ذکر جلیل میں اور زیادہ خشوع و خضوع اس وقت وقت شامل ہو جاتا ہے جب لائن آف کنٹرول لب سڑک نظر آنے لگتی ہے۔ جی ہاں کنٹرول لائن جو میرے جنت نظیر وطن کے سینے پر گہرے گھاؤ کی شکل میں اور خون کی صورت میں موجود ہے۔ جس کے اس پار اندھیر نگری پر چوپٹ راج ہے جہاں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ جہاں درندے دندناتے ہیں، جہاں عورتوں کی عصمتیں لوٹی جاتی ہیں۔ بچے زندہ جلائے جاتے ہیں۔ نوجوانوں کو شہید کیا جا رہا ہے اور بوڑھوں کو زدوکوب کیا جاتا ہے۔ جہاں گھر اور بازار جلائے جاتے ہیں۔ جہاں وحشت و بربریت کا راج ہے، جہاں قیامت سے پہلے ہی قیامت برپا ہے۔ ان لوگوں کے لئے کہ جن کا قصور اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہاں جن کا قصور یہ ہے کہ اس "اکیسویں صدی" میں بزعم خود دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریہ" سے حق خود ارادیت مانگتے ہیں اور بدلے میں ان کو کالی دیوی کے پجاری کیا دیتے ہیں وہ منظر جس کے بہت سے گواہوں میں کوٹلی سوہلناں کا مہاجر کیمپ بھی ہے۔ جہاں ننھی عشرت کی معصومیت پوچھتی نظر آتی ہے کہ لوگ ہمیں مہاجر کیوں کہتے ہیں۔ کیا اس دنیا میں ہمارا کوئی گھر نہیں ہے اور میں اسے بتا نہ سکا کہ "تھا" مگر اب وہاں راکھ کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں جوان بیوہ معصوم بچوں کو گود میں لے کر پوچھتی ہے کہ بے سروسامانی کی حالت میں پہاڑی زندگی کیسے کٹے گی ابھی تک صرف پھول والے ہی ہم تک کیوں پہنچے ہیں کیا کسی اور کو ہماری خبر نہیں.....؟

جہاں ایک 30 سالہ نوجوان جس کی ایک ٹانگ ٹارچر سیل میں کاٹ دی گئی تھی آج وہ بے سروسامانی کی حالت میں کیا بھیک مانگ کر گزارہ کرے.....؟ جہاں مائیں ان جوان بیٹوں کو رو رہی ہیں جن کو ٹارچر سیلوں میں شہید کر دیا گیا۔ باپ جوان بیٹوں کی راہ تک رہے ہیں کہ جو خونی لکیر کے اس پار رہ گئے تھے۔ جہاں پھول سے بچے گھر سے بے گھر خیموں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ غرض ساتھیو! ہمارے لئے لٹی جوانیوں، مایوس معصومیت اور سوگوار بڑھاپے کے "نظارے" متوقع تھے مگر اتنی بہیمت کا اندازہ نہ تھا ان لوگوں کو دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہم سامان تھوڑا سا ہی لا سکتے ہیں وہاں تو ہر شخص مجبور، ہر شخص مستحق نظر آتا تھا۔ کس کس کو خوش کرتے۔ اور یہ چند چیزیں ان لوگوں کو خوش کر بھی کیسے سکتی تھیں جو اپنے چاہنے والوں سے محروم ہو گئے تھے پھر بھی کچھ سامان شہداء کے گھرانوں میں، نئے آنے والے مہاجرین اور متاثرین کنٹرول لائن میں تقسیم کئے گئے کہ ان کا غم تازہ تھا ان کے زخم ابھی تازہ تھے۔ شاید کہ کچھ (امداد تو ممکن نہیں تھا) تسلی ہی ہو سکے ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک کہانی تھی۔ ہر ایک کے پاس ایک افسانہ تھا جن کے کردار شاید الگ الگ تھے۔ وقت شاید مختلف تھا لیکن مفہوم ایک ہی تھا۔ ایک ہی پیغام تھا۔ آپ کے لئے میرے لئے کہ بے شک آپ اپنے گھروں میں مگن رہیں۔ لیکن خدارا جب آپ سکول کالج جانے لگیں تو کشمیر کے بچوں کو یاد کر لیں جن کے تعلیمی ادارے فوجی کیمپوں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ ماں کی گود کی طرح گرم بستر میں سونے لگیں تو ان نونہالوں کو نہ بھولنا جو محبت کے اس احساس سے کوسوں دور ہیں۔ جب باپ کی شفقت بھری نظریں محسوس ہوں تو اس سایہ شفقت سے محروم ہونے والوں کے بارے میں سوچنا کہ بعض اوقات انکا چاہت بھرے الفاظ سے یاد کرنا بہت ہوتا ہے جن کے لئے کچھ محبتوں کو قربان کر دیا جائے۔ اور وہاں ان اشعار کو غور سے پڑھ کر آیئے آپ اور ہم مل کر سوچتے ہیں کہ کمی آخر رہ کہاں گئی ہے۔

جس دور پہ نازاں تھی دنیا اب ہم وہ زمانہ بھول گئے
اوروں کی کہانی یاد رہی بس اپنا فسانہ بھول گئے
منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھا سینے میں
جی ایسا لگایا دنیا میں مرنے کو مسلمان بھول گئے
مسلم سے اخوت دور ہوئی پھر روز کی خانہ جنگی ہے
اپنوں کو مٹانا یاد رہا باطل کو مٹانا بھول گئے
غیروں کی غلامی کیا کہنا بربادی ہی بربادی ہے
جو درس شہید بطحا نے دیا دنیا کو پڑھانا بھول گئے
اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشا بن ہی چکے
اوروں کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے

جھلکیاں

☆ متوقع میزبان میزبانی سے منکر ہو گئے، تو البدر مجاہدین سے رابطہ کیا۔ انہوں نے مہمانداری نبھائی اور کیا خوب نبھائی۔

☆ ..... جب ادویات مجاہدین کے حوالے کی گئیں تو "شاہ جی" نے بہت ساری مجاہدانہ دعائیں دیں۔ پھول اور پھول بچوں کو۔

☆ ..... کیمپ میں پہنچے تو جمعہ کا ٹائم ہو چکا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد قاری صاحب اور بہت سے نمازی جمع ہو گئے۔ ان سے پھول کا تعارف ہوا۔ ان کے مسائل پر بات چیت ہوئی۔ تمام لوگوں نے "پھول" کی اس کاوش کو بہت سراہا اور دعائیں دیں۔

☆ ..... کیمپ کے دورے کے دوران شنکر یار بھائی کے گرد بچوں کا ہجوم رہا، (کیونکہ ان کے پاس لالی پاپ اور ٹافیاں تھیں) اور وہ آخر تک کسی حکومتی عہدیدار کی طرح مداحوں میں گھرے رہے۔

☆ ..... مسائل پر بات کرتے ہوئے ان لوگوں نے صرف سکول کا مطالبہ کیا کہ ہم اپنے لئے کچھ نہیں مانگتے ہمارے بچوں کو صرف تعلیم اور صحت کی سہولتیں تو ملنی چاہئیں۔ خاص طور پر مڈل اور ہائی سکول کی بچیوں کا پرابلم زیادہ ہے کیونکہ گرلز ہائی سکول 12 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور آمد و رفت کے لئے کوئی ذریعہ نہیں۔

☆ ..... کیمپ میں ڈسپنسری تو موجود ہے ڈاکٹر صاحب اور ادویات ندارد

”آپے تپسی تے ٹھس کرسی“

ان لطیفوں کا ذکر جو ڈوگروں نے باہمت اور دلیر کشمیری عوام کو بزدل ثابت کرنے کیلئے مشہور کر رکھے تھے، پھول کی ایک اور خصوصی کاوش

جناب پروفیسر محمد سلیم کی تحریر..... خاص پھول کیلئے

میرا اپنا تعلق کشمیر سے ہے۔ یعنی میرے آباؤ اجداد آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے کشمیر سے ہجرت کر کے انگریزی علاقے میں آ گئے تھے۔ کشمیر میں ان دنوں قحط پڑ گیا تھا اور دوسرے مہاراجہ ہری سنگھ کے کارندے مختلف ٹیکسوں کے نام پر کشمیریوں سے سب کچھ چھین رہے تھے۔ چنانچہ کشمیر کے بہت سے باشندے جان بچانے کے لئے کشمیر سے ہجرت کر کے انگریزی علاقے میں آ گئے۔ ان دنوں پنجاب کو انگریزی علاقہ کہا جاتا تھا جہاں ملکہ انگلستان کی حکومت تھی جبکہ کشمیر کو ریاست کا نام دیا جاتا تھا جہاں ڈوگرہ راجہ ہری سنگھ کا حکم چلتا تھا۔ ڈوگروں کے جد امجد مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر کی ریاست انگریزوں سے پچھتر لاکھ روپے میں خریدی تھی۔ اس طرح زمین کے ساتھ ساتھ اس پر آباد تمام باشندے بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کی ملکیت قرار پائے۔

میرے آباؤ اجداد کا تعلق سری نگر کے قریب واقع قصبہ شوپیاں سے تھا۔ شوپیاں کو آج کل ہمارے ٹی وی پر شوپیاں (بروزن توپیاں) پڑھا جاتا ہے حالانکہ اس کا صحیح تلفظ شوپیاں (بروزن سوپیاں) ہے۔ میرے پڑدادا کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب کے ضلع گجرات میں جلال پور جٹاں نامی قصبے میں آباد ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ گوجرانوالہ امرتسر اور سیالکوٹ میں بھی آباد ہو گئے تھے۔ اس طرح ریاست کشمیر کے بارڈر کے ساتھ ساتھ پنجاب کے جو اضلاع واقع تھے کشمیر سے آنے والے مہاجر زیادہ تر انہی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ پنجاب میں آباد ہونے والی کشمیری برادری کے لوگ بڑے باہمت اور دلیر ثابت ہوئے۔ ورنہ کشمیریوں کے بارے میں ڈوگروں نے مشہور کر رکھا تھا کہ یہ بڑے بزدل اور کم ہمت لوگ ہیں۔ عام طور پر انہیں ”ہاتو“ کہا جاتا تھا۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہے کہ سردیاں شروع ہوتے ہی بہت سے کشمیری قلی مکانی کر کے پنجاب کے اضلاع میں آ جایا کرتے تھے۔ یہاں وہ محنت مزدوری کرتے اور پھر گرمیاں شروع ہونے پر اپنا جمع جتھا لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹ جاتے۔ واپس جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ چائے کی پتی اور پہاڑی نمک کی ڈلیاں ضرور لے جاتے تھے۔ میرے والد صاحب بھی کئی مرتبہ کشمیر کا چکر لگا آتے تھے۔ رفتہ رفتہ رشتہ داروں کی آمد و رفت کم ہوتی گئی حتیٰ کہ 1947ء کے بعد جب کشمیر پر بھارت نے قبضہ کر لیا تو پھر یہ بالکل ہی بند ہو گئی۔

ڈوگروں نے کشمیریوں کو چونکہ سختی سے دبا رکھا تھا اور وہ انہیں ظلم و ستم کے خلاف زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اس لئے انہوں نے کشمیریوں کی بزدلی کے افسانے مشہور کر رکھے تھے۔ ایک لطیفہ مشہور تھا کہ ایک کشمیری فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اسے چلانے کے لئے ایک بندوق دی گئی جسے اس نے دھوپ میں رکھ دیا۔ جب افسر نے اس سے دریافت کیا کہ تم بندوق کو چلاتے کیوں نہیں ہو اور اسے دھوپ میں کیوں رکھ دیا ہے تو اس کشمیری نے جواب دیا کہ ”آپے تپسی تے ٹھس کرسی“ یعنی جب یہ گرم ہو جائے گی تو خود ہی ٹھاہ کی آواز نکال کر چل پڑے گی۔ ڈوگرے کشمیریوں کو خوفزدہ کرنے کیلئے عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مشہور تھا کہ ایک ڈوگرہ اور کشمیری ایک سڑک پر پیدل سفر کر رہے تھے۔ ڈوگرے نے کشمیری کو حکم دیا کہ مجھے پیٹھ پر اٹھا لو۔ ڈوگرہ کشمیری کی نسبت بھاری بھرکم تھا۔ چنانچہ جب کشمیری نے ڈوگرے کو پیٹھ پر لادا تو وہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور ڈوگرہ نیچے گر پڑا۔ ڈوگرے نے اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے کشمیری کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اب اس نے پیٹھ پر سوار ہونے کا مطالبہ تو ترک کر دیا لیکن کشمیری کو بغیر کوئی بوجھ اٹھائے چلتے ہوئے دیکھنا بھی اسے گوارا نہ تھا۔ چنانچہ اس نے کشمیری کو حکم دیا کہ میرا بازو اٹھا لو۔ لہٰذا اس نے اپنا بازو کشمیری کے کندھے پر رکھ دیا اور اسی طرح اگر اپنا پورا بوجھ کشمیری پر نہیں لادا تو کم از کم اپنے بازو کا بوجھ اس کے کندھے پر لاد دیا۔

کشمیریوں کے بارے میں ڈوگروں نے ایک اور لطیفہ مشہور کر رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ عشرہ محرم میں کہیں مجلس ہو رہی تھی جس میں ایک ذاکر حضرت حسین پر یزیدی فوج کے مظالم بیان کر رہا تھا۔ ساری مجلس مظالم سن کر رو رہی تھی۔ کشمیری نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”ماڑی سی تے لڑی کیوں سی“ یعنی حضرت حسینؓ اگر یزیدی فوج کے مقابلے میں کمزور تھے تو انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ اس لطیفے سے ڈوگروں کا مقصد یہ تھا کہ کشمیریوں کے دل میں یہ بات بٹھا دی جائے کہ اپنے سے طاقتور کے مقابلے میں لڑنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا کشمیریوں کو خاموشی سے ڈوگروں کے مظالم سہتے رہنا چاہئے اور ان سے مقابلے کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہئے۔ کشمیریوں کے بارے میں ڈوگروں نے یہ خیال پھیلا رکھا تھا کہ چونکہ وہ بزدل لوگ ہوتے ہیں اس لئے فوج میں بھرتی نہیں ہوتے۔ کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی ڈوگروں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھی لیکن انہیں فوج یا پولیس میں ملازمت نہیں دی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ فوجی نوکری کے قابل نہیں ہیں۔ جب ہر طرف سے ڈوگرہ مہاراجے پر دباؤ پڑنے لگا کہ اہل کشمیر کو بھی فوج اور پولیس میں بھرتی کیا جائے تو ڈوگروں نے ایک لطیفہ مشہور کر دیا کہ جس کا لب لباب یہ تھا کہ ایک مرتبہ آزمائشی طور پر کشمیریوں کی ایک پوری پلٹن کھڑی کی گئی۔ اس پلٹن میں سپاہی سے لے کر صوبیدار میجر تک تمام عہدے کشمیریوں کو دے دیئے گئے۔ صرف کمانڈنگ افسر ایک ڈوگرہ کرنل تھا۔ اس فوج کو چھ ماہ تک سخت ٹریننگ دی گئی پوری بٹالین کو فوجی پریڈ کے علاوہ اسلحہ چلانے کی تربیت بھی دی گئی۔ جب ٹریننگ مکمل ہو گئی تو مہاراجہ نے حکم دیا کہ یہ کشمیری بٹالین سری نگر سے جموں تک پیدل مارچ کرے گی۔ یہ حکم سن کر ساری بٹالین میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ پھر فوج کا صوبیدار میجر کرنل کے پاس حاضر ہوا اور سلیوٹ مار کر کہنے لگا کہ پوری پلٹن مہاراجہ کے اس حکم پر پریشان ہو گئی ہے۔ تمام جوان سوال کرتے ہیں کہ ہم سری نگر سے جموں تک پیدل مارچ کو تو تیار ہیں لیکن راستے میں ہماری حفاظت کا بندوبست کیا ہو گا؟

اس قسم کے لطائف مشہور کرنے سے ڈوگرہ حکمرانوں کا مقصد یہ تھا کہ کشمیری فوج اور پولیس سے دور رہیں اور صبر شکر کے ساتھ ڈوگروں کی غلامی کرتے رہیں۔

آپ کے چہرے کی قدر بڑھے گی

کیا کشمیری واقعی بزدل لوگ ہیں؟ اس کا جواب اس بھارتی فوج سے پوچھئے جو آج کل مقبوضہ کشمیر میں تعینات ہے۔ نہتے کشمیریوں نے بھارتی فوج کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ پچھلے دنوں بھارتی اخبارات میں خبر شائع ہوئی تھی کہ جس بھارتی بٹالین کو سری نگر میں تعینات کیا جاتا ہے اس پر موت کا خوف طاری ہو جاتا ہے اور بھارتی فوجی کشمیریوں سے جان بچانے کیلئے چھٹی کی درخواستیں دینے لگتے ہیں۔ پچھلے دنوں کشمیر مجاہدین کا ایک وفد لاہور آیا ہوا تھا۔ اس وفد کے سربراہ کو جب پتہ چلا کہ میرا تعلق بھی کشمیری قوم سے ہے تو انہوں نے ازراہ مذاق فرمایا کہ ہم نے آپ لوگوں پر سے اس الزام کو دھو دیا کہ کشمیری بزدل ہوتے ہیں اور وہ ”آپے تپسی تے ٹھس کرسی“ پر عمل کرتے ہیں۔ اب کوئی شخص کشمیریوں کو کم از کم بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ خاص طور پر بھارتی فوج تو یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ وہ کشمیری حریت پسندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ کشمیریوں پر یہ الزام مخصوص مقاصد کے زیر اثر لگایا گیا تھا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پنجاب میں آتے ہی کشمیری بہادر اور دلیر بن جاتے ہیں اور ان کی ساری بزدلی یکدم کافور ہو جاتی ہے۔ پنجاب میں جتنے بڑے بڑے پہلوان گزرے ہیں وہ سب کشمیری قوم سے تعلق رکھتے ہیں حتیٰ کہ گاماں پہلوان جس نے ساری دنیا کے پہلوانوں کو پچھاڑ کر ”رستم زماں“ کا خطاب حاصل کیا تھا، اس کا تعلق بھی کشمیری قوم سے تھا۔ عقل و دانش میں بھی کشمیری کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ اقبالؒ کی ایک مثال ہی کافی ہے۔ جن کا تعلق کشمیری خاندان سے تھا۔ تقسیم ملک سے پہلے جب پنجاب پر یونینسٹ پارٹی کی حکومت قائم تھی تو اس نے کاشتکار اور غیر کاشتکار کا امتیاز قائم کر کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس زمانے میں کشمیریوں کو غیر کاشتکار شمار کر کے بہت سے حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ کشمیری نسل سے تعلق رکھنے والے ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک تو پہنچ جاتے تھے لیکن انہیں کمشنر کے عہدے پر ترقی نہیں دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں گجرات کے مشہور عالم شاعر استاد امام دین نے (جن کا اپنا تعلق کشمیری قوم سے تھا) ایک نظم تحریر کی جس کا عنوان تھا کہ

کھولو کمشنری کا دروازہ جناب من
کنڈہ ہے لاکھ بار کھڑکایا کشمیریاں

بھارت نے تو کشمیری زبان و ادب پہ بھی قبضہ کرنا چاہا!

کشمیری اپنی خوشیوں کو لوگ گیت گا کر یلی بریٹ کرتے ہیں

کشمیری زبان سنسکرت سے بھی پرانی ہے

پاکستان کی 23 یونیورسٹیوں میں قائم واحد شعبہ کشمیریات کے طلبہ اور اساتذہ پھول کے مہمان ہوئے

اہتمام و رپورٹ: بابر حیات

یہ تو روایت ہے.....

پھول کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ ان لوگوں کو مان اور اہمیت دی جائے جو اس سے محروم ہیں۔ کشمیر نمبر کے حوالے سے جب بات چلی تو ذہن میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ کشمیریات کا خیال آیا۔ یہ پاکستان کے کسی بھی

کشمیری تہذیب کی تکمیل مسلمانوں سے ہوئی

اعلیٰ تعلیمی ادارے میں کشمیری زبان و ادب، تہذیب و ثقافت اور تاریخ و تمدن کی تعلیم کا واحد شعبہ ہے۔ جہاں ہر سال اوسطاً 22 طلبا و طالبات کشمیریات میں ایم اے کرتے ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شعبہ کے اساتذہ اور طلباء سے کشمیر کے حوالے سے بات کی جائے۔ ان سے بات کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس کے قیام سے لیکر اب تک پھول ہی وہ واحد ادارہ ہے اور میگزین کہ جس نے اس شعبہ کے لوگوں کو گفتگو کیلئے بلایا۔ پھول واقعی ان لوگوں سے اپنے پڑھنے والوں کو ملواتا ہے جن سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں۔

بات من پہ آ رکی ہے.....

بھیا جی نے شعبہ کشمیریات کے طلباء و طالبات سے پوچھا کہ آپ نے کشمیریات ہی کو کیوں چنا۔ آخر اور بھی تو کئی مضمون ہیں تو اکثر طلبا و طالبات نے یہی کہا کہ انہوں نے کشمیری تاریخ و ادب سے دلچسپی کی وجہ سے انہوں نے کشمیریات کو چنا لیکن ایک صاحب عزیز الرحمان ہمت سے بولے "اصل میں مجھے کسی شعبے میں داخلہ نہیں مل رہا تھا۔ بس سپیشل ایجوکیشن اور کشمیریات کا میرٹ بنا اس لئے میں نے سوچا کہ دونوں کا فائدہ تو کوئی بھی نہیں ہے اس لئے کشمیریات ہی رکھ لیا جائے۔ لیکن جب گھر جا کر بتایا تو اچھا خاصا مذاق اڑایا گیا۔ اور پھر اس مذاق میں دوست بھی شامل ہو گئے لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ پڑھ تو رہے ہیں۔ ایک سٹوڈنٹ امتیاز احمد نے کہا کہ آپ لوگ

کشمیری عورتیں اور مرد زعفران کی فصل پکنے پہ ون وون (لوک گیت) گاتے ہیں

ہیں مگر انکی آنکھوں میں چاہت کا جو احساس نظر آتا ہے اس سے نہ جانے کیوں وہ تخفے کمتر لگتے ہیں' اب اگر کشمیر نمبر نکالنا ہو یہ نہ ہو ان سے ملنا ضرور ہوتا ہے اور پھر یہ ملنا تو سرکولیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو من کے سکون سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمیں ان کی بے لوث قربانیاں عزیز ہیں ان کی جدوجہد محبوب ہے۔ مجاہدوں کی پشت پناہی میں دل کا بہت سکون ہے۔ آپ کے تشریف لانے یا نہ لانے سے نہ اس سوچ پر فرق پڑتا تھا اور نہ سرکولیشن پر۔ ہاں آپ کی عزت افزائی ضرور مقصود تھی۔

یہاں زبان بھی مقبوضہ ہے

چیئرمین شعبہ کشمیریات پروفیسر ڈاکٹر یوسف بخاری نے کشمیری زبان کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ کشمیر کی زبان ایک الگ پہچان رکھتی ہے۔ یہ برصغیر کی اہم ترین اور قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے لیکن بھارت نے کشمیر کی بولی پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ دراصل سنسکرت کا ہی ایک رنگ ہے جبکہ دنیا کے مشہور ماہرین لسانیات نے یہ ثابت کیا ہے کہ کشمیری زبان برصغیر کی ان زبانوں میں سے ایک ہے جو سنسکرت سے بھی پرانی ہیں۔ اس لئے کشمیریوں کی جہاں پہچان اپنی ہے وہاں زبان بھی اپنی ہے.....

اگر کشمیر نمبر نکال رہے ہو ہمارے آنے سے آپ کی سرکولیشن بڑھے گی۔ جواب میں ایڈیٹر بھیا نے کہا کہ صاحب! آپ سرکولیشن کی بات کرتے ہیں۔ یہاں تو بات من پر آ رکی ہے' ہمیں نہ جانے کیوں کشمیر کے لوگوں سے ملنا اچھا لگتا ہے اسی لئے تو 1992ء سے اب تک تقریباً ہر سال ہم پھول کے لوگ کشمیر کے مجاہدین اور مہاجرین سے جا کر ملتے ہیں۔ ان کیلئے تحفے لیکر جاتے

یہ سکہ بہت پرانا ہے

کشمیری تہذیب و ثقافت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ تہذیب کسی سکے کی طرح ہوتی ہے' یہ جتنی قدیم ہوتی ہے اتنی ہی عظیم ہوتی ہے' کشمیر کی تہذیب صدیوں پرانی ہے۔ اس نے دنیا کی بہت سی تہذیبوں کو سمویا ہے۔ وہ تہذیب چاہے یونانی ہو' دراوڑ ہو' آریائی ہو یا کوئی اور۔ لیکن اسلامی تہذیب و ثقافت نے کشمیر کی

تہذیب کو ایک نیا اور مکمل رنگ دیا شائد یہ تہذیب اپنی تکمیل کے لئے مسلمانوں کی ہی منتظر تھی۔ جہاں دوسرے مسلمان فرمانرواؤں نے کشمیر جنت نظیر سے اپنی محبت کا اظہار کیا وہاں مغل شہنشاہوں نے جو کہ علم وفن کے شیدائی تھے کشمیر میں زیادہ دلچسپی لی اور پھر یہاں جہاں گھریلو صنعتوں جیسے قالین بافی' شال بافی وغیرہ نے عروج پکڑا وہاں فنون لطیفہ کو بھی زرخیزی نصیب ہوئی' مصوری' کاشی کاری پتھر کی مصنوعات اور دیگر شعبوں میں کشمیر میں بہت کام ہوا۔ لیکن پہلے ڈوگرہ راج اور پھر بھارتی قبضے کے بعد کشمیر میں کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح ان لوگوں کو پیچھے دھکیلا جائے۔

یہ گیت ہمارے!

کشمیریات کی استاد محترمہ نصرت نثار نے کہا کہ کشمیری اپنی خوشیوں کو لوک گیت گا کر کرتے ہیں۔ یہ گیت سروں میں ڈھلتے ہیں تو کانوں میں رس گھول دیتے ہیں۔ جب زعفران کی فصلیں پکتی ہے تو مرد اور عورتیں دو الگ قطاروں میں آمنے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ملکر گاتے ہیں' اس لوک گیت کو ون و ون کہا جاتا ہے' رمضان میں گھروں میں عورتیں مل کر رمضان کی آمد کی خوشی میں گیت گاتی ہیں' اس گیت کو لوہ لوہ کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف بخاری جو کہ بنیادی طور پر خود بھی بارہ مولا (مقبوضہ کشمیر) سے تعلق رکھتے ہیں نے ایک گیت گا کر سنایا' یہ گیت سمجھ تو نہیں آیا لیکن اتنا ضرور ہے کہ زبان کی مٹھاس اور چاشنی ضرور محسوس کی۔

یہ امن پسند ہیں!

جب ان سے پوچھا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کشمیری ایک بزدل قوم تھے اور اب اچانک ان میں بہادری کیسے آ گئی تو کشمیریات کی طالبہ صباحت نور نے کہا کہ دراصل کشمیری قوم بزدل نہیں امن پسند قوم ہے اور پھر شروع ہی سے اس قوم نے غلامی دیکھی ہے' جو بھی آیا اس نے اس قوم کو غلاموں کا درجہ ہی دیا۔ اس لئے یہ قوم من میں یہ بات لئے ہوئے تھی کہ دیکھیں اب کون ہمیں غلام بنانے آتا ہے' جب کسی قوم نے آزادی کو محسوس ہی نہ کیا ہو تو وہ غلامی سے دوری کیسے چاہے گی۔ پھر جو بھی بادشاہ یا حاکم آیا۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ واقعی درست ہے کہ کشمیریوں کو بزدل سمجھا جاتا رہا ہے اور یہ بھی کہ وہ لڑ نہیں سکتے۔ ان کی تاریخ بھی ایسی ہی رہی ہے۔ یہ تو 1980ء کے لگ بھگ ان میں جدوجہد کی تحریک کا آغاز ہوا تو سب کے اندازوں کے خلاف کشمیری لوگوں نے بطور قوم بھی ہمت اور بہادری کے ساتھ جاں فروشی کا ثبوت دیا۔

آخر مستقبل کیا ہے؟

ان سے جب پوچھا گیا کہ مستقبل میں آپ کشمیر کے حوالے سے کیا سوچتے ہیں تو زیادہ تر جواب یہی آیا کہ مستقبل میں بس یہی صورت دیر تک نظر آتی ہے ڈاکٹر صاحب جو بولنے کیلئے بے تاب تھے کہنے لگے کشمیر کا مسئلہ اگر امن اور محبت سے حل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ہمیں صرف مذہب کے حوالے سے ہی نہیں سوچنا چاہئے بلکہ انسانیت کے حوالے سے ہی سوچنا چاہئے اور پھر کشمیر میں دوسرے مذاہب جن میں ہندو پنڈت سکھ اور بدھ وغیرہ شامل ہیں وہ بھی بھارت کے خلاف ہیں اور آزادی کی اس تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں بس کاش یہ خیال ذہن میں آ جائے کہ آزادی انسانوں کا حق ہے اور یہ حق انہیں امن اور محبت سے ہی دے دیا جائے۔

باتیں چھوٹی چھوٹی.....

☆ ڈاکٹر یوسف بخاری بولنے کے بڑے رسیا تھے۔ بعض اوقات سٹوڈنٹس کو روک کر بھی بولنا شروع ہو جاتے تھے لیکن ان کے ذخیرہ علم کا کیا کہنا۔

☆ جھنگ سے تعلق رکھنے والے سٹوڈنٹ محمد عباس سے بھیا جی نے پوچھا جھنگ کا کشمیر سے کتنا ایک تعلق ہے' کہیں سے آواز آئی "جتنا ہیر کا کشمیر سے"

☆ اساتذہ کے جانے کے بعد طلبا و طالبات نے کھل کر باتیں کیں اور "آزادی" سے لطف اندوز ہوئے۔

☆ آنے والے طلباء و طالبات سبھی غیر کشمیری تھے۔ کشمیر سے صرف اساتذہ تعلق رکھتے تھے۔

☆ کچھ سٹوڈنٹس نے بھیا جی سے آٹوگراف لئے اور بھیا جی نے کہا آپ جب چاہیں آئیں۔ پھول آپ لوگوں کے لئے ہمیشہ عزت اور حوصلہ افزائی لئے ہوئے ہوگا۔ بس شکر گزاری سیکھ لیجئے اور شکووں سے دور رہئے کہ یہ جھاڑیوں کے کانٹوں کی طرح بڑی مشکل سے جان چھوڑتے ہیں۔

☆ بھیا نے انہیں مشورہ دیا کہ خالی کتابوں سے نکل کر انہیں کشمیر کے زمینی اور حقیقی حقائق کا علم بھی حاصل کرنا چاہئے۔ فیلڈ میں جا کر لوگوں سے ملاقاتوں لائبریریوں سے استفادے اور سرحدوں کے دورے کرتے رہنا چاہئے۔

☆ پروفیسر یوسف بخاری کا خیال تھا کہ آزادی کشمیر تبھی ممکن ہے جب انہیں ہر سال یونیورسٹی کے دس بچوں کے ساتھ بیرون ملک جا کر بات کرنے کا موقع ملے گا۔ حکومت سپانسر کرے بھیا نے کہا کہ حکومت نہ کرے تو بھی آپ غیر سرکاری سپانسر شپ لیکر دورے ضرور کریں۔ صرف دوروں سے آزادی ملتی تو نہیں مگر آپ ٹرائی ضرور کریں۔

☆ پھول کی طرف سے سب شرکاء کو پھول کے شمارے اور کشمیری مہاجرین کی حالت زار کی تصاویر پیش کی گئیں۔

☆ طلبہ و طالبات نے بلانے اور اظہار خیال کا موقع دینے پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور بتایا کہ ان کو اس موضوع کے حوالے یہاں آ کر بہت کچھ نیا جاننے کا موقع ملا ہے۔

ایک ہی حل

آج میجر رشی پرشاد کے ساتھ بھی عجیب واقعہ ہوا۔ وہ ایک آنکھ والی وادی کو مار رہا تھا۔ جب مارتے مارتے تھک گیا تو کہنے لگا:

"نہ جانے کس مٹی کا بنا ہے مرتا ہی نہیں' اوئے میری طرف دیکھ۔ کیا تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگتا۔"

"تم سے کیا ڈرنا۔ تم تو بہت مجبور ہو۔ جسموں کو گھائل کرتے ہو' جسموں کو قید کرتے ہو' اور پھر سن لو تمہارے چہرے پر ظلم لکھا ہے۔ ظلم لکھا ہے تمہارے چہرے پہ چہرے تو مٹ جاتے ہیں ظلم بھی مٹ جائے گا اور مٹنے والی چیز سے کیا ڈرنا۔"

"مار ڈالو اس کو..... مار ڈالو"

اچانک آنکھ والی وادی کی آواز گولیوں میں دب گئی۔

"سالا..... کہتا ہے میرے چہرے پر ظلم لکھا ہے۔" میجر گھر آیا تو آئینہ دیکھا اچانک چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ کیا میرے چہرے پر ظلم لکھا ہے۔ یہ کس نے لکھ دیا میرے چہرے پر میں اسے مٹاؤں گا۔ صابن لگاؤں گا' مگر لکھا ہوا نہ مٹ سکا تو اس نے کہا ایک ہی طریقہ ہے اسے مٹانے کا اور اگلے ہی لمحے آئینہ کرچی کرچی ہوا پڑا تھا۔

اکتوبر کی شام اک ماں کے نام

محمد صغیر قمر

سرما کی راتیں آتی ہیں تو ہمالیہ کے دامن میں پھیلی ارضی جنت کے ہر گھر میں ایک لمبے انتظار کا بسیرا ہوتا ہے۔ جب برف کی سفید چادر ہر گھر کی چوکھٹ تک آجاتی ہے۔ جب اہل کشمیر دنیا کے ہر کام سے کنارہ کر لیتے ہیں۔ جاڑے کی قیامت خیز سردیوں میں لکڑی کے مکانوں میں' دور و نزدیک کی بستیوں میں ماں ہی تو ہوتی ہے جس کا دل پھٹا جا رہا ہوتا ہے پچاس ہزار شہیدوں کی ایک ماں اور ایک ماں کے پچاس ہزار شہید اس کے دل کا غبار آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔ ماں جو کڑی دھوپ میں سائباں ہے' سایہ ہے' سہارا ہے' آسرا ہے'

ماں جس کے قدموں تلے جنت ہے' ماں' جب ہنستی ہے تو کائنات ہنستی ہے۔ جب وہ اداس ہوتی ہے تو کرہ ارض اداس لگتا ہے۔ اکتوبر کا مہینہ آتا ہے تو دل پھاڑ دینے والے ایسے ہی لمحے کشمیر کی ایک بستی کی ایک ماں پر وارد ہوتے ہیں' جس کا لخت جگر لاکھوں میں ایک تھا' جس کی شجاعتوں سے آج بھی میدان وغا میں بجلیاں کوند کوند جاتی ہیں۔ جس سے بڑھ کر کوئی جرات مند نہ تھا جو ایک چھلاوہ تھا وہ اپنی ماں کا ایسا ہی شیر تھا جیسا ہر شیر دل ماں کا بیٹا شیر ہوتا ہے۔ وہ اپنی بہنوں کا اتنا ہی لاڈلا تھا جتنا کہ زندہ دل اور بہادر بہنوں کا ہونا چاہیے اس کی ماں بھی بہادر ماؤں کی طرح ایک بہادر خاتون ہے۔ جب اس کے بیٹے کو جنت سدھارے کئی برس ہو چکے تھے' تب نہ جانے ایک روز اس کی آنکھوں میں ساون کیوں اتر آیا وہ ماں جس نے 23 اکتوبر 1991ء کی سہ پہر اپنے عزیز ترین لخت جگر کو قبر میں اتارنے سے قبل پھولوں کا ہار پہنایا' ماتھا چوما اور ہاتھ اٹھا کر ایک دنیا کو گواہ بنا کر کہا تھا:

''لوگو! میرا اشرف اللہ کی راہ میں قربان ہوا ہے آج اس نیا میں مجھ سے زیادہ خوش بخت کوئی اور نہیں گواہ رہنا اشرف مجھے بہت عزیز تھا' لیکن اللہ کی رضا مجھے عزیز تر ہے۔

اشرف ڈار کو ایک پل نظروں سے اوجھل نہ کرنے والی ماں نے بڑی بہادری سے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹی کے حوالے کر دیا اپنی نظروں سے دور کر دیا پھر بھی اس کی آنکھوں میں نمی نہ آئی تھی ایک غریب الوطن ''اشرف'' عمر سرفراز کو بھی اس ماں نے ہار پہنایا' ماتھا چوما اور لحد میں اتارا تھا۔ تب بھی اس کی جی داری میں کمی نہ آئی ''یہ تو اللہ کی امانتیں ہیں جب چاہے' جیسے چاہے واپس لے لے۔'' وہ ہمیشہ یہی کہتی رہی ہیں۔ سری نگر سے بیس کلو میٹر دور پھل دار درختوں اور پھول دار جھاڑیوں کے جھنڈ میں سنورہ کلی پورہ کے ایک نیم پختہ گھر میں یہ شہید کشمیر اشرف ڈار کی ماں ہے۔ کشمیر کے طول و عرض سے مجاہد جوق در جوق اس ماں کے پاس اپنے حوصلے بڑھانے آتے ہیں' وہ ایک ایک کا ماتھا چومتی ہیں' اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کرتی اور کھلاتی ہیں۔ انہیں وضو کے لئے پانی گرم کر کے دیتی ہیں۔ میدان کارزار کے تھکے ہارے مسافر اس ماں کے ہاں بے انتہا سکون' دلیری اور دلبری پاتے ہیں۔ جس روز اشرف کی چوتھی برسی تھی۔ اس روز ماں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ کسی نے کہا۔ ''کشمیر میں پچاس ہزار سے زائد لوگ شہید ہو گئے ہیں''۔ اور اپنے بیٹے کہ پچاس ہزار کے برابر جاننے والی ماں کے لئے یہ خبر بجلی گرنے سے کم نہ تھی۔ وہ اللہ سے دعا کیا کرتی تھی ''خدایا اشرف کو لے لئے لیا اب آزادی دے دے'' جب مقبول علائی بھی چلے گئے تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آئی کہا'' مالک! اب دوسرا اشرف بھی گیا'' بہت جلد وہ وقت بھی آ گیا اشرف کی ماں کو کسی نے شام کے دھندلکے میں آ کر بتایا۔ ماں جی! آج شمس الحق بھی شہید ہو گئے ہیں۔ کئی روگ تک دسمبر کی برفانی راتوں میں یہ ماں لحاف میں منہ چھپا کر روتی رہی'

سحر دم اس آنکھوں کی سرخی بتاتی تھی لیکن وہ خود کچھ نہ کہتی تھی ان کا خیال تھا اگر آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی کسی نے دیکھ لی تو لوگ کہیں گے اشرف کی یاد ستاتی ہے۔ نہ جانے کتنے روز تک آنسوؤں سے وہ اپنا دامن بھگوتی رہی کسی سے کچھ نہ کہا۔ اشرف ڈار کی ماں کشمیر کے ہر شہید کی ماں' ہر غازی ہر مجاہد کی ماں!!!! اس ماں کی آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسوؤں میں کیا کشش ہے کہ جس نے سنا ہے بے تاب ہو گیا' بے قرار ہو گیا۔ تپش کتنی ہے ماں کے آنسوؤں میں یہ پانی کون سی برسات کا ہے یا رواکتوبر اب کے پھر آیا ہے اشرف ڈار کی یادیں تیر بن کر دلوں میں اتر رہی ہیں۔ اس کی شہادت کی تاریخ قریب آتی ہے تو کشمیر کا ہر غازی اپنے اندر بھارت کے خلاف نفرت کی آگ کے شعلے بھڑکتے محسوس کرتا ہے۔

اشرف جب تک اس دنیا میں تھا وہ بھارتی فوجیوں پر بجلی بن کر کوندتا تھا جس سے خرمن کفر جلنے لگتا تھا اور وہ کشمیر کے وہ جانباز جنہیں اشرف کی ماں سے عزیمت و استقامت کا درس ملتا ہے۔ چند لمحوں کے لئے عزیمت اور جرات کے اس پیکر کو ڈگمگاتا دیکھ کر اداس ہو گئے وہ حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے اپنے بیٹے کو پھولوں سے لاد کر لحد میں اتارنے والی ماں استقامت اور جرات کا سبق سکھانے والی ماں! سنورہ کلی پورہ کے ویران گھر میں بسنے والی ماں! شمس' مقبول اور بانگرو کی ماں پچاس ہزار شہیدوں کا لہو بھی صبح آزادی کے ماتھے کی سرخی نہیں بن سکا۔؟ کیا اس کا دل زخمی ہے' ان زخموں کے لئے جو کشمیریوں کے دل پر لگتے ہیں؟ یقیناً یہ آنسو ان آنکھوں کے لئے بہہ رہے ہیں جو آزادی کا خواب دیکھتی ہیں مگر جن سے لہو ٹپکنے لگا ہے اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے تو ماں کے بیٹے اس کے آنسو پونچھنے کو موجود ہیں اے میری رنجیدہ ماں..... تجھے اشرف کی ہر اس یاد کی قسم جو تجھے تڑپاتی ہے' تجھے مقبول علائی سے محبت اس کے آنسو پونچھنے کو موجود ہیں۔ اے میری رنجیدہ ماں.....! تجھے اشرف کی ہر اس یاد کی قسم جو تجھے تڑپاتی ہے' تجھے مقبول علائی سے محبت اور شمس الحق کی عظمت کی قسم! امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو پی جانا مایوسیوں سے اللہ کی پناہ مانگنا کہ وہ اللہ ہی ہے جو بدر کے میدان میں فرشتے اتار آتا ہے احد کی فتح کو شکست میں بدل دیتا ہے۔

اپنے نبیؐ کو اس لئے آزماتا ہے کہ اس کی امت جان لے آزمائش کیا ہوتی ہے اور آزمائش میں پورا اترنے والوں کے لئے نصرت کے در کھول دیئے جاتے ہیں۔ اے میری اداس ماں! غم نہ کرنا' اشرف کا لہو رائیگاں نہیں جائے گا یہ جو پچاس ہزار شہیدوں کا سن کر تمہارے آنسو نکل آئے تو ابھی جبر و ستم اور ظلم کی سیاہ رات سے تیرے بیٹوں کی جنگ جاری ہے' ابھی روئے انسانی پر رنگ نشاط نہیں بکھرا' ابھی شہادت کی آگ سینوں میں دھک رہی ہے' ابھی اس خطہ جنت ارضی کو شہیدوں کا لہو چاہیے' ابھی تجھ جیسی ماؤں کے حوصلوں اور امنگوں کی ضرورت ہے۔ اشرف تیرا بیٹا اس ملت کا بیٹا ہے جس کی رگوں میں غیرت کا لہو بھڑک اٹھا ہے تیرے بیٹے کے لہو سے جنت ارضی کے گل و گلزار مہک اٹھے ہیں تو اس جنت ارضی میں بھی تیرے بیٹے کا لہو لالہ بن کر پھوٹے گا یہ افسردگی' اداسی اور پت جھڑ کا موسم آخر گزر ہی جائے گا۔ اے ماں! غازیوں کے حوصلے بڑھاتی رہنا' ان کے سر پر دست شفقت رکھنا' کشمیری کی آزادی کے لئے دعا کرتے رہنا' اشرف' مقبول اور شمس الحق کا لہو ضرور رنگ لائے گا' یہ اس دنیا کے مالک کا وعدہ ہے' بے شک وہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور اے اہل پاکستان! درد کے ان رشتوں کو بھلا نہ دینا ماؤں کے آنسوؤں کی قدر کرنا..... اب تو کشمیر کے ہر گھر کی چوکھٹ پر ایک اداس ماں کی بے نور آنکھیں صبح آزادی اور ہمارے کردار کی منتظر ہے.....!!

ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے

کشمیر کی جنگ میں مجاہدین یہ ثابت کر چکے ہیں کہ مسلمان کا لوہا آج بھی ہر لوہے کو کاٹ سکتا ہے۔ محمد بن قاسم' محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کے جانشینوں کا خون ابھی تک سرخ ہے لیکن وہ بڑی جنگ جس کی یہ ایک تمہید ہو سکتی ہے ایک گروہ ایک فوج اور ایک حکومت کا دوسری فوج یا حکومت کے ساتھ تصادم نہیں ہو گا بلکہ یہ دو قوموں دو تہذیبوں اور دو نظریوں کا ایک فیصلہ کن معرکہ ہو گا۔ یہ وہ جنگ ہو گی جس میں کفر اس بر تعظیم سے اسلام کا نام مٹانے کے لئے اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے گا اور پاکستان کے مسلمان اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے عزم کا ثبوت دینا ہو گا۔

پاکستان کا دفاع سات کروڑ انسانوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے یہ قوم کی عورتوں اور بچوں کو اس وحشت و بربریت سے بچانے کا مسئلہ ہے جس کا نمونہ ہم مشرقی پنجاب میں دیکھ چکے ہیں یہ اس دین کے ناموس کا مسئلہ ہے جس کے لئے "بدر و حنین" یرموک اور قادسیہ کی جنگیں لڑی گئیں جس کے لئے کربلا کی خاک شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہوئی۔ یہ اس وطن کے تحفظ کا مسئلہ ہے جس کے لئے دس لاکھ سے زیادہ انسان قربان ہو چکے ہیں۔ اگر ہم پاکستان کے کسی حصے پر مشرقی پنجاب کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتے تو ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ عمل کی دنیا میں قوت کا جواب منطق کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ بھیڑیا فقط شیر کے فولادی پنجے کا احترام کرتا ہے بھیڑوں کی منطق سے مرعوب نہیں ہوتا۔

ہندو فسطائیت' پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے یہ وقت ہے کہ ہم اپنے ترکش کے تمام تیروں کو جمع کر لیں یہ وقت ہے کہ آندھی آنے سے پہلے ہم اپنے شیرازے کی تمام تنکوں کو سمیٹ لیں یہ وقت ہے کہ قوم کی مائیں اپنے بیٹوں اور قوم کی بیٹیاں اپنے بھائیوں اور شوہروں کو جگائیں اور ان سے کہیں کہ اٹھو! اور ظلم کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دو۔

قوم کے راہنماؤ! یہ وقت آرام کرسیوں پر دراز ہو کر بیانات جاری کرنے کا نہیں۔ یہ صدارتوں عہدوں اور کرسیوں کے لئے جھگڑنے کا وقت نہیں یہ خندقیں کھودنے اور مورچے بنانے کا وقت ہے۔

حکومت کی کشتی کے ناخداؤ! تم قوم کی عزت اور آزادی کے امین ہو۔ اپنے ماضی کو دیکھو حال کو پہچانو اور مستقبل کے خطرات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ فرزندان قوم اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں لیکن انہیں مسلح کرنا تمہارا کام ہے۔ پاکستان کا ہر فرد سپاہی ہے حالات نے اسے سپاہی بنا دیا ہے۔ تم اگر چاہو تو پاکستان کی ہر بستی کو ناقابل تسخیر قلعہ بنا سکتے ہو قدرت نے تمہیں اس قوم کی سیادت عطا کی ہے جس نے چیتھڑے پہن کر بادشاہوں کی قبائیں نوچی ہیں اور جس نے پیٹ پر پتھر باندھ کر شہنشاہوں کے تاج اتارے ہیں۔

پاکستان کے باشندوں! ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب زبان یا قلم کی نسبت تلوار کے فیصلے زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں عزت اور سربلندی صرف ان کے لئے ہے جو اس کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ آزادی کے نخلستان صرف اس زمین پر لہلہاتے ہیں جو شہیدوں کے خون سے سیراب ہوتی ہے قوم کی داستانیں ہمیشہ اس خون سے لکھی جاتی ہے جو بہنے کے لئے بیتاب رہتا ہے اور جب خون منجمد ہو جاتا ہے تو ..... آنسو کام نہیں آتے۔

اردو کے ممتاز اور مقبول ناول نگار (نسیم حجازی) کی تحریر
یہ تاریخی ناول شاہین کا پیش لفظ ہے
سید تحسین عباس..... مظفر گڑھ

امبور کیمپ۔ ہجرتوں کی داستان

وہ غریب الوطن ضرور ہیں مگر عزت کی زندگی بسر کرتے ہیں

کشمیری مہاجرین کی المناک داستانیں

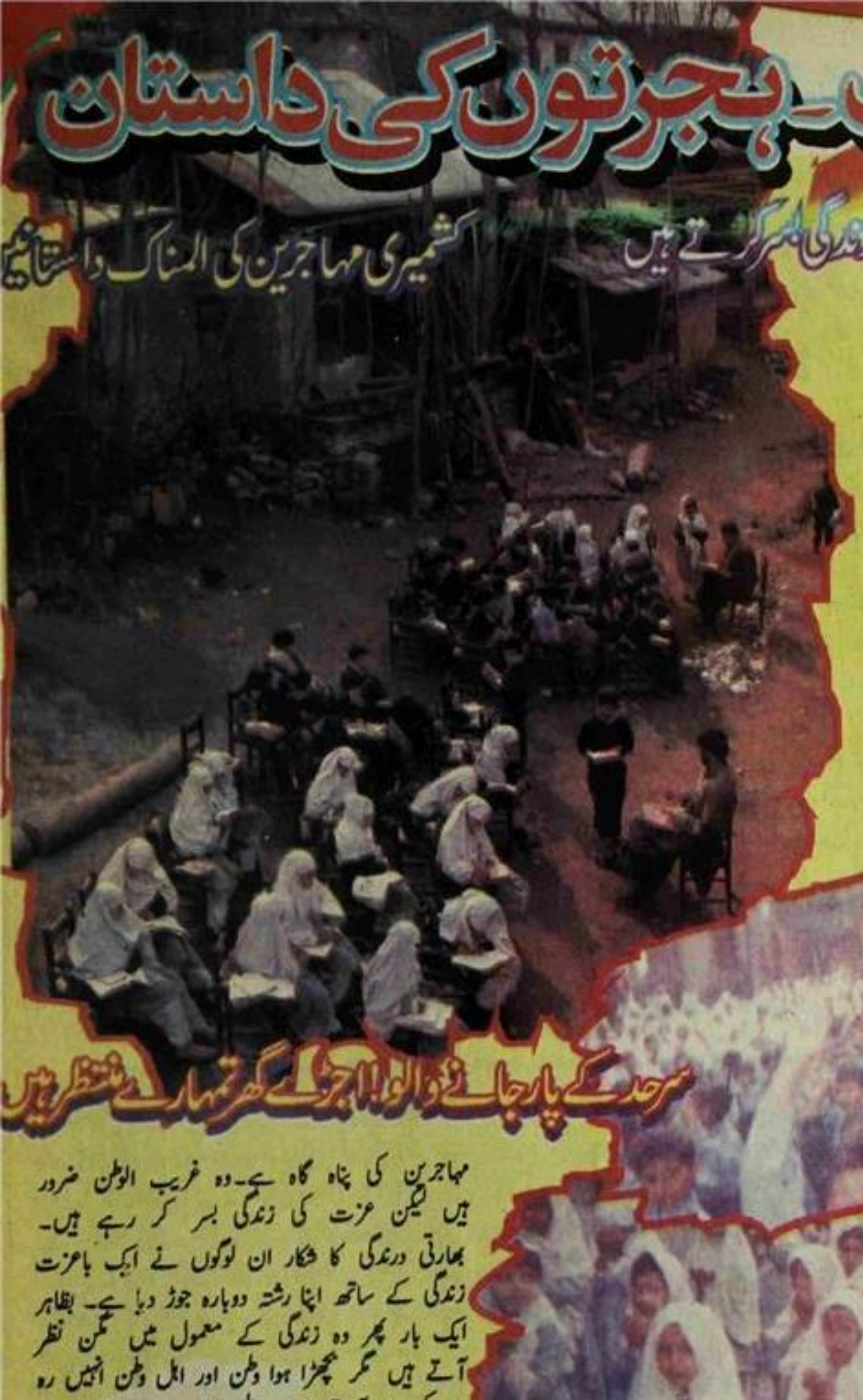

سرحد کے پار جانے والو! اجڑے گھر تمہارے منتظر ہیں

دو دریاؤں کے سنگم پر واقع خوبصورت شہر مظفر آباد سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر پہاڑوں کے دامن میں چکیلی ٹین کی چھتوں والے مکانات پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی آباد ہے جسے امبور کہتے ہیں۔ امبور کیمپ خونی لکیر کے اس پار سے آنے والے کشمیری مہاجرین کی بستی ہے جن کی سرزمین اس کے باسیوں کے لئے تنگ کر دی گئی۔ یوں تو اہل کشمیر کے مصائب اور دکھوں کی کہانی صدیوں پر محیط ہے لیکن دس برس قبل کشمیر کی جنت نظیر وادی کے معصوم عوام پر ایک قیامت

برپا کر دی گئی جب اس کے سجیلے جوانوں نے غلامی کی زنجیریں توڑنے کا فیصلہ کیا۔ امن اور جمہوریت کا راگ الاپنے والوں نے کشمیر کے امن پسند انسانوں کو حق آزادی دینے کی بجائے یہاں کے نہتے شہریوں کو گولیوں سے چھلنی کیا۔ ان کے کاروبار و باغات اجاڑے اور بستیوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ ظلم کا راج بڑھتا گیا تو لوگوں کی بڑی تعداد اپنے نبیؐ کی سنت پر چلتے ہوئے آزاد کشمیر کی پرامن فضاؤں کی طرف ہجرت کر آئی۔ امبور کیمپ انہی ستم رسیدہ کشمیری مہاجرین کی پناہ گاہ ہے۔ وہ غریب الوطن ضرور ہیں لیکن عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بھارتی درندگی کا شکار ان لوگوں نے ایک باعزت زندگی کے ساتھ اپنا رشتہ دوبارہ جوڑ دیا ہے۔ بظاہر ایک بار پھر وہ زندگی کے معمول میں مگن نظر آتے ہیں مگر بچھڑا ہوا وطن اور اہل وطن انہیں رہ رہ کر یاد آتے ہیں۔ وطن میں رہ جانے والے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بچھڑنے کا غم ہر فرد کی آنکھوں سے جھلکتا ہے۔ یہاں کے مکیں کے ہر لب پر شہیدوں کے تذکرے اور ہجرت کے دوران تاریک راہوں میں مارے جانے والے پیاروں کی یادیں ہیں۔ ہر گھر کی دیواروں پر وفا پرست جوانوں کی تصویریں آویزاں نظر آتی ہیں۔ جو شہادت کی ابدی راہوں کو گامزن ہو گئے' زندانوں اور عقوبت خانوں کی بھینٹ چڑھے۔ یہاں ایک چھوٹے سے مکان میں ستر سالہ احداللہ اور اس کی بیوی اپنی چار سالہ پوتی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان بوڑھے والدین کے دونوں لاڈلے

نذر اللہ اور اسد اللہ آزادی کی راہ میں قربان ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے بازی لے گیا۔ اسے کپواڑہ کے نواحی علاقے میں انڈین آرمی نے شہید کر دیا جبکہ بڑے بھائی نذراللہ نے کارگل کی برفانی چوٹیوں پر شہادت کا تاج پہنا۔ احداللہ کے گھر کی ایک دیوار پر اس کے بیٹے کی تصویر اور سند شہادت آویزاں ہیں۔ میں نے شہید کی بیٹی افشاں سے سوال کیا۔ ''ابو کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ ''دادا جی کہتے ہیں میرے ابو اللہ میاں کے پاس جنت میں چلے گئے ہیں جنت میں جانے والے واپس گھر نہیں آتے'' ہاں افشاں! تمہارے دادا سچ کہتے ہیں۔ آزادی کی خاطر جانیں دینے والوں کا ابدی ٹھکانہ جنت ہی ہے کیونکہ جہاد اور شہادت کا راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔ کشمیر کے شہیدوں نے دونوں جنتوں کے رستے ایک کر دیئے ہیں۔

میرا ذکی بڑا شریر تھا

مہاجر کیمپ کے ایک گھر میں بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا چار روز قبل اس گھر کا سپوت جمعیت المجاہدین کے تین شیر دل جوانوں کے ساتھ مقبوضہ پونچھ میں جام شہادت نوش کر گیا۔ آج کیمپ میں فاروق شاہ المعروف ذکی گوریلا کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا رہی تھی۔ شہید کے بھائی نے بتایا ذکی نے چار سال کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ ہجرت کی۔ دوران تعلیم چار پارے حفظ کئے اور میٹرک کرنے کے بعد جہاد میں شرکت کے لئے واپس اپنے وطن پہنچ گیا۔ ذکی کی ماں غم اور استقامت کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بیٹے کی جدائی کے آنسو چھلک رہے تھے جو کشمیر کی ہر ماں کا مقدر بن چکے ہیں۔ اس نے گلوگیر آواز میں بتایا ''میرا ذکی بڑا شریر تھا' میں بعض اوقات ڈانٹتی تو روٹھ جاتا' مجھے کیا خبر تھی؟ وہ ہمیشہ کے لئے روٹھ جائے گا''

کیمپ کے جس گھر میں جائیں بھارتی مظالم کی ایسی داستانیں سننے کو ملتی ہیں کہ سنتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص محمد زمان نے بتایا کہ اس نے تین سالوں تک ٹارچر

رشتہ داروں سے بچھڑنے کا غم ہر فرد کی آنکھوں سے جھلکتا ہے

ان ننھے بازوؤں کے دوش پہ آزادی کشمیر ہے

وطن کی جھیلیں اور زعفران کے کھیت تمہیں یاد کرتے ہیں

اور کلاشنکوف سے کھیلنے کی ہاتھ کے نشانے کرو ہے

سیلوں میں بدترین مظالم برداشت کیے۔ اسے الٹا لٹکایا جاتا۔ بجلی کے کرنٹ لگائے جاتے۔ انڈین فوجیوں نے تشدد کرتے ہوئے اس کا پاؤں توڑ ڈالا۔ اب وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہے۔ گھر میں بیٹھ کر ٹیلرنگ کرتا ہے اور لوگوں کے کپڑے سی کر اپنی گذر اوقات کرتا ہے۔

ہر گھر مظلومیت کی ایک کہانی

اسی طرح ایک گھر میں بیوہ خاتون نسیمہ بی بی کپڑوں پر کڑھائی کا کام کرتی ہے۔ دو سال قبل اس کے شوہر کو بھارتی فوج نے شہید کر دیا اور نعش دریائے جہلم میں پھینک دی۔ موجودہ تحریک کے دوران اس کے دو بھائیوں کو شہید کیا گیا ہے۔ ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ تحریک میں اس کا پورا خاندان شہید ہو چکا ہے غرض ہر گھر میں مظلومیت کی الگ کہانی ملتی ہے۔ یہاں کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جس کے کسی فرد نے آزادی کی خاطر جان اور مال کی قربانی نہ دی ہو۔ کئی گھروں میں اعضا سے محروم بچوں اور جوانوں سے ملاقات ہوئی جو انڈین آرمی کی بچھائی ہوئی بارودی سرنگوں کے باعث اپنے انمول اعضا سے محروم ہو گئے۔ ایک ٹانگ سے محروم مجاہد یاسین میر نے بتایا کہ 1990ء میں اس نے اسلامک فرنٹ کے ساتھ جہادی کارروائیوں کا آغاز کیا۔ اس نے راہ جہاد میں نو سال تک جنگلوں اور بیابانوں میں بسیرا کیے رکھا۔ 1999ء میں وہ کپواڑہ کے نزدیک مائین بلاسٹ کے دوران بائیں ٹانگ سے محروم ہو گیا۔ یاسین میر نے افسردہ لہجے میں کہا "میں بڑا گنہ گار ہوں تبھی تو رب نے میری صرف ٹانگ قبول کی۔ شاید شہادت نصیب والوں کو ملتی ہے" ٹانگ سے محروم ایک بچے نے بتایا کہ ایک دن وہ کھیتوں میں کھیل رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک کھلونا گاڑی پر پڑی وہ جونہی گاڑی کے نزدیک پہنچا گاڑی دھماکے پھٹ گئی اور اس کی ٹانگ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بعض مہاجرین نے اس بارے میں بتایا کہ انڈین آرمی نے کئی جگہوں پر کھلونا بم پھینکے ہوتے ہیں جس سے بچوں کے اعضا ضائع ہو جاتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر سے آنے والے مہاجر گھرانوں میں سے بہت سے نوجوان اسی وقت جہادی تنظیموں سے وابستہ ہو کر میدان جہاد میں ہیں۔ گھروں میں شہادتوں کے تذکرے سن کر بچے ابتداء ہی سے حرب پسندانہ خیالات کے مالک ہو جاتے ہیں۔ مہاجر بچوں کے تعلیمی ادارے الفلاح ماڈل سکول میں بھی بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد اور آزادی کا درس دیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کئی بچوں سے مستقبل کے اداروں کا پوچھا تو سب کا جواب ایک ہی تھا مجاہد بنیں گے، کشمیر جائیں گے، سکول میں ہر روز اسمبلی کے بعد مہاجر بچوں کے ہاتھ کشمیر کی آزادی کے لئے اٹھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے بستی کے در و دیوار "ہے حق ہمارا آزادی، چھین کے لیں گے آزادی" جیسے نعروں سے گونجتے رہتے ہیں۔ امبور گرلز سکول کے ساتھ ہی ایک گھر میں ایک خاتون ٹیپ ریکارڈر پر کوئی لوک گیت سن رہی تھی۔ یہ عسکری تنظیم "تحریک جہاد" کے ایک کمانڈر کا گھر ہے۔ جو گزشتہ کئی سالوں سے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر میدان جہاد میں مصروف عمل ہے۔ اس کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھی گیت سن رہی تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ سرحد کے آر پار ہجرت زدہ کشمیریوں میں لوک گلوکار اقبال مرنڈ گامی کے گیت بڑے شوق سے سنے جاتے ہیں۔ مہاجرین کے رشتہ داروں اور عزیزوں کی بڑی تعداد مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں مقیم ہے۔ اقبال مرنڈ گامی نے اپنی شاعری میں وطن سے بچھڑ کر سرحد پار جانے والوں کی یادوں کو درد بھرے انداز میں بیان کیا ہے اس کے گیت بچھڑنے والوں کی یادیں تازہ کر دیتے ہیں۔ سننے والوں کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ کرسی پر بیٹھی آسیہ بڑی محویت سے سن رہی تھی۔

ٹیپ ریکارڈر میں لگے پہاڑی گیت کا مفہوم یہ تھا کہ سرحد کے پار جانے والو! وطن کی جھیلیں، دریا، زعفران کے کھیت تمہیں یاد کرتے ہیں۔ اجڑے گھر تمہارے منتظر ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ صبح آزادی جلد آئے تاکہ تم اپنے وطن کو لوٹ آؤ۔

انعامی کوپن

پتہ ماہنامہ پھول-4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

اس ماہ کے جملے

1.....سب نے اپنے اپنے تاثرات بتائے
2.....گویا آفتاب مشرق سے طلوع ہوا ہے
3.....پھول تو اچھا لگتا ہی ہے
4.....کھاتے پیتے گھرانے سے اس کا تعلق تھا
5.....اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا

یہ رہے صفحات کے نمبر

.....3.....2.....1

.....5.....4

نام..... عمر.....

گھر کا پتہ.....

.....

کوئز کی دنیا

1.....سب سے پہلا کرکٹ ٹیسٹ مارچ 1877ء میں کس ملک میں کھیلا گیا۔
(1)انگلینڈ (2)آسٹریلیا (3)پاکستان

2.....ریڈار 1922ء میں امریکہ کے کس سائنسدان نے ایجاد کیا۔
(1)مارکونی (2)شول (3)جان فرولک

3.....پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز کون سا ہے۔
(1)نشان پاکستان (2)نشان حیدر (3)نشان امتیاز

4.....غزوہ خندق کس سن ہجری میں ہوئی۔
(1)5ھ (2)6ھ (3)2 ہجری

5.....سری لنکا کی کرنسی کا کیا نام ہے۔
(1)پاؤنڈ (2)رینڈ (3)روپیہ

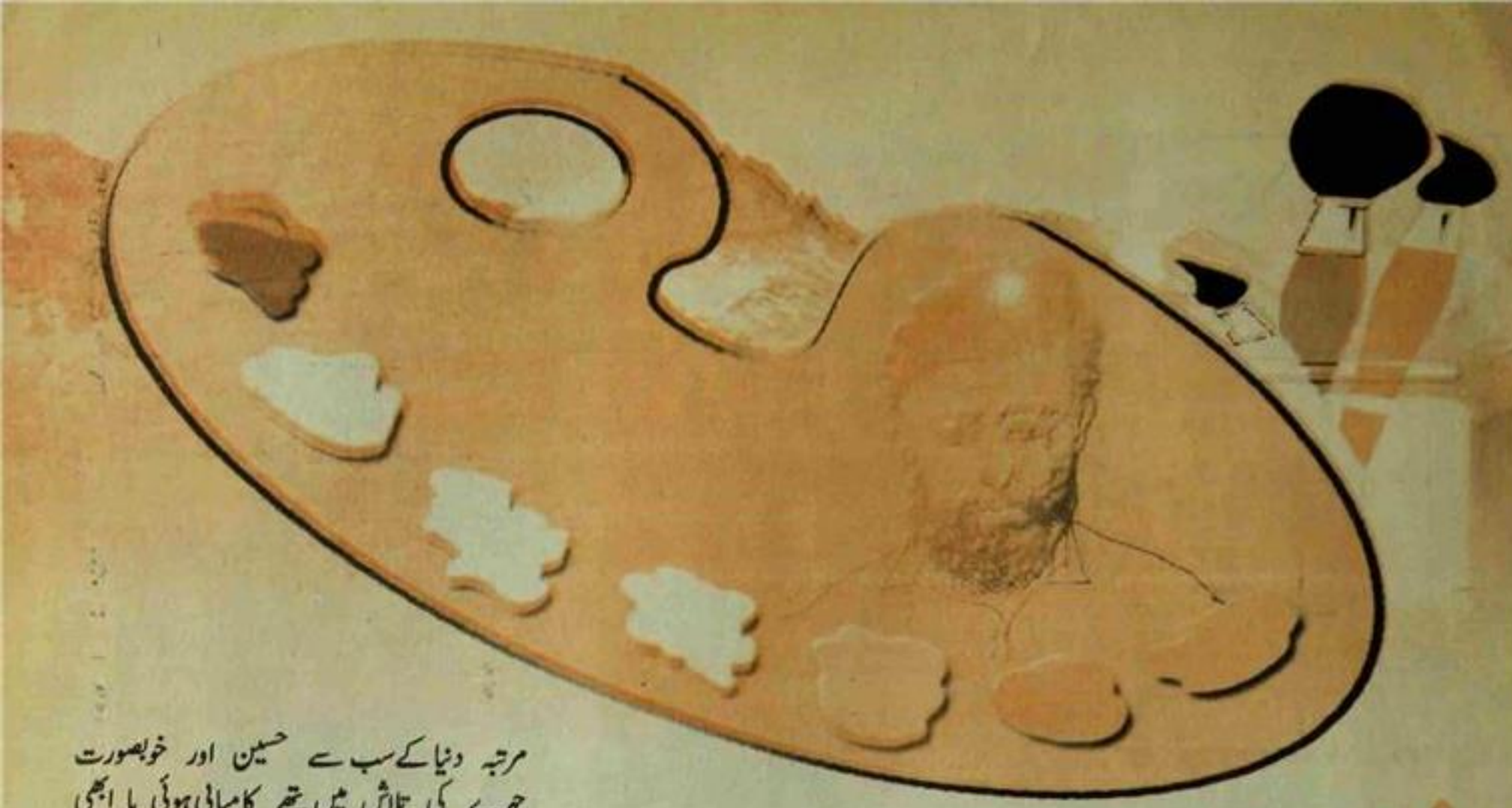

خوبصورت چہرہ

ایک خوبصورت آرٹسٹ کی کہانی
وہ سب سے خوب صورت چہرے کی تلاش میں تھا

نور محمد جمالی

میں دنیا کے سب سے زیادہ خوبصورت چہرے کی تلاش میں ہوں۔ اچھا پھر کامیابی ہوئی؟ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ یورپ اور مشرق کے ہر ملک میں گیا ہوں مگر مجھے وہ خوبصورت ترین چہرہ نظر نہیں آیا۔ جس کی مجھے تلاش ہے..... اب آخری ملک تمہارا یہ پاکستان ہے۔..... جو کہ میرا بھی وطن ہے۔ .....صمد کی بات سن کر میں ہنسا۔ آخر وہ ایسی کون سی خوبصورتی ہے جس کی تمہیں تلاش ہے۔ بس یار کبھی ملا تو دکھا دوں گا۔ صمد میرا بچپن کا دوست تھا..... مصوری اس کا شوق رہی ہے۔ ایسی ایسی پینٹنگز اس نے کینوس پر ابھاری ہیں کہ دیکھ کر سب حیران رہ جاتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے شہرت سے نفرت تھی۔ اس لئے آج تک اس کے کسی شاہکار کی نمائش نہ ہوئی اور نہ کبھی اس نے کبھی اپنی تصویر کسی کو بیچی تھی۔ کھاتے پیتے گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ اس لئے پیسہ اس کے لئے کبھی مسئلہ نہ رہا تھا۔ جب ہم نے اکٹھے کالج سے فراغت حاصل کرلی تو اس پر یہ جنون سوار ہوگیا کہ وہ دنیا کے سب سے بدصورت انسان کی تخلیق کرے گا۔ پھر اس نے اس کام میں کئی ماہ صرف کردیئے۔ پھر ایک دن اس نے دنیا کے سب سے زیادہ بدصورت انسان کی تصویر مجھے دکھا دی۔ میں حیران رہ گیا۔ وہ اس کی اپنی تصویر تھی۔ اس نے کہا۔ دنیا کا ہر شخص اپنی ماں کیلئے خوبصورت ہوتا ہے۔ چاہے وہ باہر سے کتنا ہی بدصورت ہو ماں کیلئے وہ چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اصل خوبصورتی تو انسان کے وجود کے اندر ہوتی ہے۔ میں نے تو کئی گناہ کئے ہیں۔ مجھے اپنا وجود بہت بدصورت نظر آیا۔ اس لئے میں نے اپنی تصویر کو کینوس پر اتار لیا۔ میں حیرت کے ساتھ اسے تکتا رہ گیا۔ اب دوبارہ تین برس بعد اس سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ اب وہ دنیا کے سب سے خوبصورت چہرے کی تلاش میں ہے۔ پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ میں بھی اپنے کام دھندوں میں الجھ کر رہ گیا۔ وقت کی گردش چلتی رہی۔ دن بدلتے اور راتیں گزرتی رہیں ڈیڑھ برس گزر گیا کہ کہ وہ پھر اچانک میرے سامنے آ گیا تو میں نے شکوہ کیا۔ ارے یار تم تو بالکل غائب ہوگئے تھے۔ ارے ہاں یاد آیا۔ اس مرتبہ دنیا کے سب سے حسین اور خوبصورت چہرے کی تلاش میں تھے کامیابی ہوئی یا ابھی تک ملکوں ملکوں گھوم رہے ہو؟ وہ سنجیدہ ہو گیا اس لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں..... تم ہی تو ہو جسے میں اپنا ہر رنگ دکھاتا ہوں۔

ایک بڑے سے لفافے سے اس نے ایک تصویر نکالی وہ اس کی اپنی پینٹنگ تھی۔ یہ دیکھو حسن مجھے وادی کشمیر میں نظر آیا۔ مقبوضہ کشمیر کی وادیوں میں اس نے اپنا وجود کھو ڈالا تھا۔ میں بھی دنیا کے سب سے حسین چہرے کو دیکھنے کیلئے آگے جھکا۔ مگر دوسرے لمحے مجھے جھٹکا سا لگا۔ کٹی ہوئی کان کی لوئیں بایاں رخسار جھلسا ہوا۔ دونوں بازو کندھے سے غائب' البتہ دایاں رخسار بے حد خوبصورت اور حسین تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ یہ تھی دنیا کی سب سے خوبصورت تصویر۔ خوبصورت چہرہ اور ایسا بھیانک میں نے کہا نور یہ کوئی عام شخص نہیں ہے یہ مجھے آزاد کشمیر کے ایک گاؤں میں ملا تھا۔ بوڑھے برگد تلے ایک بوڑھی عورت اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا رہی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص مجاہد ہے اور بوڑھی عورت اسکی ماں۔ کشمیر میں بدصورتی کو مٹانے کیلئے اس شخص نے اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں۔ اپنا خوبصورت چہرہ قربان کر دیا۔ بدصورتی کو مٹانے والا کتنا خوبصورت ہوگا۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو۔ میں حیرت سے اس چہرے کو تکتا رہ گیا۔

ماہنامہ پھول لاہور
ہر عمر کے بچوں کیلئے

ہمیں تو یوں ہنسے بھی عرصہ بیت گیا

(سوپور مقبوضہ کشمیر کی بچیاں)

تمہیں نے چھیڑ دیا موت و زندگی کا سوال
اب اس سوال کے زندہ جواب ابھریں گے

ہر عمر کے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول

لاہور

یہاں پہ خون شہیداں کے جل رہے ہیں چراغ

بقا کو دیکھئے پروانہ وار پھرتی ہے

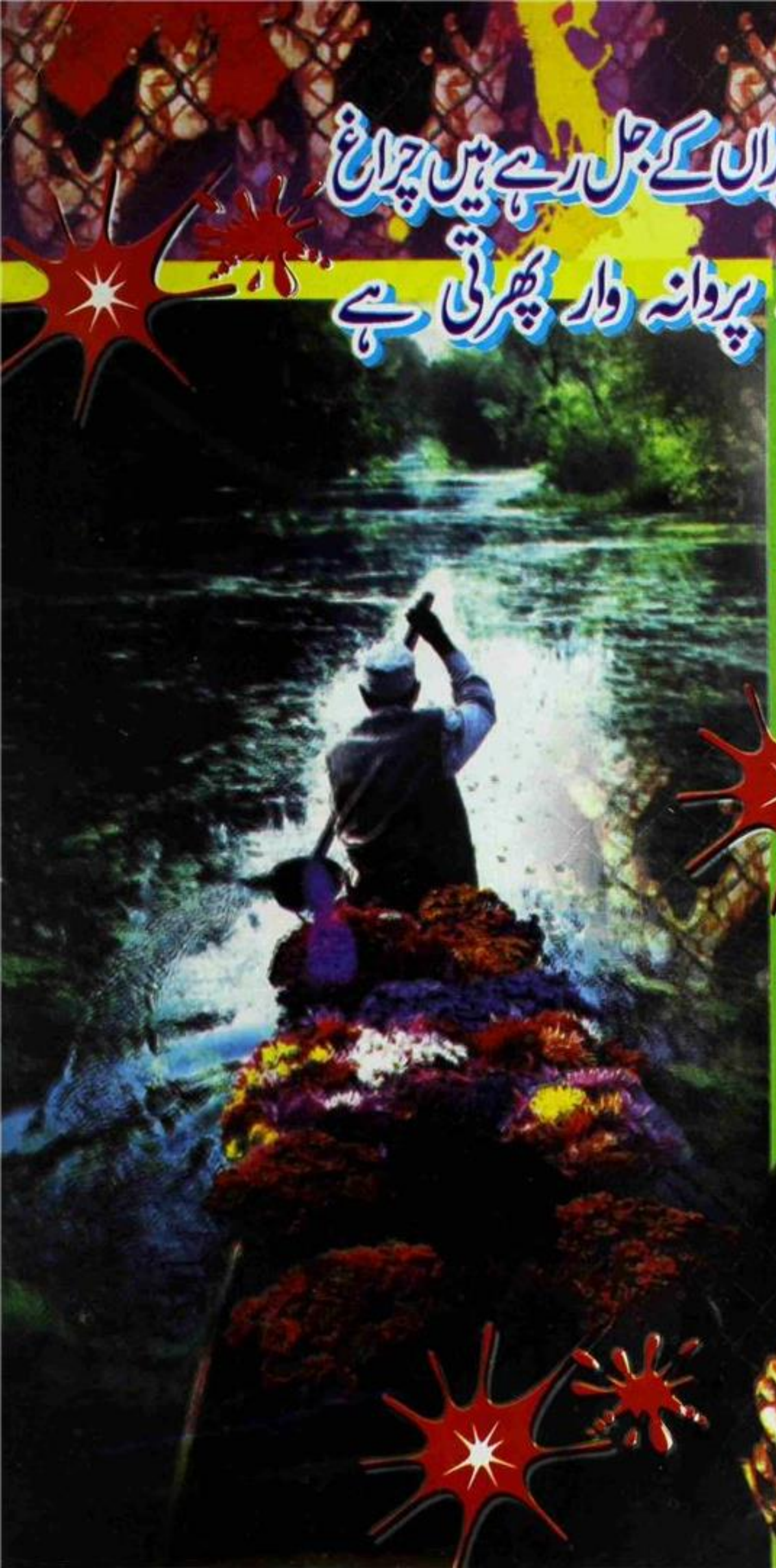

ہر گھر کے بچوں کے لیے
ماہنامہ پھول لاہور

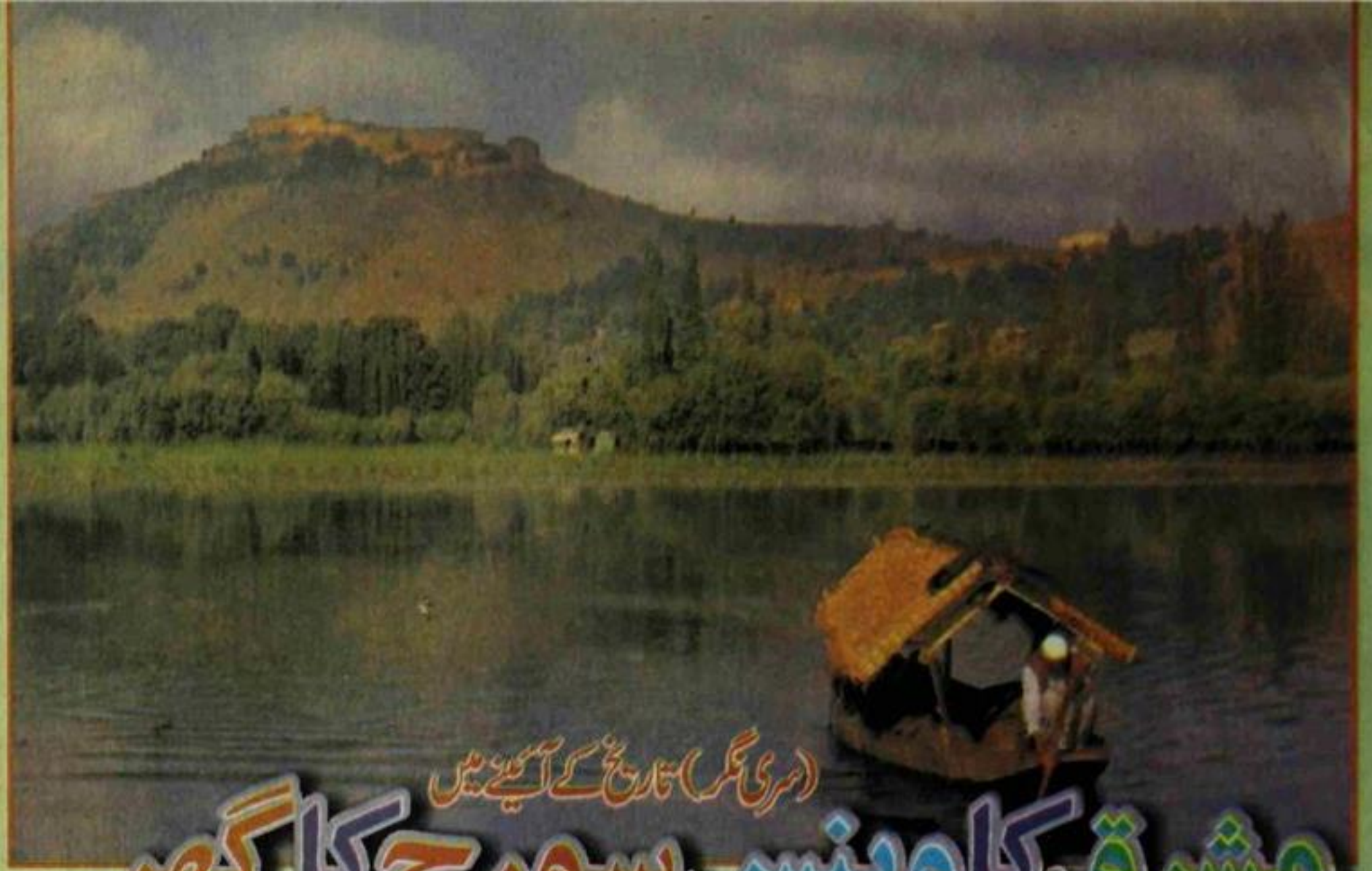

(سری نگر) تاریخ کے آئینے میں

مشرق کا وینس سورج کا گھر

غلام نبی بٹ

سری نگر ریاست جموں کشمیر کا قدیم زمانے سے دارالحکومت چلا آ رہا ہے۔ یہ سطح سمندر سے 5250 فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور نہایت تاریخی اہمیت کا شہر ہے۔ دریائے جہلم اس کے درمیان سے گزرتا ہے۔ اسے ''مشرق کا وینس'' بھی کہتے ہیں۔ مشہور عالم خوبصورت میٹھے پانی کی جھیل ڈل بھی شہر کے درمیان میں واقع ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں اس عظیم الشان شہر کی آبادی اس وقت کی مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ سے زائد تھی۔ اس شہر کی بنیاد چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں راجہ پرورسین دوئم نے رکھی سری نگر کے لفظی معنی ہیں ''مالک یا خدا کا گھر'' یا ''خدا کا شہر'' اسی طرح سری کا لفظ سورج کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب ہے ''سورج کا گھر'' یعنی روشنی کا شہر۔

سری نگر کا شہر وادی کشمیر کے وسط میں واقع ہے۔ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریائے جہلم پر 9 (نو) پل تعمیر کئے گئے ہیں۔ جن کے نام زیرو برج' امیرا کدل' بڈشاہ کدل' زینہ کدل' فتح کدل' زینہ کدل' عالی کدل' نوا کدل اور صفہ کدل ہیں۔ کدل کشمیری میں پل کو کہتے ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد یہ شہر مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کا مرکز بن گیا اور کشمیری مسلمان بادشاہوں کا دارالحکومت رہا۔ جنہوں نے اس کی تعمیر وترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ جب شہنشاہ اکبر کے دور میں مغلوں نے کشمیر پر قبضہ کیا تو مغل بادشاہوں نے بھی اس کے حسن سے متاثر ہو کر اس کی ثقافتی وعلمی اہمیت کے مدنظر اس کی خوبصورتی میں اضافہ کے لئے بہت کام کیا اور بیشمار باغات اسی دور کی یادگار ہیں۔ جن میں ''شالامار'' باغ یعنی ''دنیا کے بادشاہ کا گھر'' سری نگر میں بادام باغ' اقبال پارک' نہرو پارک' مغل گارڈن' نگین باغ' نسیم باغ' بھی خوبصورتی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ سری نگر میں عظیم الشان زیارت گاہ درگاہ حضرت بل اپنی خوبصورت بناوٹ اور مذہبی تقدس کی وجہ سے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں پر نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی داڑھی مبارک کا بال زیارت گاہ ہر خاص وعام ہے۔ عیدالفطر' عیدالاضحی شب قدر' شب معراج اور عید میلادالنبی ﷺ کے دن اس کا عام لوگوں کو دیدار کرایا جاتا ہے تو لاکھوں کا مجمع موجود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز ''خانقاہ معلی'' بھی اپنے کشمیر طرز تعمیر کی وجہ سے بے حد مشہور ہے۔ یہاں بیٹھ کر حضرت شیخ سید علی ہمدانی درس دیا کرتے تھے۔ سری نگر کی مرکزی جامع مسجد بلاشبہ دنیا میں اپنی طرز تعمیر کی واحد عجوبہ روزگار عمارت ہے۔ یہ وسیع وعریض عمارت لکڑی سے تعمیر کی گئی اور کشمیری فن تعمیر جو یہودی اور چینی طرز تعمیر سے ملتا جلتا ہے کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس کا مرکزی ہال کم وبیش 900 یکساں جسامت والے عظیم الجثہ لکڑی کے تراشے ہوئے خوبصورت ستونوں پر قائم ہے۔ اس مسجد میں ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ یہ مسجد عظیم کشمیری بادشاہ زین العابدین بڈشاہ نے بنائی۔ اس طرح لکڑی کی بنائی ہوئی دنیا کی سب سے بڑی خانقاہ درگاہ مخدوم صاحب بھی سری نگر کے وسط میں موجود پہاڑی ''ہری پربت'' جسے کوہ سلیمان بھی کہتے ہیں پہ قائم ہے۔ اسی زیارت کے اوپر اکبر کا تعمیر کردہ شاہی قلعہ بھی قابل دید مقامات سے ایک ہے۔ جس سے سارے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ ملکہ نور جہاں کی تعمیر کردہ پتھر مسجد بھی اپنی خوبصورتی اور سٹائل کی وجہ سے بے حد مشہور ہے۔ ساری مسجد کی تعمیر میں خوبصورت پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ سری نگر میں ہندومت کے دیوی دیوتاؤں کے متعدد بڑے بڑے مندر سکھوں کے چھٹے گرو کا گردوارہ اور بدھ مت کی عبادت گاہ اور بڑا عیسائی گرجا بھی اپنی مثال آپ ہے۔ یوں تو سارا شہر کشمیری فن تعمیر کا منہ بولتا شاہکار ہے مگر دور جدید میں سیکرٹریٹ' مہاراجہ ریذیڈنسی' اسمبلی کی عمارت' یونیورسٹی کیمپس' متعدد جدید ہوٹل اور صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ اور شاپنگ سنٹرز کی عمارتیں جدید فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہیں۔ اسی شہر بے مثال کی مرکزی عیدگاہ کے ساتھ وسیع میدان میں جنگ آزادی لڑتے ہوئے مشہور ہونے والے مجاہدوں کی ہزاروں قبریں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ مزار شہدا اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شہر کشمیر کی آزادی کے لئے بھارت کے خلاف جہاد میں بھی سب سے آگے اور پیش پیش ہے۔

مغل بادشاہوں کو سری نگر اور کشمیر سے خاص لگاؤ رہا

شہداء کے مزار آزادی کشمیر کا نشان بنتے جا رہے ہیں

صفحہ بتائے انعام پائیے

البدر پبلی کیشنز
23۔ واحد مارکیٹ اردو بازار لاہور

تعاون
مکتبہ تعمیر انسانیت
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مرتب ..... عثمان خادم + محمد نعیم رضوی

اچھے پھول دوستو آپ کے بھیجے ہوئے انعامی کوپن ہمیں موصول ہوئے اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے جن دوستوں کے انعامات نکلے ہیں بھئی وہ سے اپنے دوسرے ساتھیوں کا بھی خیال رکھا کریں ابھی جلدی سے اپنا نام تلاش کریں اور اپنے دوستوں کو دکھائیں اور اپنے بڑوں سے شاباش پائیے۔

شاہین کوثر چھانگا مانگا فرحان منور عبداللہ بستی' سید تحسین عباس نقد آباد' اشفاق چیمہ' برج چیمہ' راحیلہ عنایت لالہ موسیٰ' محبوب عالم ڈھرکی' تنزیل ظفر خانیوال' جمیلہ کوثر قصور' سعدیہ شوکت آزاد کشمیر' عرفان شہزاد اوکاڑہ' امبرین ملتان' شیخ محمد ناصر انجم وآصو آستانہ' عائشہ نواز لاہور' فوزیہ یٰسین فیصل آباد' مدنیہ ثمر شکر گڑھ' آمنہ یعقوب فیصل آباد' جویریہ تبسم فورٹ عباس' خدیجہ گوجرانوالہ' آمنہ انوار لاہور' حافظ محمد یٰسین بوریوالہ' برہان لاہور' عائشہ عفیفہ اٹک' سعید احمد لیہ' عدنان رسول شکر گڑھ' کرن سلمان شیخوپورہ' محمد فرخ جمال اظہر قصور' فرحت شاہین گوگیرہ' حنا حمید بدین' شمائلہ ربانی پتوکی' سحر خورشید ساہیوال' راؤ اجمل ندیم مانگٹ' عائشہ یونس شیخوپورہ' ثوبیہ سمیرا جہانیاں منڈی' حافظ محمد عظیم بہاولپور' حافظ محمد یوسف گوجرانوالہ' سید احمد پھوڑ خوشاب' کنول اعوان مظفر آباد' رومیلہ بہاولپور' توقیر چودھری شکر گڑھ' صبا جبار ننکانہ صاحب' عمر شفیق لاہور' محمد جنید بھٹہ مظفر گڑھ' ہما ناز گوجرانوالہ' محمد اسد علی فیصل آباد' حاجی احمد خوشاب' زرینہ پیر بخش ٹی ٹی سنگھ' محمد اظہر منیر چکوال' مدیحہ گیلانی محسن گیلانی دیپالپور' وعد الرحمن لاہور' خرم فریاد لاہور' محمد راشد شفیع لودھراں' صائمہ عباس ڈار لاہور' رملہ کنول ایبٹ آباد' محمد وسیم اسد کروڑ لعل عیسن' سعدیہ اقبال فیصل آباد' محمد اقبال جہانیاں منڈی' سید ذوالفقار حسین زلفی جھاوریاں' محمد زین عثمان شیخوپورہ' منچن آباد سے سید الطاف حسین ٹیپو' عبداللطیف ظفر' عبدالرزاق جاتی' خالد محمود یاسر' رانا اسد جواد نومی' قمر الزمان وٹو' حافظ خالد محمود اعوان' ملک محمد شہزاد احمد' نواز الحق عابد' طارق علی جوئیہ' عائشہ عارف فیصل آباد' اقراء بلقیس لاہور' ابراہیم ہزارہ' میاں لطیف راولپنڈی' عذرا کنول آزاد کشمیر' شعیب احمد بٹ شیخوپورہ' صہیب حفیظ فیصل آباد' محمد فاروق اعظم دھریالہ جالپ' خواجہ عمران بشیر بھیرہ' میمونہ شعور کوٹلی اے کے' عبدالقادر جونیئر لاہور' مدثر رضا پھالیہ' سمیہ اکرام الحق سرگودھا' ملک ذیشان الٰہی میاں چنوں' حسیب جمال + عبداللہ لیاقت + کاشف فریاد + چن ماہی + حسیب کمال + کاشف شہزاد لاہور' سعیدہ احسن کھاریاں' آمنہ لطیف لاہور' ایم عامر ملک بہاولپور کینٹ' ظفر اقبال تبسم جودھ پور' راشدہ اسحاق میاں چنوں' عروج یٰسین چیچہ وطنی' خالد محمود شیخوپورہ لاہور سے ریحان مسلم + غلام مصطفیٰ + سونیا بھٹی + مرتضیٰ مغل + نائلہ حق + عمران بھٹی + روحہ فاطمہ' بہاولپور' صائمہ کنیز لاہور' عرومہ یونس اسلام آباد' سعدیہ اقبال سرگودھا' اشتیاق سلیمی قبولہ شریف' محمد سلطان چودھری لاہور' رضوان علی لاہور' ثوبان علی لاہور' گڈو میاں چنوں' عثمان یوسفی تربت' محمد عاصم مخدوم + محمد عمار مخدوم لاہور' حنا مقصود فورٹ عباس' ساجد محمود بھٹہ لودھراں' مریم ریاض ایبٹ آباد' مختار احمد جمال دیپالپور' احمد جمال + مختار احمد صدیقی + فوزیہ جمال + عدنان جمال + غلام فاطمہ جمال + صوبیہ جمال + نسیم فاطمہ جمال + شمیم جمال + شاہد جلیل مہدی + نسیم الحق زاہدی میاں چنوں' دلدار احمد + عظمیٰ تبسم + غازی مرتضیٰ + خالدہ پروین + غزالہ تبسم + غفار احمد + شمائلہ بوٹا + ثناء غزل + غیور احمد کوٹلی آزاد کشمیر' فرحان ریاض + حاجی محمد عامر مغل ڈسکہ' آمنہ مغل (جگہ نامعلوم)' رابعہ لیاقت گوراپہ جڑانوالہ' ثوبیہ حسیب لاہور' محمد فہیم کروڑ لعل عیسن' یعقوب علی وڑائچ بوریوالہ (خط علیحدہ صفحہ پر لکھا کریں) سمیرا تبسم لاہور' افضل بٹ عروجی وار برٹن' یٰسین قمر وار برٹن' ایم آصف رضا بلوچ ملتان شریف' عبدالصمد مظفر لاہور' علی نثار اچھرہ' شازیہ ولی ننکانہ صاحب' محمد طارق اقبال سرگودھا' طارق افتخار ملتان' عبدالجبار صبا ساہیوال' قمر جاوید سرکانی ڈی جی خان' احسان محمود ٹیپو نارووال' زینب لاہور' سلمان حاصلپور' سعید احمد ساجد قصور' غظمیٰ نورین سرگودھا' عبدالعلیم امجد بہاولپور' عبدالمقیت صدیقی لاہور' محمد فرخ جاوید بہاولنگر' جہانزیب کراچی' عائشہ چودھری لاہور' عامر شہزاد منڈی بہاؤالدین' زنیرہ کفیل خانیوال' محمد زبیر ارشد ملتان شریف' طارق آفتاب کلور کوٹ' حمیرا شفیق فیصل آباد' ایم رفیق ناز ملتان' ذیشان سلیم فیصل آباد' علی حسن ڈار + شاہد سلیم نارنگ منڈی' یعقوب علی بوریوالہ' نصر اللہ خان خوشاب' عمیر احمد اوکاڑہ' اشفاق احمد مظفر گڑھ' بشریٰ عظمت + صابرہ عظمت + رابعہ عظمت لاہور' صائمہ اکبر (جگہ نامعلوم) زبیر احمد اٹک' مصباح کرن فورٹ عباس' اشفاق احمد شاہدرہ' محمد عثمان سنگھ پورہ' فیض محمد رحیم یار خان' بینش یوسف فیصل آباد' عائشہ ہاشمی اوکاڑہ' انا منظور سکھر' سدرہ حنیف شاہ وآصو آستانہ' فرحان سعید ہاشمی تلہ گنگ' بشیر گیلانی اوکاڑہ' آصف صمدانی رینالہ خورد' مصطفیٰ المصور جڑانوالہ' شائستہ خان فیصل آباد' ناہید یونس گجر خان' محمد امید جہانیاں' ارم آنچل سوہاوہ' راؤ نعمان اختر لاہور' ماریہ اعجاز ڈسکہ' نعمان صدیق راولہ کوٹ' شبیر احمد شہزاد رحیم یار خان' عبداللطیف شاہد مانگا منڈی' عبدالصمد مظفر لاہور' رابعہ سرور وار برٹن۔

پھول کہانی گھر لاہور گائوں میں پروگرام

پھول کہانی گھر لاہور کے زیر اہتمام گاؤں میں پروگرام کیا گیا۔ محسن بچوں کی کثیر تعداد شریک تھی۔ چاچا عطا محمد مہمان خاص تھے۔ ان کو لوک کہانی پر کافی عبور حاصل ہے۔ حافظ عبدالوہاب نے تلاوت و نعت پیش کی۔ غلام محی الدین اور تصور حسین نے تھلی منی کہانیاں سنائیں۔ اتنی دیر میں خاص مہمان بھی گائے بھینسوں کو چارہ ڈال کر آ گئے اور بڑے انہماک سے "کہانی گھر" کی کارروائی دیکھنے لگے۔ صدر پھول کہانی گھر لاہور نے تمام شرکاء کو خوش آمدید کہا اور کہانی اللہ کی نعمتیں سنائیں۔ بعد ازاں یوسف صدیق' محمد سلطان' شاہد بھائی' محمد زبیر' لیاقت علی 'نزاکت علی اور احتشام نے لوک سبق و نصیحت آموز کہانیاں سنائیں

دھریالہ جانپ میں تعلیم۔ گی اہمیت پر کہانی گھر

اہتمام = محمد علی صدیقی رپورٹ= محمد فاروق اعظم صدیقی آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت محمد علی صدیقی نے حاصل کی۔ محمد باری تعالیٰ یاسر مسعود اور نعت رسول مقبول احمد وقاص نے پیش کی۔ درس قرآن منصور احمد شاکر نے دیا۔ مطالعہ حدیث عدیل احمد ناصر نے کیا۔ میں نے بچوں کو تعلیم کے حوالے سے بہت ساری باتیں بتائیں محمد نوید حسن نے کہانی "اصلی تھوک" توقیر امجد نے "خاموشی" نعیم افضل نے "آنسو" اور ابوبکر صدیق شاکر نے "بہانے باز" سنائی۔ مہمان خصوصی گورنمنٹ ہائی سکول دھریالہ جانپ کے سیکنڈ سینئر ہیڈ ماسٹر مشتاق احمد صدیقی نے پروگرام کو سراہتے ہوئے کہا کہ پھول اس دور کا بہت اہم میگزین ہے انہوں نے تعلیم کی اہمیت خصوصیت اور ضرورت پر مختصر مگر موثر کہانیاں سنائیں۔ عدیل احمد ناصر ندیم افضل اور محمد علی صدیقی نے خاکہ پیش کیا عبدالوحید تبسم نے لطیفے سنا کر حاضرین کو تازہ دم کر دیا ارسلان عنایت اور ہارون احمد نے ملی نغمے سنائے۔ پروگرام کے آخر میں تمام شرکاء پروگرام کی تواضع جوس سے کی گئی اور ساتھ ہی اول دوئم اور سوئم انعامات حاصل کرنے والے خوش نصیبوں کو بلایا گیا۔ اول انعام محمد علی صدیقی دوئم انعام عدیل احمد ناصر اور سوئم انعام احمد وقاص نے حاصل کیا۔

آموں کے باغات میں کہانی گھر

رپورٹ= آمنہ ملک' عشا ملک نے ہاں دعوت نامہ پڑھ کر ہمیں بھی حیرت ہوئی۔ پھول کلب کے صدر نے پھول ساتھیوں کو اپنے باغات میں دعوت دی اور کہانی گھر کا اہتمام کیا۔ کہانی گھر کے مہمان مسز نذیر قاسم تھیں۔ سب پھول ساتھی مقررہ وقت سے پہلے پہنچے۔ یہ کہانی گھر چارپائیوں پر ہوا جس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جسکی سعادت الفت نے حاصل کی۔ نعت شاہد عباس نے سنائی۔ پہلی کہانی آزادی کے حوالے سے تھی جو اصغر علی نے سنائی۔ اس کے بعد ساجد نے ایک کہانی سنائی جس کا نام غور کریں تھا۔ مہمان خصوصی نے کہانی مجھو لیلا سنائی جو مزاحیہ ہونے کیساتھ ساتھ سبق آموز تھی۔ اس کے بعد ایک اور مہمان نے آموں کے آم کہانی سنائی۔ جاوید اقبال تبسم نے آموں کے عجیب سے نام بتائے جو سب کو بمشکل ہی یاد ہوئے۔ سب کی توجہ کہانیوں کی طرف کم آموں پر زیادہ تھی۔ تقریب کے اختتام پر سب کو آموں کی پیٹیاں بطور گفٹ دی گئی۔

پروگرام ختم ہوا تو مہمان خصوصی آ پہنچے اس بار طوطا نہ آسکا

اہتمام و رپورٹ= مصباح عنبرین تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جو ہمیشہ کی طرح کافی اصرار کے بعد اللہ رکھی نے کی۔ اس کے بعد نعت رسول مقبولؐ پڑھی مہمان خصوصی ہماری دادی اماں تھیں جو ابھی تک نہیں پہنچی تھیں۔ خیر ہم نے پروگرام جاری رکھا۔ نیلم اور میں نے بلبل کا بچہ نظم سنائی ایک کہانی "سنڈریلا کا سینڈل" سنانے کی کوشش کی جو قسطوں میں پوری ہوئی۔ یہ کہانی سبھی کو آتی تھی اس لئے کافی روک ٹوک ہوئی۔ پھر ایک دوسری کہانی "سنو وائٹ" سنانے کی جسارت کی۔ افشین سے ایک شعر سنانے کو کہا تو وہ اپنی ڈائری کھول کر شروع ہو گئی۔ نتیجتاً ایک کے بجائے دس شعر سننے پڑے۔ بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا۔ ہمارے پچھلے پروگرام میں ایک طوطا بھی شریک تھا۔ جو اس دفعہ نہ آ سکا بیت بازی پر آ کر تان ٹوٹی۔ ہماری ٹیم پھر جیت گئی۔ ساتھ ساتھ کولڈ ڈرنک اور بسکٹ پر ہاتھ صاف کئے جا رہے تھے۔

چک دو برجی کے کہانی گھر میں شرکاء ملی نغمے سناتے رہے

چک دو برجی (سمیعہ ناز علی محمد) تلاوت کلام پاک صائمہ بانو نے کی اور نعت رسول مقبولﷺ صبا رحمٰن نے پیش کی۔ اس کے بعد نغموں کی بارش شروع ہوگئی۔ شازیہ نے "سورج کرے سلام چندا کرے سلام" بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ آنسہ نازیہ نے نئے ہمارے جذبے ہیں سنایا بہت اچھا انداز تھا ثمینہ اور تہمینہ نے نغمہ سنایا۔ اس پرچم کے سائے تلے' یہ میری امی کو بہت پسند آیا۔ نصرت تشریف لائیں "یا رب دل مسلم کو" ماروی صاحبہ 'جیوے جیوے' جبکہ عمران نے 'ہاٹ نیوز' سنا کر واہ واہ کروا لی۔ سمیرا انجم نے سوہنی دھرتی ترنم کے ساتھ پیش کیا اب آئی کہانیوں کی باری صائمہ نے "آزادی" سنائی۔ اور ثمینہ نے بچوں کو یوم آزادی کے مطالب پیش کر دیے۔ درمیان میں لطیفہ گوئی بھی چلی۔ نصرت نے کہانی سنائی۔ تین شہزادیاں اب ایک اور نغمہ تشریف لایا ثمینہ اور تہمینہ کے ساتھ چاند روشن چمکتا ستارہ رہے' دعائیہ نظم صائمہ نے پڑھی۔ مہمان خصوصی نے نماز پر لمبا چوڑا لیکچر دیا۔

پھول کہانی گھر میں دادا ابو کے سنسنی خیز واقعات

رپورٹ= عبدالرحمن فاروقی اہتمام=سیف الرحمن فاروقی' ارشد فرید' عتیق الرحمن وکلیل خاور کہانی گھر کا اہتمام ماہدولت کے گھر لان میں ہوا تمام ساتھی مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ کہانی گھر کا آغاز عبدالصمد نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ نعت شریف تیمور ارشد نے پڑھی پہلی کہانی سیف الرحمن فاروقی نے جذبہ شہادت سنائی۔ شبیر احمد نے برف کے قیدی سنائی۔ تیمور ارشد نے اپنی خوبصورت آواز میں ملی نغمہ سنایا۔ کمپیئر کے فرائض عبدالرحمن فاروقی ماہدولت سرانجام دے رہے تھے۔ ارشد فرید نے معصوم جان کی قربانی سنائی اس کے بعد دادا جان سٹیج پر تشریف لے آئے۔ انہوں نے 1965ء کے واقعات سنائے۔ دادا جان نے تمام واقعات کو ایک کہانی کی صورت میں سنایا۔ اول' دوم سوم آنے والوں کو پھول رسالے دیے گئے۔

بدوملہی میں چھوٹے بچوں کا کہانی گھر

رپورٹ= وقاص احمد ملہی کہانی گھر کا آغاز "عمارہ رفیع" نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ مریم رفیع نے نعت سنائی۔ "ابرار احمد نے کہانی کسان کی ذہانت" سنائی۔ ابرار احمد عرف شیری کی باری آئی تو اس نے جانوروں کی بولیاں سنائیں۔ آمنہ امجد نے نعت اور ملی نغمہ سنایا۔ سرفراز احمد عرف فری نے ٹیلے ہاتھی کی کہانی سنائی۔ قیس احمد نے اپنے پالتو جانوروں بھینسوں اور بلیوں کے واقعات سنائے۔ سارہ رفیع نے نظم "میری گڑیا" سنائی۔ احمد علی نے بھی اپنی گاڑی کے متعلق کہانی سنائی۔ جواد احمد نے لطیفے سنائے۔ اس کہانی گھر میں چھوٹی سی مہمان "طوبیٰ امجد" جو کہ ایک سال کی ہے نے بھی شرکت کی۔ تمام بچوں کو انعام اور کولڈ ڈرنک دی گئیں۔ "مریم امجد" نے نیک دل پری کی کہانی سنائی اس کے ساتھ ہی یہ مزیدار کہانی گھر اختتام کو پہنچ گیا۔

بوچھال کلاں میں پھول کہانی گھر دادا ابو کی خدمات ادھار لی گئیں۔

رپورٹ= (سمیہ سلامت) رورل ہیلتھ سنٹر بوچھال کلاں میں ایک چھوڑ دو دادی اماں اور ایک دادا ابو موجود ہیں اس لئے ہمیں قوی امید تھی کہ دادی اماں یاد دادا ابو کا مسئلہ نہیں بنے گا۔ لیکن کہانی گھر والے دن پتہ چلا کہ ممتاز (ایکسرے اسسٹنٹ) کی دادی اماں سرگودھا چلی گئی ہیں۔ جبکہ دوسری دادی اماں اپنے بیٹوں سے ملنے قریبی گاؤں گئی ہوئی ہوں ہماری خوش قسمتی کہ اسی روز ایک دادا ابو بھلوال سے آئے ہوئے تھے چنانچہ کہانی گھر کروانے کے لئے انکی خدمات ادھار لی گئیں۔ سب سے پہلے ہما اکرام نے تلاوت کلام پاک سے کہانی گھر کی ابتداء کی جبکہ فجیعہ اکرام نے نعت رسول مقبول سنائی۔ رانا عثمان نے جراثیم سے بچاؤ کے متعلق ایک کہانی سنائی۔ مریم طارق نے توتلی زبان میں جو کہانی سنائی وہ صرف انکی امی کو سمجھ آ سکی۔ اب کہانی سنانے کی باری تھی سحر اکرام کی۔ سحر کے بعد نزل' راوی' فاروق اور فجیعہ نے بھی کہانیاں سنائیں۔ آخر میں ڈاکٹر طارق ملک نے آدھا گھنٹہ لمبی کہانی سنائی۔

پھول کہانی گھر میں پاکستان کی کہانیاں

اہتمام و رپورٹ= فریدہ خانم تلاوت قرآن پاک ثاقب ریاض نے کی۔ وقاص ریاض نے سرائیکی میں نعت پیش کی۔ محمد اویس نے سب سے پہلے تفریحی کہانی "گاجر کی کہانی" سنائی پھر مدیحہ ممتاز نے موضوع کے حوالے سے سبق آموز کہانی "پاکستان اور ہم" سنائی۔ فرحان طیب نے بھی موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے "ہمارے بزرگ" کہانی سنائی۔ عادل عدنان نے "گیدڑوں کی مکاری" سنا کر جان چھڑوائی۔ نعمان طیب نے "ہمارا جھنڈا ایک ہے" نہایت اچھی کہانی بہت اچھے انداز سے سنائی۔ محمد عثمان نے "چالاکی کا انجام" سنا کر بچوں کو ہنسا دیا۔ زارا طاہر نے مختصر مگر موثر "ہم پاکستانی ہیں" سنائی رابعہ ممتاز نے "جس کا کام اسی کو ساجھے" سنائی۔ جسے بچوں نے پسند کیا۔ موضوع کے اعتبار سے ہماری سیکرٹری سعدیہ اسلم نے "پاکستان ہمارا گھر" بہت اچھی کہانی سنائی۔ دادی اماں نے بچوں کو پیارے وطن سے محبت کرنے کی باتیں سمجھائیں۔

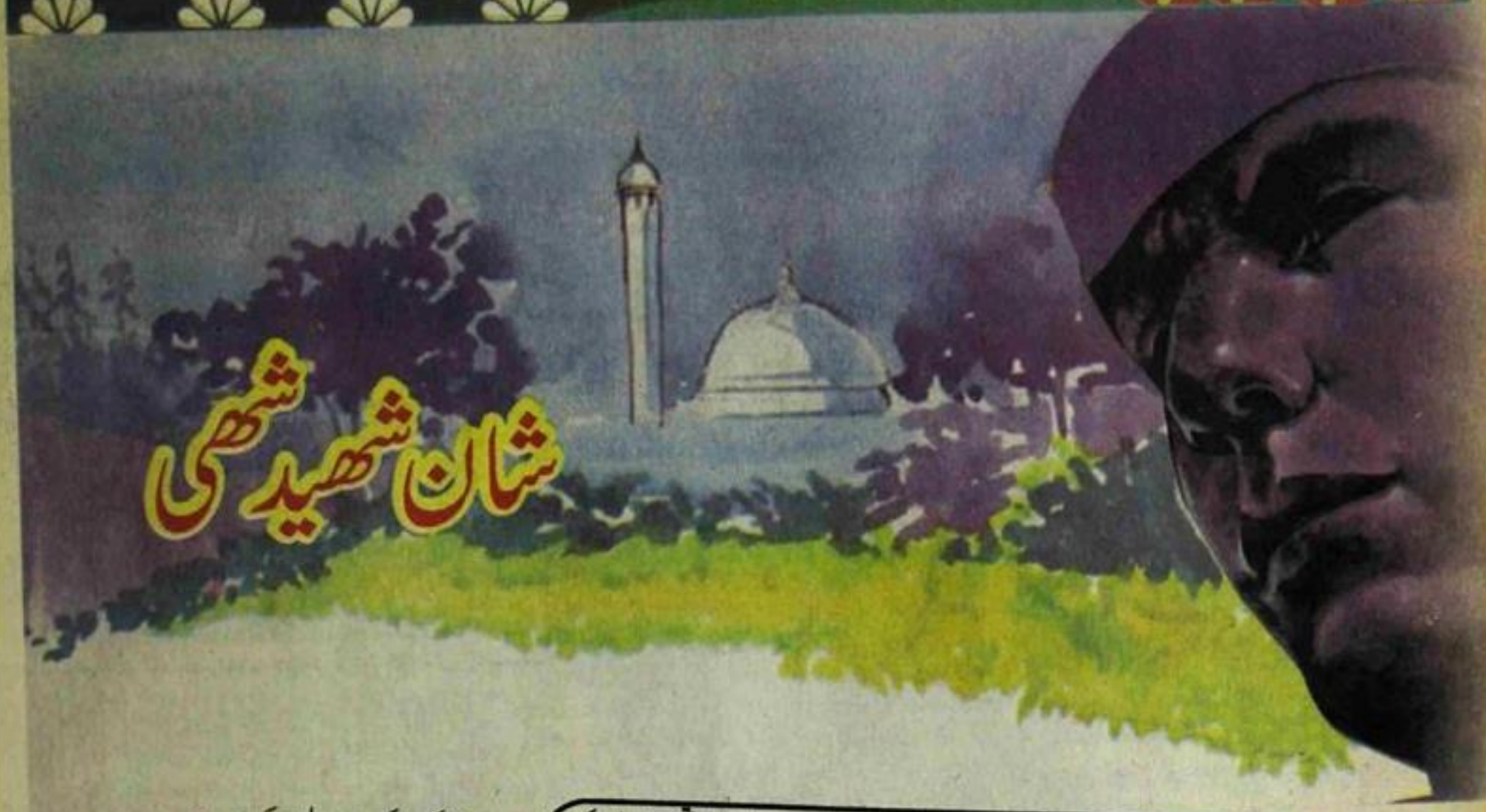

شان شہید شہی

ایک معصوم کشمیری کی کہانی۔حالات نے اس کی شکل اور منزل ہی بدل ڈالی تھی۔ پھول کی ایک مقبول سلسلہ وار کہانی کہ جس کا بڑی بےتابی سے انتظار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اظہر اے انور کی کہانی۔ ان سے ہمت پھوٹتی اور قسمت بدلتی ہے۔

ڈاکٹر اظہر اے انور

بلاشبہ ماں نے بشیر کو پانچ سال کے بعد دیکھا تھا اور ان پانچ سالوں نے گیارہ بارہ سالہ بشیر کو سترہ سال کے لمبے تڑنگے اور مضبوط جثے کے نوجوان بشیر میں ڈھال دیا تھا۔ جس کے گورے چہرے پر سرمگی سرمگی رواں ابتدائی مونچھوں اور داڑھی کی صورت چمک رہا تھا۔ مالی آسودگی اور اپنے کام سے محبت کا نور بشیر کی آنکھوں اور سارے چہرے پر مہک رہا تھا۔

ماں کی بےیقین آنکھوں نے اس بااعتبار لمحے کا شاید اعتبار نہیں کیا تھا۔ دھان پان سی ماں کو اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام کر بشیر نے زمین پر گرنے سے تو بچا لیا تھا پر اپنے آنسوؤں کو زمین پر ٹپکنے سے نہیں بچا سکا تھا۔ بےآوازی کی مہار تھامے نمکین موتی قطار در قطار چلے آرہے تھے۔ بشیر نے بھی ان موتیوں کے ہار کو ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ بشیر کی مضبوط گرفت اور مسلسل گرتے آنسوؤں نے اسکے سارے نامہ اعمال کو دھو کے رکھ دیا تھا اور ماؤں کو تو بس ایسے ہی اک لمحے کی تلاش ہوتی ہے جس کی آڑ لیکر وہ اپنے بیٹوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر پردہ ڈال کر انہیں معاف کرسکیں اور ان کے ضمیر پر ذرا بھی بوجھ نہ رہنے دیں۔ اللہ نے اس ماں کو بھی اک ایسا ہی موقع اور لمحہ دے دیا تھا۔ آنے والے چند لمحوں میں بشیر ماں کے بظاہر کمزور اور ناتواں وجود لیکن درحقیقت محبت اور شفقت کے لامحدود سہارے میں چھپ گیا تھا۔ ہوش اور حواس میں آتے ہی ماں کے ہاتھ بشیر کے سر اور چہرے پر جم سے گئے تھے وہ کچھ بھی حرکت سے شاید محروم ہوگئے تھے۔ ماں بیٹے کی آنکھوں نے گذشتہ پانچ برس کے سب گلے شکوے آنسوؤں کی صورت اگل دیئے تھے۔ ماں نے بعد میں گلوگیر آواز میں بتایا تھا کہ بیٹے میں کئی راتوں سے تجھے اپنے پاس آتے اور ملتے دیکھ چکی ہوں۔ مجھے تو یہ بھی پتہ ہے کہ تو کس اجازت کیلئے میرے پاس آیا ہے لیکن تجھے پتہ نہیں ہے کہ میری دعاؤں نے کہاں کہاں تجھے آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھا ہے۔ چل تو پہلے اپنے ابا سے تو مل لے۔ ماں نے بشیر کا کانپتا ہاتھ پکڑا اور اسے گھر کے واحد کمرے میں لے گئی۔ نیم اندھیرے میں بشیر کی سرخ آنکھوں نے ایک ہڈیوں کے استخوانی ڈھانچے کو ایک جھلنگا سی چارپائی پر دراز دیکھا۔ ذرا سی کوشش سے ہی وہ اپنے مفلوج اور معذور بابا کو پہچان پایا تھا۔ بابا کی کمزور آنکھوں میں اجنبیت اور انجانے پن کی سرد مہری ہلکورے لے رہی تھی۔ ماں نے لالٹین جلا کر شعلہ اونچا کیا اور بشیر کو چارپائی سے نزدیک کردیا اور بولیں' دیکھو تو ذرا کون آیا ہے۔ اسی ساعت بابا کی آنکھوں میں پہچان کی چمک ابھری اور دو موٹے موٹے آنسو مندی مندی آنکھوں سے ڈھلک آئے۔ بابا نے ان آنسوؤں کو چھپانے اور چہرہ دوسری جانب موڑنے کی ایک لاشعوری کوشش کی لیکن بابا کی بےبسی اور آنسوؤں نے بشیر کی دنیا اتھل پتھل کردی تھی۔ وہ بےاختیار اپنے بابا سے لپٹ گیا۔ بابا کی قوت گویائی بھی ختم ہوچکی تھی۔ ہاں وہ اپنے جسم کے ایک حصے کو حرکت دینے پر ضرور قادر تھے۔ وہ مخص جو کبھی ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا اب ناک پہ بیٹھی مکھی اڑانے پر بھی قادر نہ تھا۔

بابا نے ایک ہاتھ سے بشیر کو اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا اور اسے ہولے ہولے تھپکیاں دیئے جارہے تھے۔ وقت نے غیض وغضب سے مغلوب دونوں باپ بیٹے کی ایک پل میں صلح کرادی تھی۔ بشیر نے حیراں حیراں آنکھوں سے اپنے گھر کے مفلوک الحال منظر پر نگاہ ڈالی تو وہ کٹ کے رہ گیا۔ پانچ سال قبل بھی ہرچند ان کے مالی حالات بہت بہتر نہ تھے لیکن اب تو مفلسی در و دیوار پہ ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھی۔ گھر کا واحد ذریعہ روزگار دو برس سے مفلوج ہوکر بستر کی زینت بن کے رہ گیا تھا۔ چھوٹا بھائی بہت چھوٹا تھا۔ ایسے میں کمزور ماں کو ہی اپنا کردار ادا کرنا تھا جو جیسے تیسے اس نے نبھایا لیکن نتیجتاً اس کی اپنی زندگی پچھتاوؤں اور حسرتوں کی بھول بھلیوں میں کھوگئی۔ بشیر آیا تو کسی اور نیت سے تھا لیکن اپنے والدین کی حالت دیکھ کر اس نے آئندہ کا لائحہ عمل فوراً طے کیا اور رات گہری ہونے سے قبل ہی وہ اپنے ہمسایوں

اور مہربان استاد کی مدد سے باپ کی چارپائی کو اونچے نیچے راستوں سے گزارتے اس گاڑی تک لے آئے جو ان کی واپسی کی منتظر تھی۔ یہ ایک پک اپ نما گاڑی تھی۔ بابا کی چارپائی پچھلے ڈھکے حصے میں بچھاتے بچھاتے ماں جی بھی اپنا سارا زادِ راہ سمیٹ سمٹا کے ننھے نذیر کی انگلی تھامے گاڑی تک پہنچ چکی تھیں۔

آئندہ کے چند دن بشیر کی زندگی کے مصروف ترین دن تھے۔ مہرباں استاد نذر کی مکمل اعانت اسکے شاملِ حال تھی۔ وسیع گھر کا ایک مکمل پورشن بشیر کے اہل خانہ کے تصرف میں دے دیا گیا۔ استاد کے سارے بیٹے اور اہلیہ دل کی گہرائیوں سے ماں اور بابا کی خدمت اور تیمارداری میں جت گئے۔ ماں جی پتہ نہیں۔ کس طرح افلاس اور تفکرات کے کھوکھلے اپنے وجود کو گھسیٹے پھر رہی تھیں۔ توجہ اور محبت کی نمی ملتے ہی وہ بھی ڈھے سی گئیں۔ مال و دولت ماں باپ پر وارنے کی سکیل تو اب بشیر کے ہاتھ آئی تھی۔ اس نے ماں باپ کیلئے بلاشبہ اپنے دن و رات کا چین گنوا دیا۔ بشیر تو شاید شروع سے ہی ایسا تھا۔ بابا کی سختی اور تشدد کی دھول نے کسی کو بھی اس کا اصلی نکھرا نکھرا چہرہ دیکھنے ہی نہیں دیا تھا۔ سب کو اس کا روٹھا روٹھا میلا میلا سا چہرہ ہی یاد تھا۔

بیٹے اور بہترین علاج نے کمال کر دکھایا۔ دنوں میں ماں جی کا پیلا چہرہ گلاب سا ہو گیا اور بابا کے لکڑی جیسے جسم میں بھی زندگی کی رمق مسکرانے لگی۔ ''نذرب'' پستولوں کی تیاری پر استاد کے بیٹے مامور تھے اور سارا کام بہت نفاست اور خوبصورتی سے جاری تھا۔ والدین کی خدمت نے بشیر کی تشنہ روح میں جذبے کا وہ سارا رس بھر دیا جس سے وہ ہمیشہ سے محروم تھی۔ ننھا نذیر اپنے بڑے بھائی بشیر اور استاد نذر کے بیٹوں سے خوب گھل مل گیا تھا۔ ان سب کے ہاتھ بھی جیسے کوئی کھلونا آ گیا تھا۔ والدین کے چہرے پر شادابی اور آسودگی دیکھتے ہی بشیر نے ماں کی خدمت میں دست بستہ گزارش کی کہ اسے جہاد ہند میں (جسے غزوہ ہند کا متبرک نام دیا جاتا ہے) شامل ہونے اور اپنا کردار ادا کرنے کی اجازت دے دیں۔

ماں کو تو اللہ پہلے ہی اپنے غازی بیٹے کی فتوحات کی بشارت دے چکا تھا۔ وہ بھلا کیسے اس راستہ کی رکاوٹ بنتیں جو ان کے اللہ اور اللہ کے محبوب رسول ﷺ کو بہت مرغوب تھا۔ بشیر کی شہرت تو پہلے ہی مجاہدین میں ''نذرب پستول'' کی صورت موجود تھی۔ اس کے نشانے کی شہرت بھی دنوں میں مجاہدین کے اس گروپ میں پھیل گئی۔ جنہوں نے ہاتھوں ہاتھ بشیر کو لیا تھا۔ نشانے کے معاملے میں بھی اللہ بشیر پر بہت مہرباں تھا۔ اس کا ہر نشانہ سو فیصد تھا اور یہ چھوٹا سا راز بشیر کے چوڑے چکلے سینے میں محفوظ تھا کہ وہ ہر نشانے پر بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھتا تھا اور رحمان و رحیم اس کا ہاتھ تھام لیتا تھا اور ہر نشانے پر اپنے نام لیوا کو اوجِ کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ بشیر کا نشانہ اس قدر سچا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے بھی آواز کی سمت فائر کرتا تو اس کا ہدف اڑ جاتا۔ 'نذرب' سے قبل مجاہدین کے پاس پکی رائفلیں تھیں۔ جن کی آواز بہت زیادہ تھی۔ جھٹکا شانے کو توڑ کے رکھ دیتا تھا۔ دوبارہ لوڈ کرنے میں وقت بہت برباد ہوتا تھا۔ سفر میں اور نشانہ باندھنے دونوں میں مشکل ہوتی تھی۔ 'نذرب' نے ان کے سارے مسائل کو حل کر دیا تھا۔

مقامی ہندو پولیس کے سربراہ نے اپنے خاص نیٹ ورک کو پوری طرح متحرک کر رکھا تھا اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ اس نیٹ ورک کے بیشتر روح رواں کمزور ایمانوں والے مسلمان ہی تھے جو وقتی منفعت کی خاطر تحریک آزادی کے لہو سے اپنے پیسے کھرے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ بیگانوں سے زیادہ خود اپنے ہی غدار ثابت ہوئے ہیں حق کی بجائے کسی نہ کسی فائدے کی خاطر انہوں نے ہمیشہ طاغوت کا ہی ساتھ دیا اور اپنے مقصد حکومت یا تحریک کی جڑیں ہی کاٹیں۔ یہاں کشمیر گوشہ جنت نظیر میں بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ تحریک آزادی کے قدم ابھی مضبوط ہونے کے مراحل میں تھے کہ چالاک اور مکار ہندوؤں نے دشمن دولت کے لالچ میں کچھ ان اہم مسلمانوں کو خرید لیا جو تحریک کے کئی رازوں کے امین تھے۔ کیسے اور کیوں خریدا یہ ایک الگ کہانی ہے۔

ابھی ہندو فوج نے مقبوضہ کشمیر میں آپریشن شروع نہیں کیا تھا بلکہ ہندو پولیس کی بہت بڑی تعداد اس مقصد کیلئے سرینگر میں براجمان تھی۔ ایک مخبر کی وجہ سے دو تین اہم مشن ناکام ہو گئے تھے اور اس میں شریک دو دو مجاہدین ہر بار ہی شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے۔ وجہ اندر کے ایک ساتھی کی غداری تھی جو حقیقت میں مرکزی قیادت کے قریب تھا۔ بڑی مہارت سے اس مخبر کی بیخ کنی کر دی گئی لیکن اس سے پیشتر اس کے سارے مطلوبہ ذرائع اگلوا لئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک اہم ذریعہ اتفاقاً بشیر کے محلے کا ہی تھا۔ ایک شریف اور بے ضرر طور پہ جانے والے یہ صاحب پر اہم اطلاع مقامی انتظامیہ کو پہنچاتے تھے۔ اسے سبق دینے کا کام بشیر کو سونپ دیا گیا۔ بشیر نے بڑی ہوشیاری سے عبدالحق نامی اس خطرناک بندے پر نظر رکھنی شروع کی اور اسکے سارے معمولات کا پتہ چلا لیا۔ انتہائی چالاک اور زیرک عبدالحق بہت محتاط زندگی گزار رہا تھا۔ گھر سے باقاعدہ وہ صرف مسجد جانے کیلئے نکلتا تھا جو اس کے پڑوس میں ہی تھی۔ وہ سارا آباد اور بھرا پرا علاقہ تھا وہاں کوئی بھی قدم اٹھانا خود اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ ایک لمبا تڑنگا نوجوان ہر وقت ایک کزن کے روپ میں عبدالحق کے ساتھ رہتا۔ بشیر کی نگاہیں تو شروع میں ہی اس محافظ کی اصلیت جان گئی تھیں۔ عبدالحق کی محلے میں رپورٹ بہت شاندار تھی۔ کسی کو بھی اس پر انگلی اٹھانے کا موقع نہیں مل سکا تھا اور وہ اسی اعتماد کی سموک سکرین کے پیچھے اپنے مذموم مقاصد میں مصروف تھا۔ آخر بشیر نے ایک رسک لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ پہلے ایک جوگی سے ملا اور اس سے انتہائی خطرناک سانپ کا تھوڑا سا زہر لیا جو کچھ لمحوں میں ہی انسانی جان کو مفلوج اور بے جان کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

چند دنوں کے بعد مغرب کی نماز کے وقت بشیر نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ دوسری صف کے ایک کونے پر کھڑے عبدالحق کے ساتھ جگہ بنائی اور آخری رکعت کے آخری سجدے جاتے ہی کمال کی چابکدستی سے باریک اور نفیس اور مختصر سوئی والی سرنج کی مدد سے زہر عبدالحق کی پشت میں منتقل کر دیا۔ مچھر کے کاٹنے جتنی تکلیف کیلئے عبدالحق کا ایک ہاتھ کھجانے کیلئے اس سمت بڑھا مگر اسے متاثرہ جگہ پہنچنا نصیب نہ ہوا اور وہیں سجدہ میں پڑا پڑا مفلوج اور بے جان ہو گیا۔ سلام پھیرتے ہی پچھلی صف کے نمازی بھاگ کر سجدے میں پڑے عبدالحق کی طرف بڑھے مگر ہاتھ لگاتے ہی وہ ایک طرف کو لڑھک گیا۔ اس کی موت کا پتہ چلتے ہی نمازیوں میں الحمدللہ ماشاءاللہ کی گردش ہونے لگی کہ حالت نماز اور پھر حالت سجدہ میں موت اور شہادت کیا بات ہے۔ اللہ کو اس شخص کی پتہ نہیں کونسی ادا پسند آئی کہ اسے عین حالت سجدہ میں اپنے پاس بلا لیا۔ بشیر کا ذہن بہت تیزی سے سوچے جا رہا تھا۔ وہ مسجد کی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تیزی سے باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر ایک باریک سی جھلی چڑھی ہوئی تھی۔ جس سے اس کے چہرے کی ساخت بالکل بدل کے رہ گئی تھی۔ وہ پھرتی سے عبدالحق کے گھر پہنچا اور انہیں بتایا کہ عبدالحق کی طبیعت مسجد میں اچانک خراب ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے کمرے سے کچھ خاص دوا منگوائی ہے۔ اگلے لمحے اس کی عقاب نما آنکھیں عبدالحق کے کمرے کا معائنہ کر رہی تھیں۔ اسکے کمرے کی واحد الماری بند تھی اور اس کی چابی اس کے ساتھ ہی جھول رہی تھی۔ الماری میں رابطوں کی ایک ننھی سی انڈیکس کو بشیر نے فوراً ہی چھپا لیا ایک گوشے میں لاسلکی آلات کو دیکھ کر بشیر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ انہیں اٹھاتا دیکھ کر کمرے میں موجود بدحواس خاتون خانہ اور ایک لڑکا چونکے لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ بشیر گولی کی طرح وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ جدید ترین وائرلیس سیٹ اور رابطوں کے نمبروں نے عبدالحق کی ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔ باوجود پوری کوشش کے ذریعہ موت کا پتہ نہیں چلایا جا سکا تھا۔ اس موت پر پراسراریت کی کئی تہیں مخبروں کی راتوں کی نیند اڑانے کو کافی تھیں۔ بشیر کا پہلا مشن ضرورت سے بھی زیادہ کامیاب رہا تھا۔ لاسلکی آلات اٹھانے کا آئیڈیا اس کا اپنا تھا۔ رابطہ نمبروں نے کچھ عرصہ بعد کی جانے والی مجاہدین کی کارروائیوں کو بے حد مربوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور مخبری کے نیٹ ورک کو چلانے والے سارے مکار ہاتھ بشیر کی اس دلیرانہ کارروائی کے بعد ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیئے گئے تھے۔ بشیر کا دوسرا مشن مقامی پولیس کے سربراہ کی بیخ کنی تھا جس نے مجاہدین کے اہل خانہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا اور بداخلاقی اور توہین کے معاملے میں اس کا کردار شیطان سے مماثل تھا۔ یہ مشکل اسائنمنٹ ملتے ہی بشیر اپنے ہوم ورک میں لگ گیا۔ بشیر کو کٹھن اور خطرناک کاموں سے محبت ہوتی جا رہی تھی۔

تمام شہید اٹھ کر پریڈ کرنے لگے

فیصل آباد میں وطنی پنجاب پھول کلب کے دلچسپ پروگرام کی روداد

تعاون: (1) ڈبل کولا (2) حمید ایجوکیشن کمپلیکس فیصل آباد
اہتمام: اعجاز احمد اعجاز معاونین: رضوانہ غفار، محمد اویس سمعیہ عارف
کمپیرنگ: ریحانہ غفار، فوٹو گرافی: اقبال کریمی
رپورٹ: فرحان جاوید، محمد مبین اسلام

☆..... پروگرام کو کامیاب بنانے کیلئے شہر میں مختلف جگہوں پر بینرز لگائے گئے تھے۔ اس لئے تقریب شروع ہونے سے قبل ہی پورا ہال رنگ برنگ کپڑے پہنے بچوں سے بھر گیا تھا۔

☆..... سالگرہ کے حوالے سے منعقدہ پروگرام "سب رنگ ہمارے" کی صدارت اختر عباس نے کی جبکہ مہمانان خاص میں کرنل نجم حمید، خالد پرویز شیخ، محمد الیاس ملک اور مبشر اقبال شامل تھے۔

☆..... اسوہ پبلک سکول کے طالب علم حسان احمد نے اسماء ربی خوبصورت انداز و لہجے میں پیش کر کے تقریب کا آغاز کیا۔

☆..... دارارقم پبلک سکول کے بچے نے ملی نغمے "دیئے جلائے رکھنا" پر پرفارمنس دی تو ان کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے سب دیئے بجھے ہوئے تھے۔ پنکھوں کی ہوا کی وجہ سے انہوں نے دوبارہ دیئے نہیں جلائے۔

☆..... پنجاب پبلک سکول کے بچوں نے سورہ رحمٰن کی تلاوت ترجمے کے ساتھ اتنے خوبصورت انداز میں ٹیبلو پیش کیا کہ حاضرین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ٹیبلو کے دوران جن بچوں کو چاند اور سورج بنایا گیا تھا وہ مسلسل گردش کرتے رہے (بے چارے تھک گئے ہوں گے)

☆..... ڈینیز انٹرنیشنل سکول کے بچوں نے ملی نغمہ "اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں" پیش کیا۔

☆..... حمید ایجوکیشنل سکول کے بچوں نے "رزق حلال" کے موضوع پر انتہائی خوبصورت انداز میں خاکہ پیش کیا۔ بچوں کے گیٹ اپ اور مکالموں پر بڑی توجہ دی گئی تھی۔

☆..... پھول کلب فیصل آباد کے صدر فرحان جاوید نے مختصر مگر مؤثر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ بچے کتابوں سے ہی نہیں اس طرح کے پروگرام سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

☆..... کوہ نور گرامر سکول کے بچے "اے راہ حق کے شہیدو" پر ٹیبلو پرفارم کرنے آئے تو غلط نغمہ پلے ہو گیا۔ تمام شہید پھر سے اٹھ کر پریڈ کرنے لگے۔ ٹیبلو کے دوران مرنے والے ایک سکھ کی چھاتی پر پڑی بندوق سانس لینے سے ہل رہی تھی۔ قریب بیٹھے حاضرین نے منظر دیکھ خوب انجوائے کیا۔

سورہ رحمان پر ٹیبلو اتنا خوبصورت تھا کہ سبھی حیران رہ گئے

کشمیر کے لئے اک ترانہ

اے مری حسیں وادی، پربتوں کی شہزادی
ظلمتوں کی زد میں ہے آج تیری آبادی
تیری اس زمیں کو ہم سرزمیں بنادیں گے
قرض ہے جو دھرتی کا وہ بھی ہم چکادیں گے
دل میں ٹھان رکھی ہے چھین لیں گے آزادی
اے مری حسیں وادی!

ایک مدعا اپنا ایک ہی ارادہ ہے
آنے والی نسلوں سے یہ ہمارا وعدہ ہے
ہو چکی جو ہونی تھی اب نہ ہوگی بربادی
اے مری حسیں وادی!
سن لیں میری بستی میں موت بانٹنے والے
باغ زندگانی کی شاخ کاٹنے والے
ان کے حق میں بہتر ہے چھوڑ دیں یہ آبادی
اے مری حسیں وادی!

کرامت بخاری

قربانی کی باہنوں میں ملتی ہے آزادی

ہمیں خوشی ہے ہم سے بھی ایک قومی مسئلے پر پوچھا گیا

ٹرسٹ سکول کے ذہین ترین طلبہ کشمیر پر اظہار خیال کرتے ہیں

انیلا مظفر الٰہی

یاران جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

میں نے جب یہ شعر جب ایک چھوٹے سے بچے کے منہ سے سنا تو یہ گمان گزرا کہ کہیں ہم کافر تو نہیں ہیں جو ابھی تک کشمیر کو حاصل نہیں کر سکیں ہیں۔ چلیئے آپ کی رائے لیتے ہیں، آخر آپ کی نظر میں کافر کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ بھئی میرے نزدیک تو وہ شخص کافر ہے جو سچائی سے انکار کرتا ہے اور اگر ہم کشمیر میں بہنے والے بے گناہ اور معصوم خون کو دیکھ کر آنکھیں پھیر لیتے ہیں تو کیا ہم کافر نہیں ہیں۔ اگر ہم عزتوں کے اچھالے جانے پر خون کے آنسو نہیں روتے ہیں تو کیا ہم کافر نہیں ہیں؟ اگر بزرگوں کے مسخ شدہ لاشے ہمیں ہولاتے نہیں ہیں تو کیا ہم کافر نہیں ہیں؟ پھر جنت کسی کافر کو مل بھی کیسے سکتی ہے؟

بچپن سے اک حدیث سنتے آئے ہیں کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جس کے کسی ایک حصے پہ چوٹ لگتی ہے تو درد سارے جسم کو ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کشمیر میں 70,000 جانیں چلی جائیں اور ہماری آنکھ سے آنسو بھی نہ نکلے۔ کیا ہم واقعی مسلمان ہیں؟ کیا ہم واقعی ایک جسم ہیں؟ اگر کوئی درندہ ہمارے جسم کے بخیئے ادھیڑنا شروع کر دے تو کیا ہم اس پر مزاحمت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ ہم اس وقت تک اپنے دفاع کے لئے لڑتے رہتے ہیں جب تک جسم میں آخری سانس موجود ہو۔ کشمیر میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ وہاں ہر بچہ پیدا ہوتے ہی یہ عہد لیتا ہے کہ اسے ایک دن آزادی ضرور حاصل کرنی ہے۔ اسی مقصد کیلئے وہ جانوں کے نذرانے دیئے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی ہمتیں آج بھی اتنی ہی جوان ہیں جتنی 1985ء میں تھیں جب تحریک آزادی نے ایک باضابطہ شکل اختیار کی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب کسی سمجھ دار نسل (یہاں میری مراد اس نسل سے ہے جس کے سمجھدار ہونے کا انحصار عمر پر ہوتا ہے) کے نمائندے نے نہیں بلکہ سکول کے طالب علموں نے دیا۔ انہوں نے ہمیں امید کا دامن پکڑایا۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

11 اکتوبر کو حمید نظامی ہال میں کشمیر کے موضوع پر ''پھول'' نے ایک مذاکرہ منعقد کروایا جس کے دو راؤنڈ تھے پہلا ٹرسٹ سکول کے طالب علموں اور دوسرا ماڈرن سینڈرڈ سکول کی طالبات پر مبنی تھا۔ ان منتخب بچوں کے ساتھ ان کے استاد محمد منشاء بھی آئے تھے۔ بچے ہر کلاس سے جو بہترین بچے منتخب کئے گئے تھے۔ ان سے مل کر یہی لگا کہ

ہم بچوں کا ہی فرض ہے کہ اپنے بڑوں کو غیرت دلائیں

انتخاب واقعی اچھا ہے۔

حافظ حارث محمود (جماعت ہشتم)

ابھی ہم چھوٹے ہیں، اپنے زور بازو سے کشمیر کی جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے لیکن تحریروں کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں نوائے وقت گروپ خاص طور پر اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے ہم اس مسئلے کو بین الاقوامی طور پر منوا سکتے ہیں۔

علی ارسلان (جماعت نہم)

آزادی کا ایک لمحہ غلامی کے سو سال سے بھاری ہوتا ہے۔ اس بات کی اہمیت کشمیری سمجھ چکے ہیں اس لئے آزادی ان کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی ہے۔ وہاں ہر بچہ اس عزم کے ساتھ پروان چڑھتا ہے کہ ایک دن آزادی ان کا مقدر ہو گی۔

ریحان نواز (جماعت دہم)

قلم نے پہلے بھی پاکستان کی آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ علامہ اقبال اور الطاف حسین حالی کی شاعری نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگایا۔ آج بھی قلم کشمیر کی آزادی میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ جیسے انڈیا کشمیر پر فلمیں بنا کر پاکستان کو بدنام کر رہا ہے۔ پاکستان ان کا جواب نہیں دے پا رہا۔

عدنان رمضان (جماعت ہشتم)

آزادی کا مطلب ہے کہ ایک ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے مذہب، تہذیب و ثقافت اور ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ مسلمان کشمیر میں آزادانہ طور پر زندگی نہیں گزار سکتے۔ عزت، جان و مال کسی چیز کا تحفظ نہیں ہے۔

محمد عاطف (جماعت دہم)

بھارت نا صرف مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے بلکہ اپنی فوج پر بھی کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے بھارتی فوجیوں میں خودکشی کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ وہ غربت سے تنگ آ کر فوج میں نوکری کر لیتے ہیں۔ اور مجاہدین سے لڑائی کا خوف ہر وقت انہیں دہشت زدہ رکھتا ہے۔

محمد عرفان (جماعت دہم)

قائد نے فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ بنارس میں ہندی اور اردو کے جھگڑے کے بعد ان پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ ان دونوں قوموں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اقوام متحدہ بھی اس ضمن میں کچھ نہیں کر رہی۔

جمال مصطفی (جماعت نہم)

اگر ہم ایک ایک روپیہ بھی جمع کریں تو 13 کروڑ روپیہ بن جاتا ہے اس سے ہم مجاہدین کے خاندانوں کو سنبھال سکتے ہیں تا کہ ان کے عزم و استقلال میں اضافہ ہو۔

حافظ شہزاد (جماعت دہم)

امریکہ کشمیر کے معاملے میں اس لئے مدد نہیں کر رہا کیونکہ وہ مسلمانوں کے اتحاد سے خوفزدہ ہے امریکہ نہیں چاہتا کہ اسلامی بلاک مضبوط بن جائے۔

جمال انور (جماعت نہم)

ہم ابھی چھوٹے ہیں جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے۔ لیکن ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بڑوں کو غیرت دلائیں

عاطف نے کہا بھارت مسلمانوں پر ہی نہیں اپنی فوج پر بھی ظلم کر رہا ہے

کہ وہ جہاد میں حصہ لیں۔

ارسلان اصغر (جماعت ہفتم)

کشمیر میں مسلمانوں کے گھر جلائے جا رہے ہیں۔ دکانیں جلائی جا رہی ہیں۔ کاروبار نہیں ہیں لیکن ان کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ بقول غالب

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہو گئیں

درندگی کی ایک یہ بھی مثال لیں کہ وہاں پورے سکول کو جلا دیا گیا جس میں دو سو بچے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ باہر لگنے والی آگ ان کے اندر کی آگ کو بڑھاتی رہتی ہے۔

فہد سلیم (جماعت ہفتم)

اگر ہم مہینے کی پاکٹ منی میں سے آدھی رقم جہاد میں دے دیں تو ہم بھی جہاد میں شامل ہو جائیں گے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ ہے کہ "جس نے مجاہدین کو سامان پہنچایا۔ اس نے جہاد میں حصہ لیا"۔

عائشہ (جماعت دہم)

کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا امتحان لے رہا ہے۔ اس نے انبیاء کرام سے بھی امتحان لیا تھا۔ اور میری دعا ہے کہ وہ کامیاب ہو جائیں۔

ارم (جماعت نہم)

کشمیری ہمیں اس لئے اچھے لگتے ہیں کیونکہ وہ ظلم کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ پچھلے پندرہ سال سے حالت جنگ میں ہیں۔ تا کہ انہیں مذہبی آزادی حاصل ہو جائے۔

نائلہ (جماعت نہم)

کشمیر میں روز ظلم و ستم ہوتے ہیں۔ کشمیری مذہب کی خاطر یہ ظلم سہہ رہے ہیں۔ اگر جذبہ اور ہمت ہو تو انسان سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہم ان کے لئے چندہ اکٹھا کریں گے۔ تا کہ وہ معاشی لحاظ سے مستحکم ہو کر بھارتی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔

عائزہ (جماعت نہم)

کشمیریوں پر جو ظلم ہو رہا ہے ہم اسے جان تو سکتے ہیں لیکن اس تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سننے اور سہنے میں فرق ہوتا ہے ہم ہر حال میں اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہیں۔

اقراء (جماعت نہم) میری نیت ہے کہ میں اپنی زندگی کو کشمیر کے لئے وقف کر دوں۔

عطیہ مشتاق (جماعت نہم) اللہ تعالیٰ برے آدمی کی رسی دراز کرتا ہے لیکن جب وہ کھینچنے پہ آتا ہے تو وہ رسی گلے کا پھندہ بن جاتی ہے۔ ہندوؤں کی رسی بھی ان کے گلے کا پھندا بننے والی ہے۔

کہکشاں (جماعت نہم)

دنیا کا ہر معاملہ مذاکرات سے طے ہو سکتا ہے۔ کشمیر کے معاملے کو حل کرنے کیلئے ساری دنیا کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

صائمہ (جماعت دہم)

ہم سب میں ایک ایسا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ کشمیر واقعی ہمارا آدھا حصہ ہے۔ جو وہاں رہ گیا ہے۔ پاکستان میں کروڑوں کا بزنس بھارتی فلموں اور گانوں کا ہوتا ہے۔ جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے بائیکاٹ کی اشد ضرورت ہے۔

مسز نذیر: جس طرح جماعت اسلامی ان کا ساتھ دے رہی ہے اس طرح بہت وسیع پیمانے پر جہاد کے پیغام کو پھیلا دینا چاہئے۔ اگر پر امن حل ممکن نہیں ہے تو جہاد کرنا ضروری ہوگا۔

اس دوران بھیا نے ایک بہت خوبصورت بات کہی کہ آزادی اس وقت دور نہیں رہتی جب مخالف کے دل میں خوف پیدا ہو جائے۔ پچھلے دنوں بھارت کے گورنر نے بیان دیا تھا کہ مجھے مجاہدین کی قبروں میں سے بھی نعروں کی آواز آتی ہے۔

آزادی صرف نعروں سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ تدبیروں سے حاصل ہوتی ہے۔ اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ درد دل سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی درد دل کی بنا پر "پھول" نے پچھلے سال ساٹھ ہزار روپیہ نقد، چالیس بوریاں کپڑوں کی کشمیر بھجوائیں تھیں۔ اس سال بھی "پھول" کے دو نمائندے ڈیڑھ ہزار زنانہ ان سلے سوٹ اور سترہ ہزار روپے کی ادویات لے کر گئے ہیں۔ اس طرح کی غیبی امداد سے ہی کشمیریوں کا یقین پختہ ہو رہا ہے کہ اللہ اس خطے کو بقا و دوام دینا چاہتے ہیں۔ ان کے خاندانوں کو استحکام کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اب بھی خود کو ایک جسم سمجھتے ہیں تو کسی کو یہ احساس دلانے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ہم خود ہی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیجئے! آپ تو اٹھ بھی گئے ہیں۔

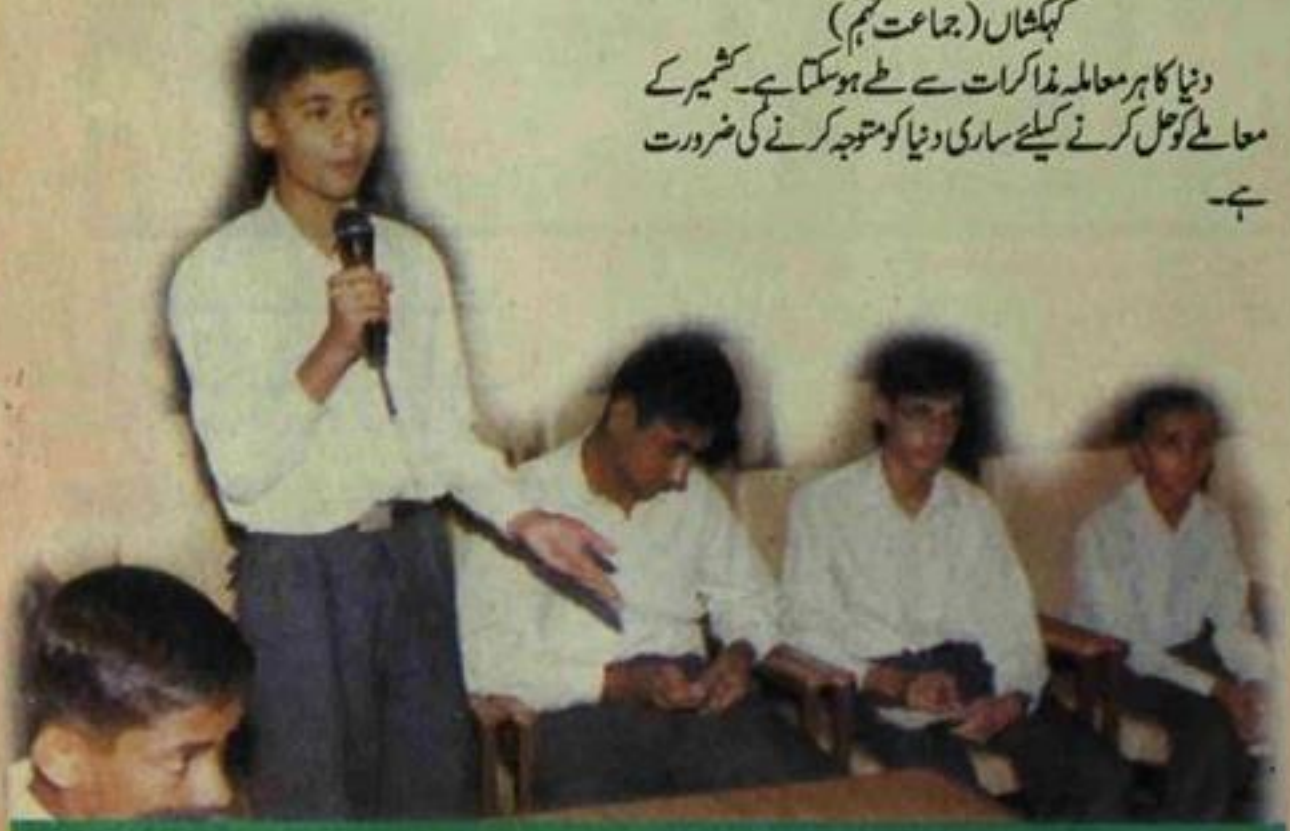

فہد کا خیال ہے کہ آدھی پاکٹ منی دے کر ہم خود بھی جہاد میں شامل ہو سکتے ہیں

Drive change naturally

A new way to discover yourself

مختلف شہروں میں مصروف کار اپنے ٹیم لیڈرز کی تربیت کیلئے

پھول کا ایک نیا انقلابی کام

PHOOL HUMAN RESOURCE DEVELOPMENT

یہی ایک فیصلہ..... زندگی بنا اور بگاڑ سکتا ہے

افتتاحی پروگرام میں ممتاز سکالر فائزسیال کا پہلا لیکچر

رپورٹ: آمنہ اعظم

ہم سب تمناؤں اور خواہشوں والے انسان ہمیشہ خواہش اور آرزو ئیں کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ ہر خواہش کو پورا کرنے اور پورا کروانے پر ہی اصرار کرتے ہیں اور اگر پوری نہ ہوں تو اللہ جی سے گلے شکوے کرتے ہیں لوگوں سے جھگڑتے ہیں اور اپنی قسمت کو کوستے رہتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ اس خواہش یا آرزو کی تکمیل میں ہماری کتنی کوشش تھی کیا وہ ہمارے لئے اور ہمارے حق میں بہتر تھی اور کیا ہم صحیح سمت میں جا رہے تھے۔

No doubt, struggle or effort is the essence of life, but this is not the single evidence of success.

اپنے بارے میں اپنی زندگی کے بارے میں اپنے مقصد کے بارے میں کلیئر ہونا ضروری ہے اور اس سلسلے میں سب سے اہم زندگی کا اصل مقصد اور اس کی معنویت یعنی کہ **Methodology of life** کو جاننا ہے۔ ساتھیو! یہی اس دفعہ پھول کے ایک نئے سلسلے **Phool Human Resource Development** کے ایک روزہ ماہانہ ٹریننگ پروگرام کا موضوع تھا معلوم نہیں اس نئے سلسلے کو شروع کرنے کا خیال کب اور کس وقت اچانک آیا مگر اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک چھوٹے سے خیال نے مجھے اور بھیا جی کو **Motivate** کیا اور وہ یہ کہ ہمارے پھول لیڈرز اور پھول ریڈز بہت اچھے ہیں کچھ ایسا ہو جائے کہ ان کی خوبیوں میں کبھی کمی نہ آئے یہ جہاں کہیں بھی جائیں جس مرضی پروفیشن اور سیٹ اپ کا حصہ بنیں مگر ان کی شخصی اور بنیادی انسانی خوبیاں ان میں ہمیشہ رہیں ان کا وقار اور مان بڑھائیں اور اس جہاں میں بھی اور اللہ جی کے ہاں بھی سرخرو کریں۔ پس اس خیال کو لے کر ہم نے اس سلسلے کا آغاز کیا۔ **HRD** کا تصور اب تک صرف ملٹی نیشنل اور بڑی کمپنیوں میں اپنے آفیسرز اور عملے کی ٹریننگ کیلئے بھی مستعمل ہے اس کام کیلئے مختلف پروفیشنل ٹرینرز اور سپیکرز کی خدمات بھاری بھرکم رقم حاصل کی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ ان کے خیالات اور قوت عمل کو **Refersh** کر سکیں۔ ساتھیو! ہمارا ایسا تو آپ سب لوگ ہیں آپ کی خوبیاں ہیں لہذا ہم نے آپ کیلئے ہی اس نئے سلسلے کا آغاز کیا ہے اور آپ کی ہی ٹریننگ اور بہتری کیلئے پروفیشنل ٹرینرز اور سپیکرز سے رابطہ کیا ہے ہر ماہ **PHRD** کے پروگرام میں کسی نئی موضوع پر لیکچر ہوگا اور ہر بار کسی نئے شہر کے ٹیم لیڈر کو بلایا جائے گا۔ فائز سیال مرکزی لیکچر دیا کریں گے۔ اس دفعہ **PHDR** میں پھول کلب ملتان مدعو تھا۔ ملتان سے 21 لوگ

کچھ ایسا ہو جائے کہ ان کی خوبیوں میں کبھی کمی نہ آئے

ایسے پروگرام صرف بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں کروایا کرتی تھیں

پھول کلب ملتان کے سابق اور پھول کلب پنجاب کے موجودہ صدر مظہر نواز صدیقی کو سربراہی میں آئے۔ ملتان کے موجودہ صدر نعیم اقبال اور کہانی گھر ملتان کے صدر آصف بلوچ کی پوری ٹیم ہمراہ تھی ـــــ پروگرام کا آغاز برائٹ آف پرفارمنس کے حامل قاری عبدالماجد کی قرأت سے ہوا۔ پروگرام کی نوعیت اور موضوع کے تعارف کے بعد Ace Development Dimensions کے چیف ایگزیکٹو فائز سیال کو دعوت خطاب دی گئی وہ نہ صرف ایک پروفیشنل سپیکر اور ٹرینر ہیں بلکہ 2 کتابوں کے رائٹر بھی ہیں ان کی زندگی کا مشن بھی یہی ہے

to make the difference in the lives of the people.

پروگرام کے موضوع Methodology پر گفتگو کرتے ہوئے فائز سیال نے کہا کہ ہمارے ذہن میں زندگی کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں ـــــ

ہم اپنی ہر غلطی، کوتاہی اور نااہلی کو قسمت کا نام دے کر خود کو تسلی دے دیتے ہیں اکثر لوگ کہتے ہیں میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا مجھے تعلیم حاصل کرنے اور سکون کی زندگی گزارنے کا موقع نہیں ملا۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ اگر انسان کی قسمت لکھ دی گئی ہے اور انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تو پھر انسان اور جانور میں کیا فرق رہا پھر ہم سکولوں میں اور کالجوں میں کیا کرنے جاتے ہیں پھر ہماری کوشش اور جستجو کا کیا فائدہ پھر ہم کیوں نہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے اور یہ سوچ لیتے کہ جو کچھ ہماری قسمت کا ہے وہ تو ہمیں ملنا ہے چاہیں ہم محنت کریں یا نہ کریں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے "قسمت وہ نہیں جو لکھ دی گئی ہے بلکہ وہ ہے جو ہم اپنی کوشش اور محنت سے بناتے ہیں" انسان کے ہر عمل پر اس کا ریپاس ہی اس کی زندگی کو طے کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"میں تب تک تمہاری قسمت نہیں بدلوں گا
جب تک وہ سب کچھ نہیں بدلے گا
جو کچھ تمہارے دلوں اور ذہنوں میں ہے"

قسمت کا حال تو یہی ہے کہ آپکو پتا چلے کہ آپکے راستے کا فاصلہ کتنا ہے اور آپکی سپیڈ کتنی ہے اور پھر آپ اپنے لئے جو راستہ بھی منتخب کرتے ہیں وہی آپکی قسمت ہے۔

ہمارا انسان کو قطعاً صرف عبادت کیلئے نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اس کی زندگی کا مقصد صرف عبادت ہے۔ عبادت تو زندگی کی Maintenance کیلئے ہے بلکہ انسانی زندگی کی مشین کو چلانے کیلئے عبادت کروائی جاتی ہے۔ انسان کی زندگی کا اصل مقصد علم کی تلاش ہے اور اس علم کو استعمال کر کے لوگوں کی بھلائی کرنا دوسروں کی بہتری کرنا اور آسانی دینے کے طریقے اور انداز سوچنا ہے۔

First look at the true blessings of teachings of islam. then follow of and convey it to the others.

انسان کو زندگی میں ہمیشہ دو بڑے خوف لاحق ہوتے ہیں۔

1۔ موت
2۔ روزی

موت کا خوف کیسا نہ تو زندگی دینے پر ہمارا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی چھین لینے کا تو پھر خوف کس چیز کا ـــــ زندگی گزارنے کیلئے ہے زندگی گزارنے کی پلاننگ کرنے کیلئے نہیں ہے۔ دوسرا خوف روزی کا ہوتا ہے (یہ آنٹی روزی نہیں بلکہ رزق ہے) آپ وہ کریں جو آپکو کہا گیا ہے رزق کی تلاش کریں ـــــ شام کو ملا یا نہیں۔ وہ آپکے اختیار میں نہیں ہے۔

حکم باری تعالیٰ ہے

جو تمہارے حصے کا نہیں ہے وہ تمہیں نہیں ملے گا اور جو تمہارے لئے ہے وہ کوئی چھین نہیں سکتا۔

زندگی میں ہمارے حصے کی ساری چیزیں given اور Decided ہیں اور ہم اپنی Decided چیزوں کو اپنی محنت اور کوشش سے ہی حاصل کر سکتے ہیں اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ اگر ہماری زندگی ایک پلیٹ کی طرح ہے اور ہمیں اس میں چار بسکٹ ہی ملتے ہیں تو ہم اسی کے حصول کیلئے کوشش کر سکتے مگر اگر ہم اس سے زیادہ کی خواہش یا کوشش کریں تو زیادہ تو ہمیں مل جاتا ہے مگر چونکہ یہ پانچواں بسکٹ ہوتا ہے۔ تو پھر اس کے عوض ہماری کوئی ایک خوشی یا اطمینان چلا جاتا ہے۔ یوں پھر چار بسکٹ رہ جاتے ہیں۔ ہر عمل کی ایک قیمت ہے۔ جو ہمیں چکانی ہوتی ہے۔

آپکا تو صرف ایک ہی خدا ہے آپ تو اسے بھول سکتے ہیں مگر خدا کی تو اتنی بڑی اور بے انتہا مخلوق ہے اور وہ سب کو جانتا ہے اور کسی بھی لمحے کسی کو نہیں بھولتا ہم اکثر جن لوگوں کے پیچھے رزق کیلئے بھاگتے ہیں ان کی منت سماجت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ تو خود اپنے رزق کیلئے میرے مرہون منت ہیں وہ تمہیں کیا رزق دینگے۔ اگر آپ محنت نہ کریں اور پھر اپنے باس سے کہیں کہ

ہر بار نئے پروگرام پر نئے شہر کے ساتھی شریک پروگرام ہونگے

میرے گھر کے حالات خراب ہیں۔ 1000 روپے دے دیں تو یہ بھی شرک ہے یہ میں نہیں کہتا قرآن میں ہے اگر آپ کسی اور کام کو اہم سمجھ کر نماز کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔ آپکی زندگی میں آپکا ہر فیصلہ ہمیشہ آپکے ہی طے شدہ راستے اور منزل کی طرف لے کر جائے گا لہذا ہمیشہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔ اسی کیلئے آپ جواب دہ ہیں۔ اور یہی فیصلہ آپ کی زندگی بنا یا بگاڑ سکتا ہے۔

وہ کشمیر کو شیر سمجھ کر پی جانا چاہتے ہیں

تنویر حسین

ہندوستان کو پاکستان اور چین جیسے دو خدا ترس، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج قسم کے ہمسائے میسر ہیں۔ ہندوستان کو تو اب تک مسلمان ہو جانا چاہئے تھا لیکن مسلمان ہونا تو درکنار، وہ انسان بھی نہ بن سکا۔ چین اور پاکستان جیسے ہمسائے اگر کسی انسان کے بچے کو میسر آ جاتے تو اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے اور وہ روزانہ ناشتہ کرنے کی بجائے رقص کرتا اور ہر ماہ اتنے اچھے ہمسایوں کو وہ اچھا ہونے کی رائلٹی دیتا، ناشکروں کی بھی ایک ناک، دو کان، دو بھنویں، دو ہونٹ، ایک منہ، ایک ٹھوڑی اور ایک گردن ہوتی ہے۔ اسے وہ دن بھول گئے، جب یہ انگریزوں سے جوتے کھاتا تھا۔ ہمارے قائد محمد علی جناحؒ نے سب سے پہلے کانگریس میں شمولیت اختیار کی لیکن ہندو اور سانپ دراصل ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ قائداعظمؒ نے سوچا کہ سانپ کا مشن اتنا خطرناک نہیں، جتنا ہندو کا ہے، اس لئے اس قوم سے دوری ہی اچھی۔ مسلمان تو ایک اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ہندو لاکھوں بھگوانوں پر یقین رکھتے ہیں، انہوں نے بھگوانوں کا سیکرٹریٹ کھول رکھا ہے۔ اگر کوئی بھگوان اپنے فرائض سے تھک جائے تو وہ بخار یا نزلے زکام کی درخواست بھیج دیتا ہے۔ جس طرح ملکی امور چلانے کے لئے قانون کے وزیر، ریلوے کے وزیر صحت کے وزیر، وزیر داخلہ، اور وزیر خارجہ کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح ہندوؤں کو زندگی کو چلانے کے لئے ہر طرح کے بھگوان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ہندوستان میں گندم کی فصل اچھی ہو جائے تو ہندو کہتے ہیں کہ ان کے گندم کے بھگوان کی پرفارمنس بہت اچھی تھی۔ اگر کپاس کی فصل اچھی نہ ہو تو کہتے ہوں گے کہ کپاس کا بھگوان بہت آرام طلب تھا، سارا سال دس کلو والی رضائی میں گھس کر سوتا رہا۔ انہیں اپنے بھگوان پر پختہ یقین ہوتا ہے کیونکہ وہ پتھروں سے بنے ہوئے ہیں۔

> **چین اور پاکستان جیسے نیک دل ہمسائے کسی انساں کے بچے کو میسر آ جائیں تو.....**

ہندوستان میں سب سے زیادہ فحاشی دیوتاؤں اور فلم ایکٹروں نے پھیلا رکھی ہے۔ ہندوستان میں عورتیں بھی لاتعداد ہیں اور فوجی بھی۔ فلموں میں یہ عورتیں ناچ ناچ کر اپنے انجام کو پہنچتی ہیں اور ہندو فوجی کشمیر میں مجاہدین کے ہاتھوں مرتے ہیں۔ ہندوستان کو دھمکیاں دینے کا بڑا شوق ہے۔ کہتے ہیں کہ منہ اچھا نہ ہو تو بات ہی اچھی کر لینی چاہئے۔ ہندوستان سے ہم پوچھتے ہیں کہ جنگ بدر میں کفار لاتعداد تھے اور مسلمان صرف 313۔ پاکستان اب بھی ہندوؤں کے مقابلے میں کم و بیش اسی تعداد میں نظر آتا ہے۔

لیکن ہندو لالے کی الٹی کھوپڑی میں یہ بات کون ڈالے کہ جنگ بدر میں ہماری فتح کے لئے فرشتے اتر آئے تھے۔ ہمارے فرشتے ہماری مدد کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ چھٹی نہیں کرتے۔ چودہ سو سال سے اب تک کافر تم ہم سے لڑتے آئے ہو لیکن غالب ہم ہی رہتے ہیں۔ اگر تمہاری کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی تو اردو ادب ہی کا مقابلہ کر لو۔ چچا غالب تمہارے سب شاعروں پر غالب ہیں۔ اسی طرح علامہ اقبال جن کے آبا کشمیر کے رہنے والے تھے، نے تمہارے خوب لتے لئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ کشمیر جنت نظیر ہے اور یہ بات طے ہے کہ جنت کسی کافر کو ملی ہے، نہ ملے گی۔ ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ وہ بہت بڑی سیکولر اسٹیٹ ہے حالانکہ اسے سیکو۔لٹر اسٹیٹ کہنا چاہئے۔ بندے ماترم ان کا مشہور ترانہ ہے۔ کشمیر میں کشت و خون دیکھ کر اس ترانے کی بھی سمجھ آ گئی ہے کہ ہندوستان کا مقصد ہی

ہندوؤں کی کوئی زبان ہی نہیں ہوتی
اقوام متحدہ کو چاہیے کہ وہ کوئی نہ کوئی زبان انہیں دیدے

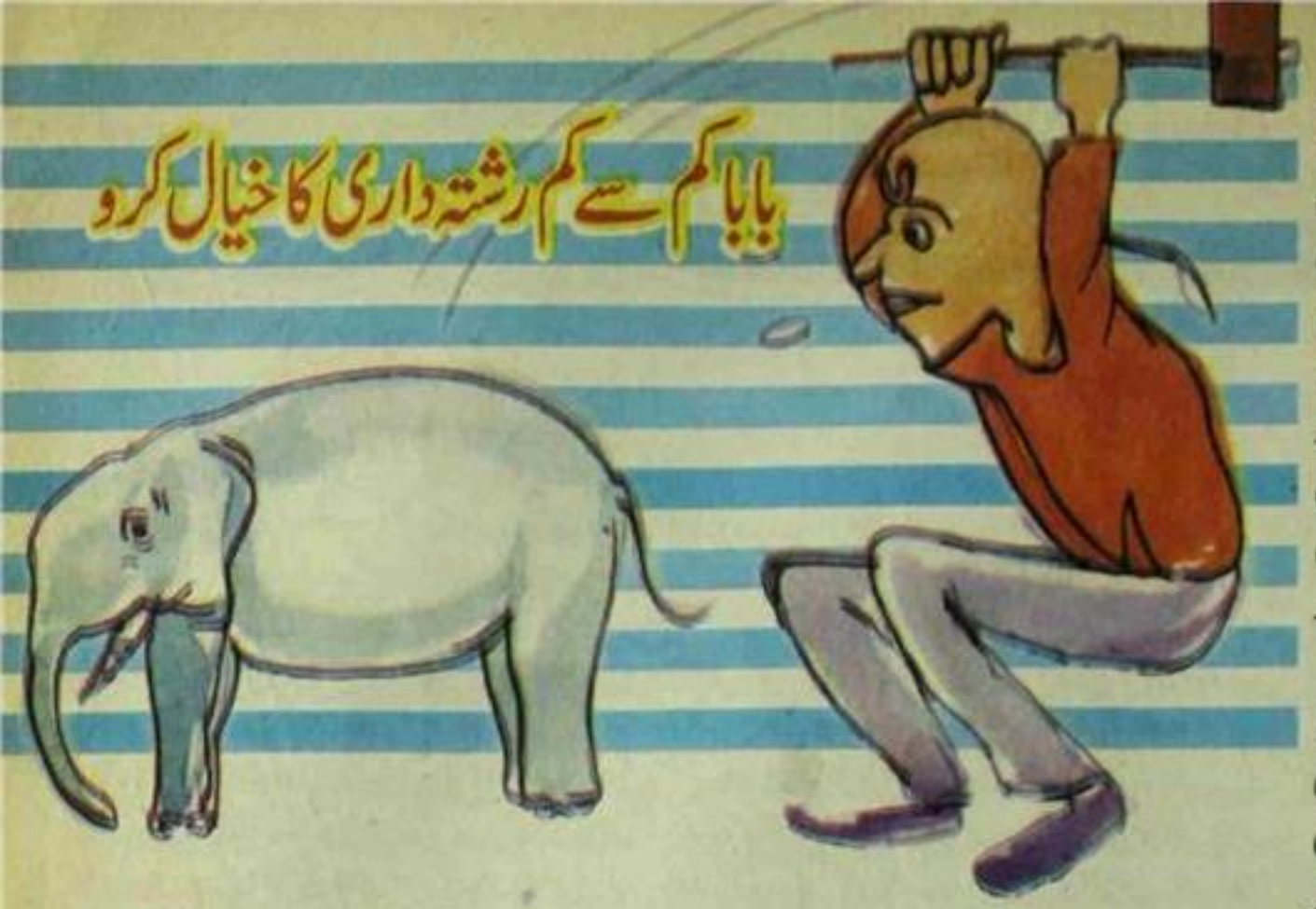

بابا کم سے کم رشتہ داری کا خیال کرو

ہندوؤں کو اپنے بھگوانوں پہ پختہ یقین ہوتا ہے کیونکہ وہ پتھروں سے بنے ہوتے ہیں

ہندوستاں کو دھمکیاں دینے کا بڑا شوق ہے

بندے مارتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہماری مادری زبان ہندی ہے اور فادری زبان انگریزی ہے۔ ہندوؤں نے کسی نہ کسی زبان میں کہا تھا کہ وہ کشمیر میں رائے شماری کرائے گا۔ بعد ازاں وہ اپنی زبان سے پھر گیا۔ پس ثابت ہوا کہ جانوروں کی ایک زبان ہوتی ہے لیکن ہندوؤں کی کوئی زبان ہی نہیں۔ یو۔این۔او کو چاہئے کہ وہ کوئی نہ کوئی زبان ان کے منہ میں رکھ دے۔ ہندو ایسی بے رحم قوم ہے کہ گائے کا گوشت نہیں کھاتی۔ انہیں والدہ صاحبہ کہتے ہیں لیکن انہوں نے والدہ صاحبہ کا کبھی کہنا نہیں مانا۔ گائے ہندوؤں سے کہتی ہوگی کہ دیکھو مسلمان میرے بارے میں کہتے ہیں۔

رب کا شکر ادا کر بھائی۔ جس نے ہماری گائے بنائی

لیکن وہ اپنی والدہ کی ایسی باتوں پر کہاں یقین کرتے ہیں۔ ہندو ہمیشہ کرنے والی باتوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ ہر کرنے والی چیزوں کو پی جاتے ہیں۔ کشمیر کو شیر سمجھ کر پی جانا چاہتے ہیں۔ لیکن ادھر ہمارے شیر مجاہدین ہندوؤں کو ثواب سمجھ کر اڑا رہے ہیں۔ ہندو سپاہی جب مسلمان مجاہدین کی طرف بندوق چلاتے ہیں، تو ہمارے فرشتے ان کی بندوق ہلا دیتے ہیں۔ اس طرح نشانہ خطا چلا جاتا ہے۔ ہندو لاشوں کی وجہ سے کشمیر ایشو کی وجہ سے دوزخ بہت خوش ہے کیونکہ دوزخ کا ناشتہ، لنچ اور ڈنر بہت زبردست ہوتا ہے۔ دوزخ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کر رہی ہے کہ ہندو دھڑا دھڑ اس کی زینت بنتے جا رہے ہیں۔

ہندوؤں کو حساب بہت آتا ہے، اس لئے یہ دکانیں بہت بناتے ہیں۔ ہندو بنیے جس طرح شام کو سیل گن کر خوش ہوتے ہیں، اسی طرح یہ حرام موت مرنے والے ہندوؤں کی سریوں کی سیل دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہوں گے۔ کسی زمانے میں روس کو سور بننے کا شوق چرایا تھا، اس لئے وہ سیدھا بھاگ کر افغانستان آ گیا تھا۔ افغانستان میں پٹھان بستے تھے۔ روس کے پسپا ہونے والے ایام میں عوام الناس نے روس کی ماؤں اور بہنوں کو اپنے روسی سور ماؤں کے ضیاع پر بین ڈالتے ٹی وی سکرینوں پر دیکھا۔ اب یہی صورت حال آہستہ آہستہ کشمیر میں گھسنے والے ہندوؤں کی ہوتی جا رہی ہے۔ ہندو فوجیوں سے کہا جائے کہ وہ دیکھ روٹی آ رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں ”نہیں گولی آ رہی ہے۔“

ظلم و ستم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود آگے بڑھ کر مدد کرتا ہے۔ انشاءاللہ کشمیری مسلمانوں کو اللہ کی مدد پہنچ کر رہے گی۔ کم از کم کشمیری معصوم بچوں کی بد دعائیں اور کسی تک پہنچیں نہ پہنچیں، ہندوستان کے وزیراعظم واجپائی تک پہنچ چکی ہیں۔ اب واجپائی اپنے گٹوں گوڈوں یعنی شاک ٹھیک کروانے کے لئے ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر رہا ہے۔

اے ہندو بنیو! تم کہتے ہو کہ مسلمانوں نے ہمیں غلام بنا کر رکھا تھا تو سنو! مغل شہنشاہوں نے تم لوگوں کو پھولوں کی سیج پر رکھا ہوا تھا۔ اکبر بادشاہ تو تمہارا رشتے دار بھی تھا۔ کم از کم اپنے اس رشتے داری کا خیال کرو اور کشمیری مسلمانوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق دے دو۔

انہوں نے بھگوانوں کا سیکرٹریٹ کھول رکھا ہے

ٹیلی فونک گفتگو

پھول کا مقبول عام کالم..... جس میں آپ ہر جمعرات اور جمعہ دو بجے سے چار بجے تک فون نمبر 6367551-54 پر براہ راست ایڈیٹر بھیا سے باتیں کر سکتے ہیں' شکایتیں لگا سکتے ہیں' تبصرے سنا اور مشورے لکھوا سکتے ہیں۔

بچی! بچی بچی! میرا فون واقعی انعامی ہوگیا۔ بھیا پلیز بتایئے اب میں کیا کروں؟ کس کو بتاؤں..... یہ خوشی سے بھرے نعرے تھے جو جملوں کی صورت عبدالصمد مظفر کے منہ سے بے اختیار نکل رہے تھے۔ سلطان پورہ سے تعلق رکھنے والے عبدالصمد مظفر ایک بہادر اور پیار کرنے والی ماں کے معصوم صورت بیٹے ہیں۔ پھول سے بہت سالوں سے تعلق ہے۔ بتا رہے تھے کہ اب تک کئی فائلیں بھر چکا ہوں۔ جس کسی تحریر میں میرا ذکر ہوتا ہے اسے کاٹ کر فائل میں لگا لیتا ہوں۔ ان دنوں تھوڑا پریشان ہوں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو پتا چلا کہ گزشتہ کئی شماروں سے ان کا اتنا ذکر اور تصاویر آرہی ہیں کہ صفحات فٹافٹ بھرتے جا رہے ہیں۔ کیا کروں ہر طرف میرا ہی ذکر ہے۔ ہم نے کہا بیٹے جی یہ تو مقام شکر ہے منہ بھر بھر کر شکر کریں اور اللہ جی سے کہیں جب ایک بار نظروں میں اٹھایا ہے تو پھر براہ کرم کبھی کسی بھی غلطی اور کوتاہی کے باعث نظروں سے گرایئے گا مت۔ ہم نے بتایا کہ انشاء اللہ دسمبر کا شمارہ سالنامہ ہوگا اس میں پھر آپ کا ذکر ہوگا۔ بلکہ ہر اس ساتھی کا جو اپنے اپنے کو پھول سجانے والوں میں سے سمجھتا ہے۔ گزشتہ سال یا اس سے قبل جس کسی کی بھی کوئی تحریر چھپی ہو کسی مقام پر پھول کی خوشبو کو عام کرنے میں خوب سرگرم حصے دار رہے ہوں وہ اپنا مختصر تعارف پھول میں پسندیدہ ترین چیز' کوئی ایک مشورہ اور اپنی تصویر 10 نومبر سے پہلے بھجوا دیں۔

عبدالصمد نے طاہر ترکمن کو پھول کلب کا نائب صدر بننے پر وش کیا۔ دورہ سندھ کے دنوں کو بہترین انداز میں لکھنے میں شفا باجی اور شموس باجی کو مبارک دی۔ ویسے موڈ تو شاباش کا تھا۔ ذرا شرما گئے۔ لگے ہاتھوں ہمیں بھی ہماری صحت کی بحالی اور برقراری پر مبارک دی اور دعا بھی۔

شادمان سے منزہ ظہیر جلدی میں تھیں۔ یہ آئیں اور وہ گئیں صرف اتنا کہا رسالہ آپ کا بہت اچھا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لائبریری سائنس سے ثمرین نے فون کیا۔ انہیں اس بار بھی میگزین بہت اچھا لگا۔ علی ظفر کی باتیں بطور خاص ذکر کر رہی تھیں۔ ان کی دوست عمارہ' ندرت' روبینہ اور آسیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ انہوں نے دھمکی دی کہ آئندہ سبھی مل کر فون کریں گی۔ ثمرین نے کہا دوست میری بہت اچھی اور پیاری ہیں مگر اتنا نہیں کرتیں کہ پھول اپنا خرید لیں۔ میرا پرچہ لیکر پڑھ ڈالتی ہیں۔

بھکر سے فائمہ عروج نے تھینک یو کیا۔ ان کا لاہور کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے 200 روپے کا انعام رکا ہوا ہے۔ لگتا ہے بجٹ سرکار ضبط ہی کرنا پڑے گا۔

فیصل آباد سے ذی شان نے اداریے کو پسند کیا۔ ہماری صحت کا حال چال پوچھا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ سچ پوچھیں تو لگتا ہے ڈاکٹروں سے زیادہ اپنے دوستوں اور پھول ساتھیوں کی دعاؤں کے باعث اللہ جی نے مشکل آسان کی ہے۔ ابھی تھوڑے اثرات ہیں۔ دعاء کرنے والوں کو کسی روز پھر ہماری زیادہ یاد آئی تو اللہ خیر کرے گا اور ہم بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔

ایک لطیفہ ہم نے بھی کیا کہ ایک بڑے مزے کے فون کے منٹس (اہم الفاظ) تو لکھ لئے کہ پھر کی اچھی تھی اور ٹارگٹ بھی۔ شاعری کا سلسلہ تو خوب ہی ہے دوسروں کی غلطیوں سے سیکھنا چاہئے اور شاعری دوسروں کی غلطیوں کا ہی تو نام ہے۔ پھر کہا گیا کہ پھول آپ کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے اسلحہ بغیر سپاہی اور داڑھی کے بغیر امام۔ اور ڈرائیور کے بغیر بس۔ فون بند ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں اب کاغذ اٹھایا تو سوچ میں پڑے ہوئے ہیں کہ فون کیا کس نے تھا۔ کون ہے جو ہم کو بادام کی گریاں کھانے کا مشورہ اور بھجوانے کا اہتمام کرے گا۔

شادمان سے آمنہ انور (ہفتم' نے اپنی دوست اسما نظامانی کا نام لکھوانے کے لئے فون کیا۔ اقراء حسین اور ساجدہ حسین بھی ان کی دوست ہیں۔ انہیں سکولوں میں چھٹیاں زہر لگتی ہیں کہہ رہی تھیں پڑھائی پہلے ہی کم ہوتی تھی اب اتوار کے ساتھ ہفتے کی بھی چھٹی نے بڑا ظلم ڈھایا ہے۔

مظفر آباد سے صبا رسول نے پھول کی پسندیدگی کے اظہار کے لئے فون کیا۔ پوچھ رہی تھیں دل بلاوجہ اداس کیوں ہو جاتا ہے۔ یہی بات باغ جناح کی سیر کے دوران اپنے سید غضنفر علی نے پوچھی۔ اس وقت رانا بابر سے ہم ایک پرانے گیت کا انترہ اٹھوا رہے تھے۔ اس لئے کہا میاں ذرا صبر کرو بابر نے یہ طرز اٹھائی ہم نے سنی دفتر آتے آتے اس سے پانچ دفعہ ایک ہی گیت کے دو شعر سنے۔ اس نے اللہ جانے خوش ہو کر پوچھا یا تنگ آ کر کہ بھیا آپ بار بار کیوں سن رہے ہیں۔ میرے جی میں تو آئی کہ کہوں تاکہ تمہاری طرز ٹھیک ہو جائے مگر جملہ دبا لیا۔ گیت کے بول تھے

اے مالک تیرے بندے ہم
نیکی پہ چلیں اور بدی سے رکیں
تاکہ ہنستے ہوئے نکلے دم

اور بابر نے بہت عمدہ لے میں اسے گا دیا تھا۔

صبا نے کہا میری ایک دوست ہے ایک دم سے بہت یاد کرنے لگتی ہے۔ ہم نے کہا بابا اپنے آپ سے مت لڑو جو یاد آئے اسے یاد کر لینا چاہئے۔

غضنفر کیلئے بھی یہی مشورہ ہے کہ خلا میں گھور گھور کر الٹے سیدھے نئے شعر کہنے کی بجائے بہتر ہے بندہ اداس ہی ہو لے۔ اس پر کون سا خرچا آتا ہے۔

ملتان واپڈا کالونی سے عامر چیمہ نے بتایا کہ پھول تو اچھا لگتا ہی ہے۔ ایف ایس سی بھی بہت اچھی ہوگئی ہے۔ ہم نے مبارک دی۔ ماشاء اللہ 843 نمبر آئے ہیں۔ ان کے بھائی عمیر چیمہ نے 725 نمبر لئے ہیں۔ وہ بھی خاصے اچھے ہیں جسے چھوٹے بڑے ہونے پہ لڑا نہیں جا سکتا۔ طعنہ نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے ہی نمبروں کی کمی زیادتی کو Easy لینا چاہئے۔ صحت کیلئے اچھا ہوتا ہے۔

انعم جاوید نے شادمان سے بتایا کہ وہ تو کراچی میں بھی پھول ڈھونڈتی رہیں اور ڈھونڈ ہی نکالا۔ انہیں اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر حیرت ہو رہی تھی۔ اپنی ہی برادری کی ہیں یہ حیرت ہم کو بھی ہوتی رہتی ہے۔

رابعہ ارم شاہ نے سنگھ پورہ سے کہا

آپ ایک کیوں ہیں ایک سو ایک ہزار کیوں نہیں۔

بی بی اللہ کا نام لو آپ ہمیں مرواؤ گی۔ اللہ معاف کرے۔ یہ کلوننگ کا آئٹم ہم پہ ہی آزماتا ہے۔ منظر صاحب کہتے ہیں آپ ایک ہی کافی ہیں۔ ورنہ سماجی مسائل بہت سے پیدا ہو جائیں گے۔ وہ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ زیادہ ہونے کی صورت میں فوٹو سٹیٹ شخصیت نہیں ہوگی۔ ری پرنٹس ہوں گے۔ یعنی فوٹو کاپی سے بھی 100 گنا اچھا رزلٹ۔

رابعہ اس موضوع کی نزاکت سے گھبرا کر بولیں بھیا جو لوگ زندگی میں اندھیرے کم کرتے ہیں امید دلاتے ہیں وہ کم کیوں نظر آتے ہیں۔ اب بال ہمارے کورٹ میں تھی۔ ایک دانا کی کہی ہوئی بات یاد آئی کہ اندھیرا کتنا بھی گہرا کیوں نہ ہو آنکھ اسے دیکھ ہی لیتی ہے۔ ایسے ہی ہماری آنکھ اندھیرے میں روشنی اور مایوسی میں امید ڈھونڈ لیتی ہے۔ ہم دیکھتے اور ڈھونڈتے ہی کم ہیں ورنہ اندھیرا کم کرنے والے نظر بھی آئیں گے ہاتھ بھی ملائیں گے۔ آپ براہ کرم محلے کے کھمبوں پہ بلب روشن کرنے والوں کو اس قطار میں شامل کر کے ملنے نہ چل پڑیئے گا۔

اعوان ٹاؤن سے سعدیہ کا فون آیا۔ یہ سال اول کی طالبہ ہیں۔ ہم نے کہا چند انام تو پورا بتایا کریں۔ ہنس دیں کہ میں نے تو شرارت سے نام آدھا بتایا۔ ہم نے کہا تو یوں کہیں ناں SK بول رہی ہوں۔ سعدیہ نے کہا آپ اتنی توجہ سے ہماری بات سنتے ہیں۔ جگر دیتے ہیں..... بہت شکریہ۔

جوہر ٹاؤن سے ثوبیہ انوار نے بتایا کہ انہیں بھی نازیہ حسن کی تصویر سے پتا نہیں چلا کہ وہ کون تھیں نام ضرور لکھنا چاہئے۔ ثوبیہ نے پوچھا پھول میں کہانیاں اور باتیں تو ٹین ایجرز اور سمجھدار لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ ٹائٹل پر بچوں کی تصاویر کیوں دیتے ہیں۔ یہ نہیں بتایا کہ پھر کس کی دیں عمر شریف کی دیں۔ خوشیا کی دیں یا بوبی کی۔ ہاں کچھ بیبیوں کا نام بھی وہ لے سکتی تھی۔ پچھلے دنوں فیملی میگزین والوں نے اپنے سونے کی برسات والے پروگرام میں ہمیں ایسے خصوصی مہمان کے طور پر بلایا جس نے دو بار تقریر کرنی تھی۔ اور مہمانوں کو خوش آمدید کہنا تھا۔ فلم' ٹی وی کے اکے مشہور فنکار موجود تھے۔ عاقب جاوید' بھی ہم نے سب کا نام لیا اور شکریہ بھی کہا اور خوش آمدید بھی۔ یامین صدیقی صاحب سٹیج پہ آئے اور بولے اختر عباس صاحب نے بھی مرد فنکاروں کا نام لیا ہے۔

پوری قطار خواتین فنکاروں اور گلوکاروں سے بھری ہے کسی کا نام نہیں لیا۔ پیچھے سے آواز آئی۔ انہوں نے پہچانا ہی نہیں ہوگا۔ یامین صاحب نے پھر بھی کے نام القابات کے ساتھ لئے اور کہا عباس صاحب کبھی پھول سے فرصت پائیں تو ادھر ادھر چہروں اور ناموں کو بھی دیکھ لیا کریں۔

خیر ثوبیہ بی بی! اب ایسا ظلم تو ہم سے نہ کروائیں کہ ہم چھوٹے بچوں کی خوبصورت اور معصوم تصویروں کو بھی نہ چھاپیں۔ صہیب انوار (ہفتم) کو پھول ٹیم کا تھرکا دورہ اور یہ سوچ بہت اچھی تھی۔

کوئنز روڈ سے مہرین گل نے بتایا کہ اس پھول کی ہر چیز ہی پسند ہے کہہ رہی تھیں میں تو ابھی 9Th میں گئی ہوں۔ آپ نے اڑھائی سال سے لکھ دیا۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں کہ ہاں کیا لکھا تھا جسے کمپوزر صاحب نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔

کرن گوریجہ نے ہمیں سالگرہ پر مبارک دی جو اسی ماہ 23 نومبر کو ہونی ہے اور پوچھا سب سے یادگار کب منائی تھی۔ ہم نے بتایا کہ ایک تو 'مزنہ' مونا کے گھر اس قدر محبت اور Creatve انداز میں منائی گئی تھی کہ ان کی خوشی کا میابی اور صحت کیلئے ہم آج تک دعا گو ہیں۔ کمرے میں کینڈل لائٹ تھی اور دیواریں کارڈوں سے بھری ہوئی تھیں اور میز پر کیک اور بھاپ دینے کھانے تھے اور پس منظر میں ان کی امی کی دعائیں اور ہیپی برتھ ڈے کا گیت۔ بہت مزہ آیا تھا کیا دن تھا۔ بلکہ کیا دن تھے۔ دوسری بار احمد پور شرقیہ میں مہوش اور عرفانہ لوگوں نے فریش پائین ایپل کیک پورے ملک سے پھول کی آئی ہوئی ٹیم کی موجودگی میں ہم سے جب کٹوایا اور اتنی دعائیں ملیں کہ آنکھیں بھر آئیں۔ احمد پوری بھی خوب لوگ ہیں جانے کامران وہ کیک کہاں سے بنوا کر لایا تھا ہم تو ڈھونڈتے رہے ہم پوری شہر میں صرف کشتی کیک ہی مل سکے تھے۔

کرن کی نظم یوں تھی۔

خواہشوں کے سمندر کے سب موتی تیرا مقدر ہوں
پھول چہرے پھول لہجے تیرے ہمسفر ہوں
تیری سماعتوں کی دست رس میں کبھی وہ لفظ نہ آئیں کہ تیرا دل کو ملال ہو۔
تیری بصارتوں میں ہر وہ منظر اترے جو روشن ہو۔
المدنی بہاروں کی مثال ہو۔
کچھ یوں اتریں ترے لئے رحمتوں کے موسم
کہ تیری دعا کوئی حرف مدعا آسمانوں سے کبھی رد نہ ہو۔
تیرے نام کی دعاؤں میں شامل کسی کا کوئی حرف بد نہ ہو۔
کہکشانی رستوں پہ پیہم رواں رہے۔
میری دعا ہے کہ تیری عمر کا ہر لمحہ جاوداں رہے۔

فیصل آباد سے ارم کاظمی نے اپنی دوست ندا خاں کو شادی پہ مبارک دی۔ جویریہ انجم بخت کو بھی۔ پھر اپنی امی کا سلام دیا۔ ان کی امی بہت نفیس قسم کی امی ہیں۔ پھول لاتی ہیں پڑھتی پڑھاتی ہیں اور ارم کی گہری دوست ہیں۔

ترنڈہ محمد پناہ سے عبید الرحمن فاروقی نے کہا آپ ہمیں اپنی کوئی کتاب تحفے میں کیوں نہیں دیتے۔ ہم نے پوچھا کہ کس کارنامے پہ دیں۔ بولے ہماری رپورٹ بھی نہیں چھپی ورنہ وہ بھی ایک کارنامہ سے کم نہ تھی۔ عبید نے ڈاکٹر اظہر اے انور کو مبارک دی کہ شان شہید شہی بہت عمدہ لکھ رہے ہیں۔ عبید میاں تحفہ ہم نے بھجوا دیا تھا امید ہے اب خوش ہوں گے۔

اسلام آباد سے ضحی احمد سے بات ہوئی۔ آجکل ماشاء اللہ MCS کر رہی ہیں۔ کل ہی بات ہے چھوٹی سی ہوا کرتی تھیں۔ اب ماشاء اللہ بڑی اور کماؤ پوت ہوگئی ہیں۔ کرن کے ساتھ رہتی ہیں شکر ہے اس کے مزاجی اثرات سے بچی ہوئی ہیں ان دنوں کسی پراجیکٹ پر کام کر رہی ہیں۔ خوب مصروف ہیں۔

ہم نے کامیابی اور خوشی کی دعا کی۔ ضحی نے بڑی ذمہ داری اور بڑا بوجھ اٹھایا ہے۔

اللہ جی آسانیاں دیں۔

چوبرجی شام نگر سے سارہ (ایف ایس سی) نے بتایا کہ بہت عرصے بعد فون کیا ہے۔ لطیفے' پھول کے خوب مزے کے ہوتے ہیں۔ پھر انہوں نے ہمیں سرپرائز وزٹ کی دعوت دی جو ہم نے قبول کر لی ہے۔ امید ہے اگلے ایک دو ماہ میں ہو جائے گا..... انشاء اللہ

راجہ جنگ سے ثناء اشرف (دہم) سے ہم نے پوچھا یہ اتنا جنگی سا نام کیوں ہے۔ آپ کے قصبے کا تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے بہت لوگوں نے جنگیں لڑیں۔ کون سی؟ یہ انہیں علم نہیں تھا وہ 71 اور 65ء کی سمجھ رہی تھیں۔ علاقہ خاصا پرانا ہے۔ یقیناً انگریزوں کے زمانے میں معرکے اور لڑائیوں میں کام آئے ہوں گے۔

ثناء کو پھول بے حد پسند ہے اور اداریہ بطور خاص بھی پڑھتے ہیں۔ سبھی کو اداریے کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ ان کے بھائی وقاص اشرف (نہم) نے حفظ کر رکھا ہے اور لطیفے شوق سے پڑھنے میں ہمیں یہ کمبینیشن سمجھ نہیں آیا۔

زینت (ہفتم) نے نیلم بلاک سے ساری کہانیوں کو پسند کیا ہے۔ کارٹون چھاپنے کی فرمائش کی۔ بوبی لگتا ہے کارٹپس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مہر النساء (دوم) سے بھی بات ہوئی ہم نے پوچھا پیچھے کون بول رہا ہے۔ معصومیت سے بولیں امی ہیں..... مجھے بتا رہی ہیں کہ کیا کیا بولوں۔

فیصل آباد سے ثمائلہ (دہم) نے بتایا کہ پھول میں اتنی اچھی اور پیاری باتیں ہوتی ہیں کہ دل جھوم اٹھتا ہے۔ کہہ رہی تھیں آپ سے بات کرنے کا بہت شوق تھا۔ بات کر کے خوش ہوں۔

وزیر آباد سے انور حمید نے بات کی کہہ رہی تھیں میرا نام انور تو نہ لکھا کریں۔ نیا شمارہ انہیں بہت پسند آیا۔ عکس حمید کی بہن ہیں۔ ارے ہاں عکس نے ایک چیک بھیجا تھا۔ اور بھی کئی ساتھی پوچھتے ہیں کہ مستحق بچوں کی امداد کے لئے کوئی فنڈ ہونا چاہئے۔

یہ سلسلہ تو ہمارے ہاں الحمدللہ چلتا رہتا ہے پیسے آتے رہتے ہیں اور خرچ ہوتے رہتے ہیں۔

فاطمہ جناح میڈیکل کالج سے عائشہ انیس نے بتایا کہ دورہ سندھ کی رپورٹیں بہت اچھی تھیں۔ پھر انہوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ پانی زیادہ پیا کریں۔ اللہ آپ کو ٹھیک رکھے۔ آمین۔ عائشہ بتا رہی تھیں کہ آپ کے دوستوں کے نام پڑھے' دل چاہا کہ میرا بھی نام ان میں ہوتا۔

احسان ٹیپو نے نارووال سے مشورہ دیا کہ پھول اخبار کو کلرڈ کر دیں۔ لطائف کے دو صفحے کر دیں اور قول اختری ضرور دیا کریں الگ سے۔

ماریہ قبطیہ (سال اول) نے شادمان سے بتایا کہ دو چار ماہ بعد آتی ہوں۔ پھول بہت معیاری ہے۔ سنگل سٹوری سب سے اچھی لگی۔ عرفان اصغر (پنجم) نے نارووال سے اپنے دوستوں محمد عظیم' اجمل حسین' وقاص لطیف' عمر سرور اور عدنان اصغر کے نام لکھوائے۔ ان سب کو پھول اچھا لگتا ہے۔

محمد ابوذر (نہم) نے گارڈن ٹاؤن سے بتایا کہ ٹارگٹ اور شان شہید شہی پسند آئیں۔ ان کی بہنیں صالحہ انور بھائی محمد عمر بھی پھول پڑھتے ہیں۔

سیالکوٹ سے عاصمہ صداقت دہم نے ٹیلی فونک کالم اور مزاحیہ کرنے کا مشورہ دیا۔ سوچ رہے ہیں کسی مزاحیہ اداکار سے ملیں یا قلم کار سے..... عاصمہ نے مشکل الفاظ کے معنی دینے کا بھی مشورہ دیا۔ کہہ رہی تھیں کہ اداریہ پڑھ کر بہت Ideas آتے ہیں۔

سرگودھا سے خولہ سعید (DCS) نے بتایا کہ واہ کیا بات ہے بہت پسند ہے۔ عصمہ سعید (دہم) نے بتایا کہ 99ء سے پڑھ رہی ہوں۔ انہیں کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔

انارکلی لاہور سے ناہید انجم نے پھول کے کامیاب اور خوشگوار سفر پہ کہا

مہکا رہے صبح شام
پیارا پیارا سے پھول کا نام
سلامت رہیں ایڈیٹر بھیا ہمارے
کتنا پیارا پیارا ہے ان کا کام

لاہور کینٹ سے مونا کا فون آیا انہوں نے بتایا بھیا دس سال بعد کیا ہے۔ اس زمانے میں ایڈیٹری بھی کی تھی..... پھر کیا ہوا؟ ہم نے پوچھا..... جواب ملا پھر شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد بھی کبھی پھول پڑھنا نہیں چھوڑا..... اب میرا بیٹا ماشاءاللہ 7 سال سے اور وہ پھول کے ورق شوق سے پلٹتا ہے اور کچھ چیزیں مجھ سے سنتا ہے۔

..... گوجرانوالہ سے نائیلہ کا فون آیا۔ بتا رہی تھیں کہ چھوٹی بہن حمیرا چاندنی کہانی گھر سنبھال رہی ہے اور نائیلہ نے ابھی پھول سٹڈی وہیل کا ایک اچھا سا پروگرام کیا ہے۔

..... شکر گڑھ سے فاروق نے فون کیا۔ ہم نے خیر خیریت پوچھی تو بولے بس ایسے ہی جی کرتا تھا بات کرنے کو فاروق نے ابھی ایف اے پاس کیا ہے۔

..... وار برٹن سے عبدالمتین کا فون آیا۔ اور ٹاؤن شپ لاہور سے صالحہ کا۔ صالحہ نے پوچھا اب آپ کیسے ہیں۔ ہم نے کہا الحمد اللہ ان کا کہنا تھا اداریہ بہت ہی اچھا تھا۔ اتنا nice کہ کیا بتاؤں۔ میرے ذہن میں ایک عرصے سے یہی ٹسل چل رہی تھی۔ غصہ بہت آتا تھا۔ اب آپ نے خوب لکھا ہے کہ رشتہ کوئی بھی ہو خالی مسکرانے سے کب چلتا ہے۔ پھر کی۔ مجھے چڑیا بننا ہے اور گل رحمان انہیں زیادہ پسند آئیں۔

..... حافظ آباد سے صائمہ کا فون آیا۔ ناراض تھیں کہ آپ مجھ کو سیریس نہیں لیتے۔ عائشہ خان کی باتوں کو زیادہ دانائی اور سمجھداری سمجھتے ہیں۔ ہم نے فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملائی جس کی صائمہ کو بالکل توقع نہیں تھی اور کہا اللہ کی بندی یہ تو سنہری موقع ہے۔ تم کو احساس ہوگیا ہے اور موقع بھی ہے کچھ زوردار کام کرو اور ثابت کر دو کہ تم خود بہت اچھی اور سمجھدار ہو..... صائمہ نے کہانی گھر کو زبردست طریقے سے کرانے کا نعرہ لگایا ہے دیکھئے نعرے کا کیا حال ہوتا ہے۔

ہم نے ایک سے سوا اور سو سے ایک ملین پودے تیار کیئے ہیں

پاکستان میں پلانٹ کلوننگ متعارف کروانے والے

ڈاکٹر فیاض احمد صدیقی پھول فورم میں

رپورٹ: آمنہ اعظم

وطن عزیز میں بعض لوگ اپنی صلاحیتوں ذہانت اور بصیرت میں اس قدر اہم ہوتے ہیں کہ دل میں یہ تمنا جاگتی ہے کہ وہ ایک نہیں بہت سارے ہوں ہر جگہ، ہر شعبے اور ہر پروفیشن میں ہوں بالکل ایسے ہی جیسے ہم ایک اچھی تحریر کی فوٹو سٹیٹ مشین سے فٹافٹ ایک سے 100 تک کاپیاں نکال لیتے ہیں ایسا جانے کب ہو۔ سنا ہے امریکہ میں تو انسانوں اور جانوروں سب کی کلوننگ ہو گئی ہے۔ ہاں پاکستان میں یہ نوبت ابھی نہیں پہنچی۔ ہاں ہمارا موضوع یہی ہے۔ اور ہمارے آج کے مہمان ''ڈاکٹر فیاض احمد صدیقی'' ہیں یہ پودوں کے ڈاکٹر ہیں۔ پلانٹ سائنسز میں ماسٹرز کر کے اسی میں پی ایچ ڈی بھی کی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی پاکستان میں پلانٹ کلوننگ کے خیال کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ اس خیال کی تکمیل کیلئے اپنی کوششوں سے ایک ادارہ (Plant Cloning and Biotechnologies industries) کے نام سے تشکیل سے ملکی زرعی پیداوار میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ گفتگو کے آغاز میں ڈاکٹر فیاض نے کہا کہ ہمارے ہاں لوگوں کی منفی سوچ انہیں آگے بڑھنے نہیں دیتی، ہم لوگ کسی نئی اور بہتر چیز کو قبول نہیں کرتے ہم ہر چیز کو اپنی ضرورت اور خواہش کے پیمانے پر ہی تولتے ہیں اور اگر وزن میں کمی ہو تو فوراً رد کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی انسان بڑا نہیں ہوتا بڑا وہی ہوتا ہے جو اپنے آپکو بڑا نہیں سمجھتا ویسے بھی علم اور بڑائی کو کسی ثبوت یا گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی انہوں نے مزید کہا کہ اہل علم اور سائنسدانوں نے بیسویں صدی کو (Century of wisdom and technology) کہا ہے وزڈم سے مراد وہ تجسس اور رویہ ہے جو انسان میں چیزوں اور لوگوں کو جاننے کی طرف راغب کرتا ہے اور ٹیکنالوجی سے مراد Industrialization of Knowledge ہے یعنی کہ جو نئی چیز ایجاد ہوئی ہو وہ اگر لوگوں تک پہنچا دی جائے اور اس چیز کو یوں اپنے استعمال میں لے آئے اس کو

کوئی بھی انسان بڑا نہیں ہوتا بڑا وہی ہوتا ہے جو اپنے آپکو بڑا نہیں سمجھتا

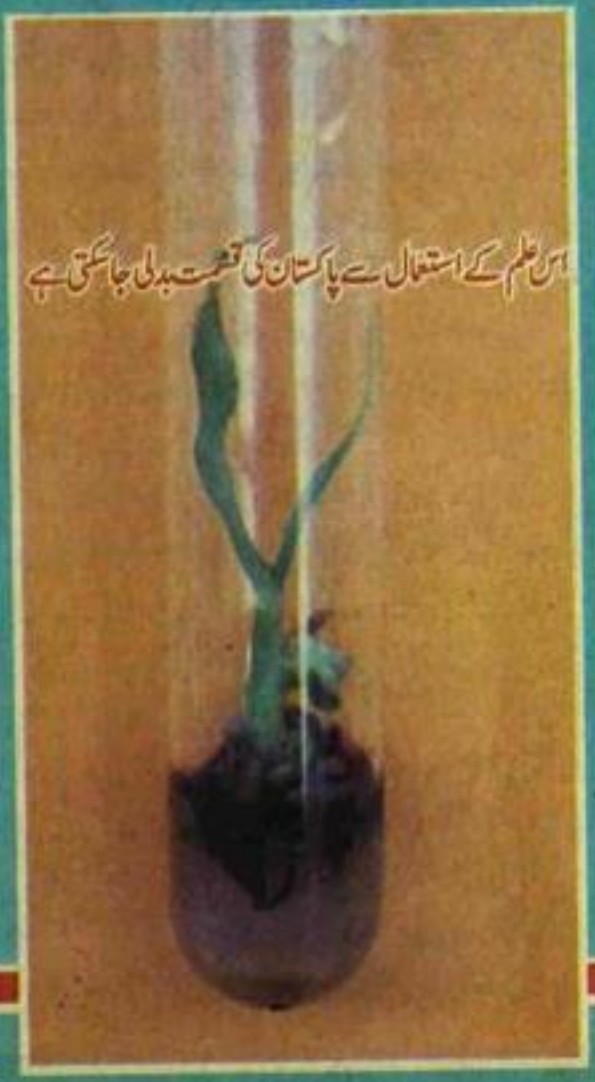

ٹیکنالوجی کہتے ہیں۔ آپ اگر غور کریں تو پچھلی پوری صدی ٹیکنالوجی کی ترقی کی تھی اسی صدی میں ریڈیو ٹی وی' فریج اور کمپیوٹر جیسی سائنس کی نعمتیں اور آسائشیں ایجاد ہوئیں جن سے لوگوں نے اپنے آپکو خاصا آسودہ محسوس کیا۔ اپنے شعبے پر بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کلوننگ کو بنیادی طور پر ایک فوٹو سٹیٹ مشین سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس سے پودوں کی تعداد انتہائی قلیل وقت میں کئی گنا بڑھائی جا سکتی ہے اس ٹیکنالوجی کا استعمال ہمیں بیج کی فراہمی اور موسم کی پابندیوں سے آزاد کر دیتا ہے اور سال بھر کسی بھی موسم میں پودے کے کسی بھی حصے (تنا' پتے' شاخیں) بے شمار نئے پودے تیار کئے جاسکتے ہیں۔ ان نئے بننے والے پودوں میں نہ صرف آبائی پودے کی خصوصیات موجود ہوتیں ہیں بلکہ یہ پودے اعلیٰ' معیاری' بیماریوں سے پاک اور دوگنا پیداواری صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کلوننگ کا اصل طریقہ کار یہ ہے کہ قدرتی طور پر ہر پودے میں ایک نیا پودا یا نئی پیداوار کرنے کا حصہ ہوتا ہے اور اسی حصہ میں سب سے زیادہ Potential growing ہوتا ہے اب ہوتا یہ ہے کہ جس حصے کی کلوننگ ہوتی ہے اس کو ایک ٹیسٹ ٹیوب میں ڈال کر ریکٹ سو پودے بنا لیے جاتے ہیں۔ اور ایک سال میں اس سے کئی ملین (ایک ملین = دس لاکھ) پودے بنا لیے جاتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کا بس یہی فائدہ ہوتا ہے کہ یہ بہت تیز اور جلد ہوتی ہے اور اسکے نتائج بھی بڑی جلدی سامنے آتے ہیں ہم نے ایک سے سوا اور سو سے ایک ملین پودے تیار کئے ہیں۔ پاکستان میں ابھی تک کلوننگ جیسی ٹیکنالوجی کا کام صرف تجربہ گاہوں کی حد تک محدود تھا مگر اب ہم نے ایگری بائیوٹیک پہلا نجی ادارہ ہے جو اپنے طور پر اس ٹیکنالوجی کو کسانوں تک پہنچانے میں بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ اس طریقہ کار سے بروقت بیج کھیتوں میں کسانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور یقیناً یہ زرعی پیداواری صلاحیت کو کافی حد تک بڑھا دیتا ہے۔ یہ کام محنت اور لگن کا ہے اس میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہوتا اس میں کھو کر اور ڈوب کر کام کرنا پڑتا ہے لہذا اس لئے یہ کام سرکاری لیول پر نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ پرائیویٹ سیکٹر کا کام ہے مگر حکومت کو اس کی ترویج کیلئے ضرور مدد کرنی چاہئے۔

> ٹیکنالوجی کا بس یہی فائدہ ہوتا ہے کہ یہ بہت تیز اور جلد ہوتی ہے اور اسکے نتائج بھی بڑی جلدی سامنے آتے ہیں

کلوننگ نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ ہی خدا کے کاموں میں کوئی مداخلت ہے بلکہ یہ ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود لوگوں کو یہ علم دیا ہے اور ہمیں اس طرف مائل کیا ہے۔ ہماری بدقسمتی دیکھیں کہ ہمارے ملک میں 99% کھانے پینے کی اشیاء پیدا ہو رہی ہیں اور اس صورتحال میں یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ہمیں کوئی مسئلہ ہو مگر صورتحال آپکے سامنے ہے۔ کسان کی ظاہری اور مالی صورتحال سے لے کر یہ ملک کی درآمدات اور برآمدات آپکے سامنے ہے۔ لہذا اب ضرورت صرف سسٹم کو منظم کرنے کی ہے اور اس بات کو حکومت کو فوراً زیر غور لانا چاہئے۔ یہ کام جس ذہانت سمجھداری اور مہارت سے کرنے کا ہے۔ اسی طور پر کرنے سے وطن عزیز کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔ خوراک وزراعت کی ہر کمی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ پیداوار آخری حد تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ مگر اسے بڑی بصیرت اور دانائی سے کرنے کی ضرورت ہے۔

بقیہ موت کی گھاٹی

مجاہدین کا پہرہ نہیں ہوگا اور ہم خاموشی سے ان کے سر پر پہنچ جائیں گے۔ افسوس!

کلیم نظریں نیچے کر کے سر ہلانے لگا تھا اور میجر کا غصہ آسمان کو چھونے لگا اس کے سینے میں ایک آگ بھڑک اٹھی تھی یکایک وہ آگے بڑھا اور کلیم پر لاتوں' مکوں سے پل پڑا۔ میجر کے سامنے وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا اور گر پڑا لیکن میجر دیوانوں کی طرح اسے مارتا ہی جا رہا تھا۔ کلیم ادھ موا ہو کر کراہنے لگا اس کی نظر بار بار پہاڑ کی چوٹی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ جو اب آہستہ آہستہ غنودگی سے دھندلانے لگی تھیں میجر نے ہاتھ روک کر گن سنبھال لی۔ تب اس نے آخری بار پہاڑ کی طرف دیکھا اور پھر نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر دیں۔ میجر اس پر جھکتے ہوئے چلایا۔ تمہیں اب ہر حال میں ہمیں یہاں سے نکالنا ہے۔ کلیم نے بمشکل آنکھیں کھول کر جواب دیا۔ سوری میجر' اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اور اس نے غصے سے کانپتے ہوئے اسے ٹھوکر ماری اور گن کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔ اس کے وجود نے آخری جھٹکے کھائے اور ساکت ہوگیا۔ اس کی نگاہ اب بھی پہاڑ کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

پہاڑ کی سوئی ہوئی چوٹی اچانک جاگ اٹھی ہر طرف دھماکوں نے قیامت سا برپا کر دی۔ میجر اور اس کی کمپنی بدحواسی کی حالت میں ادھر ادھر دوڑنے لگی لیکن انہیں کوئی جائے پناہ میسر نہ آسکی۔ ہر طرف ان کے سامنے موت رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ بھاگ دوڑ میں جانے کتنے فوجی گھاٹی کی نذر ہوگئے تھے اور باقی پہاڑ کے دامن میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے تھے۔ میجر گھاٹی کے قریب ہی ایک پتھر کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ اس کے حواس منتشر ہو چکے تھے۔ وہ اپنے بکھرے ہوئے فوجیوں کو آواز بھی نہ دے سکا۔ اسے موت اپنی طرف آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دھماکہ اور فائرنگ جاری تھی۔ میجر کی کمپنی کے بہت سے فوجی جان بچانے کے لئے گھاٹی کے پتھروں کی طرف دوڑے۔ ان کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن وہ کچھ دیر کے لئے یہ بھول گئے کہ وہ پل صراط کی طرف بڑھے ہیں۔ سب اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ پل صراط پر چل کر پار اتر جائے گا۔ نتیجہ وہی نکلا کہ پھسلے' سنبھلنے کا موقع نہ ملا اور گھاٹی میں گم ہوگئے۔ میجر پر مودا اچانک پتھر کی اوٹ سے نکلا اور دوڑتا ہوا پل صراط کی طرف بڑھا لیکن ابھی قدم بھی رکھنا نصیب نہ ہوا تھا کہ اس کے پاس ہی ایک بم آ کر پھٹا اور وہ ہوا میں اچھلا اور پھر اس کا وجود گھاٹی کی گہرائیوں میں گرنے لگا۔ یہ افتاد یوں اچانک آئی کہ کوئی اس کی چیخ بھی نہ سن سکا۔ پہاڑی کا دامن کٹی پھٹی لاشوں سے پٹا پڑا تھا نہ میجر رہا تھا اور نہ اس کی کمپنی۔ اچانک پہاڑ نعرہ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ ابوقاص مجاہد ساتھیوں کے ساتھ بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں فتح کی چمک کے ساتھ عجیب سی بے قراری بھی تھی۔ وہ بکھری ہوئی لاشوں میں ادھر سے ادھر دوڑنے لگا اس کی بے قرار نگاہیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں پھر اچانک اس کی نگاہیں گڑ گئیں۔ اس کے قدم بھی رک گئے اور وہ دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سامنے پڑی لاش کے چہرے کو سیدھا اور بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کئے۔ میرے دوست میرے بھائی میں نے بہت دیر کر دی میں نے بہت دیر کر دی! وہ سسک اٹھا۔

کلیم گردیزی کے چہرے پر سکون کچھ یوں پھیلا ہوا تھا جیسے وہ بڑی میٹھی نیند سو رہا ہو۔ ابوقاص نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما اور جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ اسے ایسا لگا جیسے حوریں جوق در جوق اس کے استقبال کے لئے آ رہی ہیں' فضا میں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ ابوقاص پر ایک سحر سا طاری ہو گیا۔ اس کے کانوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ میری آنکھیں تمہاری راستہ تکتی رہ گئیں۔ تم نے دیر کر دی دوست' اب میں جا رہا ہوں۔ کچھ بہت ہی پیارے لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میری بے قراری بڑھ رہی ہے اور میں گیا۔ تم اپنا وعدہ نبھانا میں نے تمہیں رقعے میں یہی لکھا ہے تاکہ اب میری پیاری سی بیٹی کی ذمہ داری تمہاری سر ہے۔ میری بیٹی کشمیر کی بیٹی ہونی چاہئے۔ ابوقاص دھیرے دھیرے اٹھا اور گھاٹی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے مجاہد آگے بڑھے اور کلیم کا جسد خاکی اٹھا کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔

انعامی خط۔1

سرورق شاندار تھا بقول شیخ سعدی کام کی چیز تو اندر ہوتی ہے اس لئے اندر کے صفحات کا جائزہ لیا۔ سب سے پہلے تو "کرنیں" سے ابتدا کی جو کہ اندھیرے اور اجالے میں تمیز کراتی ہیں اور روشنی کا پتا دیتی ہیں۔ باطل کے اندھیروں میں اسلام کی روشنی پھیلانے والے خراج تحسین کے مستحق ہیں لیکن ہم اپنے اسلاف کے کارنامے دیکھیں اور ان کا موازنہ اپنے شب و روز سے کریں تو دل خون کے آنسو روتا ہے کیونکہ

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

اداریہ شروع دن کی طرح زبردست اور کڑک دل والوں کی پسند تھا۔ اگرچہ اس کا نام اداریہ بھی ٹھیک ہے لیکن اگر اس کا نام پھول کی نسبت

انسان خطا کا پتلا ہے اور گناہ

سرزد ہو ہی جاتے ہیں

"خوشبو" یا "بیڈ ٹائم سٹوری" کی نسبت "لائف ٹائم سٹوری" ہو تو زیادہ اچھا لگے۔ اداریہ پڑھ کر حضرت موسیٰ کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ہوا یوں کہ موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک ہرنی ملی۔ اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میرا ایک سوال بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچا دو کہ میری زندگی میں مجھے جی بھر کر پانی پینا نصیب ہوگا یا نہیں۔ موسیٰ چلے گئے اور واپسی پر پھر ہرنی سے ملاقات ہوئی تو اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس ہرنی کو چھ سال بعد جی بھر کر پانی ملے گا۔ اس جواب پر ہرنی نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ رب کائنات کا شکر ہے کہ میری زندگی میں ہی مجھے پانی ملے گا۔ عین اس وقت بارش ہوئی اور ہرنی نے جی بھر کر پانی پیا۔ موسیٰ اس بارش سے بڑے حیران ہوئے اور جب طور پر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ ہمیں اس ہرنی کا شکر پسند آ گیا تھا۔

"اور تم جتنا شکر ادا کرو گے ہم تمہیں اتنا ہی نوازتے رہیں گے۔"

ہمارے ایک استاد اکثر کہا کرتے تھے کہ کام کرنے سے عادت بنتی ہے عادت ریاضت بنتی ہے اور ریاضت عبادت بنتی ہے ویسے بھی "انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

"شان شہید شمی" اچھی جا رہی ہے اور مجاہد ہمہ وقت اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ابدی زندگی کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

"مجھے چڑیا بننا ہے" نام پڑھا تو خیال ہوا کہ مصنفہ کہیں پھول فلائنگ کلب شروع کرانے کا ارادہ رکھتی ہیں لیکن کہانی پڑھی تو ان کی صلاحیتوں کی داد دینی پڑی۔

پھول فورم میں کرامت بخاری کا انٹرویو اچھا لگا۔ ہر انسان کو کم از کم اپنے حصے کا کام تو ٹھیک کرنا چاہئے پھر دیکھیں کہ کرپشن اور بدعنوانی ختم ہوتی ہے کہ نہیں لیکن ہم تجربہ کرنے کے بجائے دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔

علی اکمل کی تحریر "گناہ" بہت پسند آئی۔ انسان خطا کا پتلا ہے اور گناہ سرزد ہو ہی جاتے ہیں لیکن گناہوں پر پشیمانی اور توبہ خداوند کریم کا پسندیدہ کام ہے۔ پھول کی یہ بات اچھی ہے کہ وہ اس سلسلے میں تعمیر کے ساتھ تربیت بھی کر رہا ہے۔

پورے رسالے میں کو اب تک سیدھی آنکھ سے دیکھ رہے تھے اس پہلے ٹیڑھی آنکھ کی بڑی شدت سے یاد آئی۔ اعظم یاد کو سیدھا دیکھنے کا شوق ہو گیا ہے یا آرمی والوں نے LOOK FRONT والا فارمولا ان پر استعمال کر دیا ہے۔

"کوئی شعر نیا" اور "واہ کیا بات ہے" کی کیا بات تھی YES ITS ME "ٹیلی فونک کالم" اور "مسکرائیے" ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "سپورٹس گلانس" اچھا جا رہا ہے۔ ہاکی ٹیم کے پوسٹر کا بہت شکریہ۔

بیڈ ٹائم سٹوری پڑھ کر بہت افسوس ہوا بے چارے پھرکی کی پھرکی پھرتے پھرتے پھر گئی۔ ہماری طرف سے پھرکی سے اظہار افسوس کر دیجئے گا۔

الحدیث کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ اس سے ہمیں اسلام کا عملی نمونہ نظر آتا ہے۔ دین توحید و رسالت کے سوا کیا ہے۔ بقول شاعر

جو کرتی ہے جہاں گیری محمد کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ خداوندِ عجم ہو جا

اوہ انعامی خط واہ بھائی خط بھی انعامی ہونے لگے۔ ابن انشاء کے خط بار بار پڑھے لیکن ان میں انعامی خط کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ ممکن ہے انہوں نے لکھا ہو لیکن کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکا ہو۔ (جواد اشرف ملک ..... ہری پور)

انعامی خط۔2

پھول کی بے لوث خوبصورت پیار بھری دنیا میں رہنے والوں کو بابا بلوچ کا سلام' پھول کے تازہ ترین تبصرہ خبر کے ہمراہ حاضر ہے۔

سب سے پہلے اہم خبریں "پھول" ملتان میں حیرت انگیز طور پر 30 کو دستیاب ہے۔ پھول کے ٹاپ لکھاریوں کا گڑھ پاکستانی نیوٹن آصف عزیز کے قوانین کا انکشاف' بیڈ ٹائم سٹوری اور اداریہ میں بھیا جی کی رنگین نگین باتیں' اس کے علاوہ بوچھال کلاں میں یوم آزادی پھول اور دیگر سلسلوں میں بابا بلوچ کے نایاب تبصرے ..... اب تفصیل کے ساتھ ..... اس دفعہ پھول حیرت انگیز طور پر ملتان میں 30 کو دستیاب تھا جس کو دیکھ کر پھول کیڑوں میں خوشی اور حیرت کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ دھڑا دھڑ پھول فروخت ہونے لگے۔ پھول کیڑوں نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ انہیں پھول جلد ملنے لگا ہے۔ آخری خبریں آنے تک پھول کی فروخت جاری تھا۔ اس دفعہ پھول کی STORIES میں چند بلکہ سارے ہی ٹاپ لکھاری جن میں آمنہ' ماریہ' خواجہ مظہر صدیقی' جویریہ' علی اکمل' رابعہ شامل تھیں یوں لگتا تھا کہ جیسے سارے لنگوٹ باندھ' اوساری (Sorry) میرا مطلب ہے کمر باندھ کر میدان جنگ میں اترے ہوئے تھے اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو آزما رہے ہیں۔ عادل صاحب اور اظہر صاحب اپنی تحریروں کے ساتھ ریفریوں کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مگر ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کسی کی تحریر زبردست تھی چنانچہ امید ہے کہ یہ مسئلہ یہیں رہ جائے گا۔ پاکستان کے ذہین ترین سائنسدان آصف عزیز نے نیوٹن کے

ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کسی

کی تحریر زبردست تھی

قوانین پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم یہ قانون اس سے کہیں پہلے اخذ کر چکے تھے بس ذرا غور کرنے کی بات تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے آپ پر (اوسوری) یعنی گدھے پر تجربے کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ نیوٹن نے خوامخواہ بعد میں اپنی سوچ ضائع کی۔ اگر ہم غور کر لیتے تو یہ قانون تو کب کے ہمارے ہاں موجود تھے۔ ان کے اس نظریئے کی بنا پر گدھا ایسوسی ایشن نے ان کے خلاف ایکشن کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ گدھوں پر ان کے تجربات روکے جا سکیں۔ اس دفعہ اداریہ اور بیڈ ٹائم سٹوری پر محبت کی گہری چھاپ نظر آ رہی تھی۔ اداریہ تو ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی دل کے اندر ہی کہیں ٹھہر گیا جیسے حلق میں کوئی نوالہ پھنس گیا ہو۔ مگر اس نوالے سے تکلیف کے بجائے مزہ آ رہا تھا۔ انسان سے ہی ناشکرا تھوڑی سی باری آئی ذرا سی آزمائش آئی شکوہ کرنے بیٹھ گئے۔ اداریہ کے بارے میں کچھ اور کہنا تو ہے مگر بات سے بات نکلتی ہے اس لئے بات یہیں ختم کرتے ہیں صرف اتنا کہتے ہیں کہ فائز سیال صاحب کی باتوں کا اثر نظر آ رہا تھا۔ خاص طور پر بیڈ ٹائم سٹوری پر۔

پھول کے دیگر سلسلوں کے سلسلے میں ملتے ہیں بابا بلوچ سے تو بابا بلوچ مسکرائیے' تو اس دفعہ میرے دانت نکلوانے میں سو فیصد کامیاب رہا۔ اتنے دانت نکالے کہ بتیسی باہر تھی صوفیہ صاحبہ "No Problem" کے ساتھ خوب پٹ رہی ہیں۔ اگر اس میں تھوڑی سی تبدیلی لائی جائے تو پھول میں مزید نکھار پیدا ہو جائے گا سپورٹس گلانس' ارے ہاں کیا بتائیں کیا دن تھے جب اپنے دادا کے ہمراہ کرکٹ کھیلتے تھے' یہ نقلی بتیسی اسی کرکٹ کی گیند کا کمال ہے۔ اب کیا فائدہ گڑے مردے اکھاڑنے کا۔ ٹیلیفونک کالم دیکھو فون تو کیا تھا کیا جواب دیتے ہیں۔ واہ کیا بات ہے یہی ایک سلسلہ ہے جو انسان کے اندر اندر ہی کچھ کر دیتا ہے۔ انسان کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ بیڈ ٹائم' اداریہ کے بعد اس کا نمبر ہونا چاہئے۔ Yes its me میں نت نئے پوز دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مگری کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے البتہ الحدیث کو نظر انداز کرنا' دونوں جہانوں کی نعمت ٹھکرانے کے برابر ہے۔

پھول کے ساتھیو! بابا بلوچ نے اپنے قیمتی رائے سے نوازا اس کے ساتھ ہی مجھے بھی اجازت دیں ارے یہ کیا ..... بھیا خیال کریں ردی کی ٹوکری۔ ارے اس کا منہ بھی اتنا بڑا ہے میرے وجود پر غور کریں ..... خدارا ..... نہیں ..... نہیں ..... ! (ایم آصف بلوچ ..... ملتان)

انعامی خط۔3

کہتے ہیں کہ "انتظار" کرنا بڑا تھکا دینے والا کام ہے لیکن "پھول" کا انتظار تو حقیقتاً بہت لمبا اور شدید ہوتا ہے کیونکہ ہمارے شہر میں پھول کی سواری بادِ بہاری کافی لیٹ ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر ہمیں اپنا یہ پیارا اور رنگ دلارا پھول تب ملتا ہے جب باقی "پھول اور پھولیاں" اپنے تبصرے روانہ کر کے بڑے ذوق و شوق سے دھوبی خط کا انتظار شروع روتے ہیں۔ پھول کا گیارہویں سال کا دوسرا شمارہ ملتے ساتھ ہی رنگوں کی دھنک سی بکھر گئی۔ بھئی میرا مطلب یہ تھا کہ اتنی پیاری اور خوبصورتی سی بچی بڑا Serious ہونا ہر بالکل برا جان تھی۔ "عرفان الحق" کی مرتب کردہ کرنیں واقعی چمکدار تھیں۔ یہ بات تو بالکل سچ ہے نا کہ اگر اللہ سے محبت ہو اس پر بھروسہ ہو تو اللہ میاں کا ذکر بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ نجمہ ناقب کی "گل رحمان" سب سے زیادہ پسند آئی کہ بچے کی سکول لائف سے ہی اس کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ویسے بھی ایثار اور ہمدردی تو ہمارے دین میں بھی سکھائی گئی ہے۔ بظاہر تو اس بات کا کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مجھے اس وقت ممتاز مفتی کی ایک بات یاد آ رہی ہے کہ انہوں نے لکھا تھا کہ "اسلام تو ہماری رگ رگ میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے ہم اسلام کو کیسے بھول سکتے ہیں"۔ بالکل یہی بات تھی جو کہ گل رحمان نے اپنی ٹیچر کی خاطر ایثار کر کے عملی طور پر ثابت کی تھی۔ مسکرایئے پڑھ کر کافی عرصے کے بعد مزہ آ گیا۔ دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا بس اس کے لئے لگن اور سچی کوشش ہونی چاہئے یہ بات خواجہ مظہر صدیقی نے اپنی کہانی "زندگی کی لہر" میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھائی۔ پیاری آپی کا کالم "No Problem" دن بدن زیادہ عزیز ہوتا جا رہا ہے کیونکہ اس میں کئی پرابلمز ایسے بھی تھے جنہوں نے ہمیں بھی پریشان کیا ہوا تھا لیکن آپی کی باتوں اور جوابات سے ہمیں بھی کافی تسلی اور افاقہ ہوا ہے۔ نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا میں آصف عزیز نے بڑی خوبصورتی سے گدھے کو تمام قوانین حرکت میں فٹ کیا ہے۔ لگتا ہے موصوف ذاتی طور پر گدھے کے معاملات کو سمجھنے میں حقیقتاً بہت ماہر ہیں۔ ویسے بھی نیوٹن کا یہی حشر ہونا چاہئے۔ بھئی خود تو مر گیا لیکن ہم جیسے معصوم معصوم بچوں کے لئے یہ سب تجربات چھوڑ گیا بھلا ہم نے تمہیں کہا تھا کہ یہ سب تجربے کرو جواب ہمیں مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ "کوئی شعر نیا کوئی بات نئی" میں وطن کے حوالے سے سارے اشعار اچھے لگے۔

Yes its me کی تصاویر بھی دلچسپ ہوتی ہیں۔ حافظ محمد اشرف کا کام دیکھ کر ہم تو انہیں سچا ہیرا مان گئے بھئی۔ اتنا اچھا بلکہ زبردست کام اور اتنی چھوٹی عمر میں اگر خود نہ دیکھتے تو کبھی یقین نہ کرنے والی بات تھی۔ واقعی ٹیلنٹ تو ہمارے سارے ملک میں بھرا پڑا ہے۔ بس اس کو explore کرنے والی بات کی ضرورت ہے۔ ماڈل اور ایکٹر ظفر علی کی باتیں پڑھ کر خوشی ہوئی کہ شوبز میں اب سمجھدار اور محنت سے کام کرنے والوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دورہ سندھ کے تاثرات کے حوالے سے خصوصی فورم کی روداد پڑھ کر پھول کی ساری ٹیم اور زیادہ پیاری ہو گئی ہے اور یہ تو سچی بات ہے کہ پھول کی کشش کبھی کم نہیں ہوتی پھول نے نہ صرف بچوں کے لئے اچھے اچھے کام کئے ہیں بلکہ اپنے وطن کے دور دراز میں مصیبت میں پھنسے لوگوں کی مالی اور اخلاق طور پر بہت مدد کی ہے۔ آمنہ

آپی کی باتوں اور جوابات سے ہمیں بھی کافی

تسلی اور افاقہ ہوا ہے

انتخاب کی Cookery میں سب سے زیادہ "پوٹی ٹیس" پسند ہیں۔ اشتیاق احمد کی کہانی "سب سے اچھی جیل" بہت اچھی لگی۔ جس میں چور کی فطرت کو بہت خوبصورتی سے اجاگر کیا گیا تھا کہ چور چوری سے تو جاتا ہے مگر ہیرا پھیری سے نہیں۔ Sports glance میں ساری خبریں حرے کی تھیں۔ محمد سرور کے بچپن کا قصہ بھی مزیدار لگا۔ بھئی اس میں اٹھے جو تھے جو کہ ہمیں بہت پسند ہیں۔ "ایڈیٹری ایک دن کی" میں مہمان اداریہ اچھا لگا کہ واقعی بات تو تب ہے نا کہ جب عملی طور پر کچھ کیا جائے جتنی بڑھکیں ویسے ماری جاتی ہیں ان کے بدلے میں اگر کام کیا جاتا تو اب تک ہمارا ملک ایک ترقی یافتہ ملک ہوتا۔ "نی توں داوی" پڑھ کر ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے۔ "شان شہید شمی" تو ہر بار پہلے سے زیادہ اچھی اور پراثر ہوتی جا رہی ہے۔ ٹارگٹ بھی بہت دلچسپ طریقے سے جا رہی ہے۔ "بیڈ ٹائم سٹوری" ہمیشہ کی طرح ایک منفرد طرز کی کہانی لگی۔ "پھرکی" کا کردار بھی ہمارے معاشرے میں جا بجا نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی سوچ درست ہو لیکن تقدیر کے ساتھ ساتھ تدبیر بھی تو ضروری ہے نا۔ ہم لوگ یہ بات بھول گئے ہیں کہ "حرکت میں برکت ہے۔" اگر ہمیں کچھ پانا ہے تو محنت کرنا ہوگی کسی معجزے کے انتظار میں جب کام کا وقت نکل جاتا ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا تو مایوس ہو جاتے ہیں کہ ہماری تو تقدیر ہی خراب ہے۔ (صائمہ نسیم ..... ڈنگہ)

☆ کیا ہوا جو میں بھی ایک بچے کا باپ ہوں ادھر تو دو دو بچوں کی مائیں بھی پھول پڑھتی ہیں۔ اکثر کا پھول اور میرا ہمسر شب کو اکٹھے لے تو دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ (شبیر احمد شبیر اوتر ٹھ محمد پناہ)

☆ اداریہ بھی زندگی کے ایک نئے موضوع لئے ہوئے تھا۔ واقعی کبھی کبھی ایک ماچس کی تیلی بھی ساری لکڑیوں کو آگ لگا دیتی ہے۔ آمنہ انتخاب ایک نئی کہانی "سنگل سٹوری" کی طرف رواں دواں تھیں۔ کہانی پڑھ کر واقعی احساس ہوا کہ واقعی ہر چیز کی ایک خاص مقداری بہتر ہوتی ہے۔ (ثاقب محمود اعوان اٹک)

☆ الحدیث بہت اچھا سلسلہ ہے میں نے قرآن پاک حفظ کرلیا ہے اور اب میٹرک میں پڑھتا ہوں سکول کا کام بہت ملتا ہے لیکن اس کے باوجود پھول کے لئے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ میرے بڑے سکول ٹیچر ہیں اور وہ بھی پھول بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ (حافظ محمد طیب صابر نارووال شہر)

☆ واہ کیا بات ہے، میں اپنا بھیجا ہوا واقعہ "ثبوت" کے نام سے دیکھ کر خاصی خوشی ہوئی۔ مگر بچے نام کسی اور کا لکھا تھا۔ خاصی حیرانی ہوئی — کیونکہ "پھول" سے کسی قسم کی بری توقع تو ہے ہی نہیں۔ (عنبرین اعجاز خوندا پور دھاز یلیان)

(ممکن ہے ان کا بھیجا ہوا واقعہ پہلے ملا ہو اور آپ کا نہ چھپا سا ہو)

☆ "مجھے چڑیا بنا دے" بہت زبردست تھی۔ خالی تقریروں، تحریروں سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ کچھ کر کے بھی دکھانا چاہئے۔ عملی کام بھی کرنے چاہئے۔ جس طرح پھول والے کر رہے ہیں۔ زندگی کی لہر نے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی۔ کہتے ہیں کہ جس نے ایک انسان کی جان بچائی، گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔ نیوٹن کے قوانین حرکت ابھی طرح ذہن نشین کر لیجئے ہیں۔ (محمد فیاض واٹس۔ تلہ گنگ)

☆ yes its me دیکھتے ہی مجھے اپنے بچپن والی تصویر یاد آ جاتی ہے۔ ایکٹر علی ظفر کا انٹرویو پسند آیا اور میں تو حیران ہی رہ گیا کہ ماڈل علی ظفر دیکھنے میں بہت بھولے سے لگتے ہیں لیکن باتیں بہت بڑی بڑی کرتے ہیں۔ "ایڈیٹری ایک دن کی" بہت اچھی لگی۔ (احسان محمود نیلہ۔ نارووال)

☆ نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا کے بارے میں پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ اگر یہ صاحب نیوٹن سے پہلے پیدا ہو جاتے تو لوگ نیوٹن کی جگہ ان کا نام لیتے۔ yes its me میں تصویریں اس دفعہ کافی اچھی تھیں پھول کے سہارے یہ تصویریں بہت اچھی لگی۔ (سمیرا اشتاق اسکہ)

☆ نائل پر بچی کی تصویر اتنی خوبصورت لگی کہ کیا یک منہ سے اللہ کے مناقی نام "الخالق، البارئ، المصور" برآمد ہونا شروع ہو گئے۔ مجھے دل میں اتنا سکون محسوس ہوا کہ ناقابل بیان۔ دل میں خیال اچھلنے لگا کہ یہ اتنی خوبصورت شاہکار صورت اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ وہ خود کتنا پیارا خوبصورت ہوگا۔ پھر پیاری بچی کی آنکھوں پر لگی عینک نے ثابت کیا کہ اسکی آنکھوں میں اک جہاں آباد ہے۔

(ثوبیہ بخاری جہانیاں منڈی)

☆ نیلی فونک کالم میرا پسندیدہ کالم ہے۔ طرح طرح کے لوگوں کی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ مگر افسوس اب کی دفعہ کسی ساتھی کا فون انعامی نہیں ہوا۔ "م۔ا" لاہور سے جو بھی تھیں کی "نی توں دادی" میں بھانڈے پھوٹتے دیکھ کر اپنے بھانڈے پھوٹنے کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ (سمیرا نسیم لاہور)

☆ "کرنیں" "بیڈ نائم سٹوری اور "اداریہ" پر جو میرا تبصرہ ہے غالباً اچھا ہے مگر اداریہ کے لحاظ ایک بات یہ کہ بھیا! آپ اس بچے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ ہی دیتے کیونکہ اچھی بات کہنا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور ہو سکتا تھا کہ وہ ان "نیکی باتوں" کو سمجھ لیتا جنہیں وہ دس بارہ سال سے جان ہی نہ پایا تھا۔

(کاشانہ عالم، کلثوم عالم ہر دو بینہ عالم۔ لاہور)

☆ ماریہ مجید کے "جس" کو پڑھ کر محسوس ہوا کہ "اپنا گھر ہی اچھا ہے" کیونکہ جو محبتیں، چاہتیں ہمیں اپنوں سے مل سکتی ہیں وہ کسی اور سے کہاں "گل رحمان" نجم ثاقب نے اچھا احساس پیدا کیا۔ مومن کی مشترکہ قدریں بتائی۔ لطائف کچھ کچھ بہتر تھے۔ (ایم اقبال چک نمبر 113/10-R)

☆ لطیفے اس دفعہ بھی پھول کی ڈش میں نمک کی کمی دور کرنے میں کامیاب رہے۔ اور الحدیث سے معلومات میں بہت اضافہ ہوا لیکن پاکستان کی ہاکی ٹیم کے پوسٹر کو دیکھ کر ہیر و نازیرو والا محاورہ یاد آ گیا۔ (شاہد بشیر۔ جنڈ)

☆ حافظ محمد اشرف کی خطاطی اور ایکٹر علی ظفر کی باتیں دل کو اچھی لگیں، کالم yes its me کافی دلچسپ رہا خاص طور پر "کیوٹ پکڑنے کی کوشش" "پھول کے سہارے" "حیران کیوں ہو رہے ہیں" اور پہلا تجربہ" پسند آئے، رپورٹ سندھ سے واپسی کا سفر پڑھی شموس الہدیٰ نور کا انداز تحریر ایسا تھا کہ مجھے ایسے لگا کہ میں بھی ان کے قافلے میں شامل ہوں۔ (شہباز اکمل۔ دیپالپور)

☆ میں پھول کی نئی قاری ہوں اور ساتویں کلاس کی طالبہ ہوں مجھے میرے پیارے بھائی مختار احمد جمال مغل جو کہ پھول کے بہت پرانے قاری و لکھاری اور ساتھی ہیں نے مجھے پڑھنے کیلئے تحفہ عنایت کیا سو پھول پڑھنے کے بعد ہم بھی اسی کے ہو کر رہ گئے۔ (نسیم فاطمہ جمال۔ دیپالپور)

☆ پھول ایک طویل انتظار کے بعد ملا تو یوں لگا جیسے ہمیں کوئی بہت ہی قیمتی چیز مل گئی ہو۔ پھول سے میرے تعلق کی ابتداء آج سے دو ماہ پہلے ہوئی جب اتفاقیہ میں نے پھول کو طائف سعودی عرب میں ایک اسٹال پر دیکھا اور جب اس پر اپنے پیارے وطن کا نام دیکھا تو پھول سے ایک تعلق سا بن گیا۔ اس لئے بعد تو میں پھول کا ایک دیوانہ ہو گیا۔ (ایم اے شوکت علی بٹ طائف سعودی عرب)

☆ تمام کہانیاں اے ون تھیں۔ اور نہایت سبق آموز تھیں۔ دل پر گہرا اثر چھوڑ گئیں۔ کرنیں، اداریہ، پھول فورم واہ کیا بات ہے سپورٹس گالپس، نو پرابلم، کوئی شعر نیا کوئی بات نئی اور نگری بہت ہی اچھے سلسلے ہیں۔ (سعدیہ بدیع اللہ منڈیالہ باغوالہ)

☆ واہ کیا بات ہو پڑھ کر بے اختیار منہ سے الفاظ نکل گئے کہ واہ کیا بات ہے۔ نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا تو واقعی پڑھ کر دل کھول کر ہنسا، حاصل ہوا۔

(سید احمد ساجد احسان الٰہی ظہیر سفیان احمد سعید اللہ)

☆ میری طرف سے جویریہ انجم بخت صاحبہ کو شادی کی مبارکباد دیں۔ اب رسالے کی بات کرتے ہیں جو کہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ دوسری بات یہ کہ سالنامے کیساتھ کوئی خوبصورت ساتحفہ ہونا چاہئے۔

(اعظم شہزاد۔ حاصل پور)

☆ جونہی پھول کا ٹائٹل دیکھا تو اس پر ایک ننھی منی بچی کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا بالکل سپرہٹ۔ ڈاکٹر اکبر کی شان شہید بہت اچھی جا رہی ہے۔ اشتیاق احمد کی سب سے اچھی ٹیبل واقعی سب سے اچھی تھی۔ (عطیہ آفتاب، اسما آفتاب۔ لاہور)

☆ علی ظفر بھی کمال کی چیز ہیں ڈرامے کے علاوہ وہ اتنی اچھی باتیں کرتے ہیں مجھے تو یقین نہیں آ رہا تھا۔ البتہ ہم سب نے انہیں بہت پسند کیا۔ زندگی کی لہر بھی کیا ہی لہر تھی دریا میں طغیانی ہو نہ ہو پر ہر وقت ہر جگہ موجود رہتی ہے اس طرح ہمیں زندگی کی لہر سے جو سبق ملتا ہے اس کو تو بھلایا نہیں جا سکتا۔ (توقیر چوہدری۔ شرگڑھ)

☆ ٹائٹل بہت اچھا لگا یوں تو ساری کہانیاں اچھی تھیں لیکن واہ کیا بات ہے۔ پڑھ کر تو مزہ آ گیا۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ (سمیرا منور۔ سیم بھوآنہ)

☆ Cookery..... مجھے اتنی خاص نہیں لگی کہ مجھے گھریلو امور سے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ سوئٹ بتایئے کی لسٹ میں اپنا اور امی کا نام دیکھ کر دل خوش ہوا کہ چلو انعام نہ ہی نام ہی کافی ہے۔ (م۔ا) کی نی توں دادی مزاحیہ اور اچھی کہانی تھی پڑھ کر مزا آ گیا۔ ویسے یہ رائٹر ہی ہیں یا شی۔ مہوش یوسف۔ لاہور

☆ پھول سے دوستی ہوئے ہمیں دوسرا مہینہ ہے۔ پھول سے پہلے ہم نے کوئی بھی رسالہ نہیں پڑھا اور اب اس کو پڑھنے کے بعد کوئی اور پڑھنے کو دل نہیں کرتا ہمیں پھول بے حد پسند آیا۔ ہمارے گھر والے خصوصاً دادی اماں ہمیں رسالوں کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی تھیں۔ پھول کو دیکھنے کے بعد دادی اماں بہت خوشی کا اظہار کیا اور ہمیں پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی۔ (مریم زہرہ۔ بہاولپور)

☆ خواجہ مظہر نواز صدیقی کی زندگی کی لہر بہت پسند آئی۔ کھیل کا صفحہ اور نیلی فونک دل کو بہت اچھا لگا۔ سید نظر زیدی کا کالم الحدیث اور کرنیں تو پھول رسالے کی جان اور پہچان ہیں۔ (شبیر احمد آصف۔ گڑھ فتح شاہ)

☆ سنگل سٹوری، گل رحمان، زندگی کی لہر، سب سے اچھی جیل، سب ہی اچھی تھیں۔ لیکن نی توں دادی تو اتنی مزے کی لگی کہ بس کیا بتائیں، ویسے ہر ماہ اس طرح کی کہانیاں ضرور شائع ہونی چاہئیں۔ (عمارہ طہور۔ جاکے چیمہ)

☆ ممالک کی لمبی لسٹ دیکھ کر مجھے ایک پرانی شکایت یاد آ گئی۔ میں نے کہا تھا ذرا 40 ملکوں کے نام تو بتائیں۔ اس کا مطلب جس طرح دعا، محنت اور جستجو اللہ ہی ضائع نہیں کرتے۔ بالکل اسی طرح پھول والے بھی گئی شکایت اور فرمائش ضائع نہیں کرتے۔ اگر مان سے ہو!!! پیارا سا "ٹائٹل" دیکھ کر بھائی اور امی کو میرا بچپن یاد آ گیا۔ (سمیعہ عارف۔ فیصل آباد)

☆ "ٹارگٹ" کی کچھ سمجھ نہیں آئی۔ کبھی کہانی کا رخ کسی طرف اور کبھی کسی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ اس میں "وعدہ" کی طرح تسلسل ہونا چاہئے تاکہ ایک قسط پڑھ کر اگلی قسط کا انتظار رہے۔ میں تقریباً پھول کا 3 سال سے پڑھتا ہوں۔ لیکن پہلی مرتبہ پھول کو خط لکھ رہا ہوں۔ (اعجاز فاروق طاہر۔ پنڈی سید پور۔ جہلم)

☆ اداریہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ نجانے آپ کے دماغ میں ایسی باتیں کیسے آ جاتی ہیں جو جو دل میں سما جاتی ہیں۔ اگر ہم ایک سوال یاد کریں تو کم از کم دو دن لگ جاتے ہیں۔ مگر آپ کا اداریہ پہلی ہی دفعہ زبانی یاد ہو جاتا ہے۔ شاید آپکو دل پر اثر کرنے کے طریقے اچھی طرح سے آتے ہیں۔ (شبیر احمد ملک۔ ترنڈہ محمد پناہ)

☆ یہ میرا پہلا خط ہے۔ اس سال ماہ جولائی سے "پھول" پڑھنا شروع کیا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ کا رسالہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ لیکن بہت بہتر ضرور ہے۔ جبکہ یہ معاشرہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کی بہترین کاوش ہے۔ (مہوش یاسمین راجپوت۔ لاہور)

☆ ..... "شان شہید شہی" اور الحدیث "واہ کیا بات ہے وغیرہ بہت پسند ہے۔ میرا چچا زاد بھائی بہاول نگر میں منعقد ہونے والے پھول میلے میں اپنے سکول کی طرف سے حصہ لیتا رہا۔ میں نے بھی ان میلوں میں شرکت کی ہے۔ لیکن اس سال حصہ نہیں لیا۔ اب آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (ثمائلہ رحمن ہاشمی۔ بہاولپور)

☆ ..... جو چیز سب سے اچھی ہے وہ ہے "واہ کیا بات ہے" "شان شہید شہی" بھی بہت زبردست ہے۔ اس دفعہ عمران سیریل بولی کی کمی بہت محسوس ہوئی "ٹارگٹ" کی دوسری قسط بھی اچھی تھی۔ (محمد اشتیاق سلیمی۔ قمولہ شریف)

☆ ..... چودھری عبدالخالق کا اپنے پیارے بیٹے وقار خالق کیلئے محبت نامہ پڑھا۔ دل بہت اداس ہوا خدا ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین) ہاکی کے کھلاڑیوں کا پوسٹر بہت پسند آیا۔ کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور سبق آموز بھی۔ (زین حسنان۔ شیخوپورہ)

☆ ..... اس مرتبہ پھول قدرے لیٹ ملا اور جب ملا بھی تو ہم بیمار پڑ گئے۔ اس لئے پورا رسالہ پڑھے بغیر خط لکھ رہے ہیں۔ البتہ آپ (بھیا) کی کہانی "پھر کیا" نے پڑھی اور پسند آئی کیونکہ یہ ایک اچھے موضوع پر تھی۔ (آصف اقبال شاہین۔ وہاڑی)

☆ ..... پھول مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ اسمیں وہ سب کچھ ہے جو میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ میری امی کہتی ہیں کہ یہ میرا بہترین استاد ہے۔ جو میری اچھی تربیت کر رہا ہے۔ مجھے انکی کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے لگتے ہیں۔ (محسن گیلانی۔ اوکاڑہ)

☆ ..... میں چاہے کتنی بھی پریشان کیوں نہ ہوں جب بھی پھول مجھے ملتا ہے تو غموں کو بھلا کر مجھے تازگی اور خوشیوں سے سرشار کر جاتا ہے۔ تو میرے دل سے پھول کے لئے بے انتہا ٹھنڈی میٹھی دعائیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ (طاہرہ جبین۔ سموٹ چودھریاں)

☆ ..... اداریہ تو میرے دل کو بہت اچھا لگا۔ کہانیاں بھی سبق آموز تھیں جن میں سنگل سٹوری "جس" آنے کی حکمت زندگی کی لہر وغیرہ واقعی بہت پسند آئیں۔ لطیفے کوئی شعر نیا واہ کیا بات ہے بہت دلچسپ سلسلے ہیں۔ اس کے علاوہ شان شہید شہی اور ٹارگٹ بھی بہت زبردست چل رہی ہیں۔ (محمد ابراہیم خان۔ ہری پور)

☆ ..... پھول میگزین میں نے بچوں کو مطالعہ کیلئے دیا۔ سب نماز کے پابند اور اچھی عادات کے پروردہ بن گئے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپکی کوششوں کو مزید تقویت عطاء فرمائیں۔ (فرخ بلال۔ چشتیاں)

☆ ..... میں نے آپ سے کہا تھا کہ سرگودھا میں پھول گرلز کلب کا کوئی پروگرام کروائیں۔ چاہے کوئی جگہ ہو۔ ہم سرگودھا کے دوسرے پھول ساتھیوں سے بھی رابطہ کریں گے۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔ (جواب کیسے دیتے۔ آپ تو شدت جذبات میں پتہ لکھنا ہی بھول گئیں)

☆ ..... پھول ہمیں خوشی و اداسی دے کر گیا۔ کم کو بھیا کو پیسے دیکر بھیجا۔ لیکن وہ پھول لیکر نہیں آیا تو کیا دیکھا کہ رات کو ابو جان پھول لے کر آئے وہ ہمیں اسطرح ملا کہ ہم نے رو کر دعائیں مانگی کہ اے اللہ جب ابو واپس آئیں تو پھول لیکر آئیں اور ہم نے خوشی خوشی پھول نکالا کھولا لیکن یہ کیا؟ پھول میں نہ تو ہمارا لیٹر آیا اور نہ ہی ایڈیٹری کی رپورٹ اور نہ ہی کہانی گھر کی رپورٹ (جو کہ ہم نے 14 اگست کو منعقد کروایا تھا۔) (سمیعہ شفیق۔ جڑانوالہ)

☆ ..... وہی ہوا نا بدلتے موسم میں تم نے ہم کو بھلا دیا نا

اسلام آباد سے جاتے ہوئے آپ سے آخری ملاقات نہ ہو سکی جس کی مجھے قطعاً توقع نہ تھی۔ پھر میں نے آپ کو کراچی پہنچتے ہی خط لکھنے کا بھی ارادہ باندھا۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ آج بالآخر کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ آپ سے بہت سے گلے شکوے ہیں لیکن ابھی نہیں کروں گا۔ پہلے تو آپ کی خیریت دریافت

کروں گا۔ٹھیک تو ہیں؟؟؟..... آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے کہ کس سے پالا پڑا ہے؟ تو جناب اس وقت خط لکھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ سے ملنے سے قبل میں نے کچھ اندازے لگائے تھے۔ مثلاً یہ کہ آپ کا حلیہ ایسا ہو گا' کان ذرا لمبے ہوں گے۔ آنکھوں پر ادبی چشمہ بھی ہو گا اور غیر ادبی مونچھیں بھی ہوں گی۔ لیکن مزے کی بات اس میں سے کچھ بھی ٹھیک نہ نکلا۔ آپ تو ماشاء اللہ کافی خوبصورت اور ذہین نوجوان ہیں۔ آنکھوں میں ہر وقت ایسی چمک رہتی ہے جو کسی کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے۔ کہانی کے آپ بلاشبہ بے تاج بادشاہ ہیں۔ ہر تقریر اور بات کہانی ہے۔ لیکن یہ پتا نہیں کہ کہانی سچی ہے یا جھوٹی۔ بہرحال میں نے آپ کو اسلام آباد میں ہونے والے ایڈیٹرز کیمپ کا وزٹ پایا۔ آپ کو انعام کے طور پر ساتھی روانہ کر رہا ہوں۔ امید ہے اسے اپنا ساتھی بنا کر رکھیں گے۔ آپ کا پھول ہمیں نہیں مل رہا۔ آخر میں بقول آپ کے مدیران میں سے کسی کو یہ توفیق نہیں کہ وہ کسی کو خط بھی لکھے تو جناب ایسی بھی کیا بات ہے۔ ہمیں آپ کے پھول کا انتظار رہے گا۔ (میر شاہد حسین مدیر ماہنامہ ساتھی کراچی)

☆.....پھول کی کیا تعریف کی جائے۔ کیونکہ پھول کو جب دیکھا جاتا ہے تو ہم لوگ اسکو دیکھ کر کہتے ہیں۔ کہ یہ پھول کتنا خوبصورت ہے۔ لیکن پھول کی اصل خوبصورتی تو اسوقت معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم اسکی خوشبو کو محسوس کرتے ہیں اور میرے خیال میں خوشبو کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (عالیہ حفیظ۔ آزاد کشمیر)

☆.....پھول کا ایک اور اعزاز واہ کیا بات ہے بہت بہت مبارک باد۔ وہی پرانے تعریفی الفاظ اس لئے میرا یہ خط خط نہ کہیں تو جو کچھ مرضی کہیں مقصد صرف مبارک باد دینا ہے۔ (صفیہ صدیق۔ جہانگیر آباد)

☆.....پھول ایک دیری گڈ رسالہ ہے۔ کہانیاں منفرد ہیں اسکے سلسلے رنگ بکھیرتے ہیں سب سے پہلے کرنوں نے دل و دماغ کو معطر کیا پھر اداریہ نے خاص سبق دیا سنگل سٹوری ایک خوبصورت کہانی تھی۔ عادل منہاج کی کہانی ٹارگٹ بہت پسند آئی۔ (گلاب علی چک نمبر 165مراد)

☆.....بیڈ ٹائم سٹوری اچھی تھی۔ شان شہید شہی اچھی جا رہی ہے۔ اینڈ اچھا چاہے ہیں۔ ٹارگٹ اچھا ناول ہے' مجھے چڑیا بننا ہے۔ فرسٹ' گل رحمان سیکنڈ جس تھرڈ' کہانیاں تو ساری خوب پسند آئیں۔ (عظمیٰ حسین۔ ملتان)

☆.....''اندرون سندھ کے دورے'' رپورٹ اور ''موہنجوداڑو'' کی رپورٹ پڑھ کر ایسا لگا کہ جیسے میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ ہوں۔ جب کبھی کوپن حل کر کے بھیجتی ہوں تو نام غلط ہی لکھتے ہیں۔ (مدنیہ ثمر دودھو چک)

☆.....سب سے پہلے تو پھول کا ٹائٹل دیکھا جس میں معصوم سے بچے کی تصویر نے بہت خوش کیا۔کہانیوں میں گل رحمان' شان شہید شہی مجھے چڑیا بننا ہے اور گناہ بہت اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ ''واہ کیا بات ہے'' نے بہت متاثر کیا۔ (رابعہ لیاقت ۔جڑانوالہ)

☆.....''سندھ سے واپسی'' کی سرخی پڑھ کر احساس ہوا کہ واقعی ہم سندھ سے واپس آگئے ہیں؟ ورنہ سندھ سے آنے والے دوستوں (چندرانی بھائی' بروہی بھائی' ہاقر بھائی) کے خطوط اور پھول میں چھپنے والی رپورٹس نے تو محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ ہم واپس آگئے ہیں۔ محسوس آپی نے بہت ہی سمجھ داری اور سلیقے سے تمام الفاظ واقعات کو موتی کی طرح پرویا ۔(عبدالصمد منظر۔ لاہور)

☆.....پھول آزادی شو کی رپورٹ بھی خوب مزادے گئی۔ (بھیا ایسے پروگرام سب کے تعاون ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن ہمارے یہاں کے لوگ بس بال کی کھال نکالتے ہیں اور آخر میں ان کا جواب نہ میں ہوتا ہے)نی توں دادی بھی اچھی کہانی تھی۔ انعامی لیٹر اچھے تھے پھول اخبار میں اچھی اچھی خبریں تھیں۔ (عابدہ اکرم خوری۔ راجن پور)

☆سنگل سٹوری' سب سے اچھی جیل اور بیڈ ٹائم سٹوری (پھر کی)بہت ہی اچھی تھیں۔ میرا خط پہلے بھی دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے آپ اس میں میرے شہر کی بجائے ضلع کا نام لکھ دیتے ہیں میرے شہر کا نام دلے والی ہے (شہر کا نام لکھنے کے شوقین کو اپنا نام بھول گیا)

☆..... اس بار ''نی توں دادی'' کہانی بہت اچھی لگی۔ ٹارگٹ' نے بھی پھول کو چار چاند لگا دیئے بھیا عادل منہاج کو میری طرف سے مبارکباد۔ (مہ منصور۔فورٹ عباس)

☆پھول پڑھ کر زندگی میں سولہ دن خوشی کا اضافہ ہوا بہت سے رسالے پڑھتا ہوں پر پھول پڑھ کر انوکھی خوشی ہوئی (شہید الرحمان ثانی خٹک کرک)

☆.....زندگی کی لہر گناہ اور ''بیڈ ٹائم'' سٹوری بھی بہت اچھی تھیں۔ ''نوالہم'' میں جس طرح صوفیہ آپی بچوں کے مسائل حل کرتی ہیں قابل ستائش ہے۔ علی فلہ کا انٹرویو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی علی ظفر ہمارے فیورٹ ایکٹر ہیں۔ (مریم بتول کاظمی میرپور)

☆..''ٹارگٹ'' کے آتے ہی جلدی سے صفحات الٹ دیئے کیوں ہم قسطوں والی چیز سے بڑا ڈرتے ہیں کیونکہ یہ بھی پنکھوں کی طرح تیسری قسط تک اپنی اصلیت کھو بیٹھتی ہوں گی۔ کیونکہ ہمیں تو ابھی تک علی سفیان آفاقی صاحب کے خواب ابھی تک یاد ہیں (شہزاد قاسم۔ ترنڈہ محمد پناہ)

☆.....ایک مرتبہ پھر ہمارے پھول نے اعزازات کی دنیا میں میدان مارا۔اور ایشیا اور پیسفک ڈائریکٹری میں براجمان ہو گیا۔ میں تمام پھول ساتھیوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ (محمد مختار احمد جمال مغل دیپالپور)

☆.....آج جو مجاہدین کشمیر میں بوسنیا میں کسووا میں چیچنیا میں افغانستان میں فلسطین میں ایمانی جذبوں کے ساتھ مسلمانوں کی ماؤں بہنوں کے تحفظ کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ کر رہے ہیں امت مسلمہ کے اور میرے وطن کے چمکتے ہوئے ستارے تو یہ ہیں جو جان جیسی قیمتی چیز بھی اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں میرے وطن کو امت مسلمہ کو گلوکاروں اداکاروں کرکٹروں کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (اسما خان۔فیصل آباد)

☆.....مجھے چڑیا بننا ہے تو پھر تیار ہو جاؤ چڑیا تو سردیوں میں بھی بغیر لحاف کے رہتی ہے لیکن ہم کہاں ایسی قوم۔ زندگی کی لہر چلو شکر ہے ہم نے کسی کو زندہ دل اور خوش ہوتے دیکھا۔ نیوٹن کی قوانین اور گدھا۔ چلو چھوڑ دی یہ بھی کوئی بات ہے۔ (شگفتہ ایڈیسہ علی محمد چک دوبرجی)

☆.....اشتیاق احمد کی کہانی ''سب سے اچھی جیل'' سب سے زیادہ اچھی کہانی تھی۔ سیٹھ یاور بیگ نے معاف کر کے ایک اچھی مثال پیش کی اور اشتیاق احمد صاحب نے اس محاورے کو وضاحت کے ساتھ اور صحیح معنوں میں پیش کیا کہ چور چوری سے جاتا ہے مگر ہیرا پھیری سے نہیں۔ (ماریہ قبطیہ لاہور)

☆.....حسب معمول ٹائٹل بہت پسند آیا اور یہ کیا ٹائٹل پر جو ممالک ہیں ان کی فہرست شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی جا رہی ہے ویسے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ پھول پڑھنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹائٹل پر خوبصورت سے بچوں کی تصاویر کی بجائے صرف ممالک کے نام ہی نام ہوں۔ (فوزیہ جاوید آزاد کشمیر)

☆.....''مسکرایئے'' چلیں آپ کہتے ہیں تو مسکرائے لیتے ہیں۔ مردنا ورنہ (لطیفے) تو ایسا کچھ نہیں کہتے۔ ''مجھے چڑیا بننا ہے'' رابعہ ارم شاہ بھی قوم و معاشرہ کی ناہلیوں اور کوتاہیوں پر رنجیدہ ہیں آزادی کا حل پیش کر رہی ہیں زندگی کی لہر مظہر نواز صدیقی کی قسط زندگان بھائیوں سے مشکل حالات پر پیر بخش جیسے موذیوں سے خبردار رہنے کا سبق دے رہے ہیں۔ (ہما ناز گوجرانوالہ)

☆.....سانگرہ والوں کو بھی مبارک ہو عزائم تو ان کے بڑے شاہانہ ہیں خدا انہیں کامیاب کرے۔ رپورٹس شاندار تھیں۔ مفت میں سندھ سے بھی ہو آئے اور گھر بیٹھ کر پروگرام کا مزا بھی لیا ''آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ (مہشر گیلانی لودھراں)

☆''مجھے چڑیا بننا ہے''''گناہ'' ''سنگل سٹوری'' ''زندگی کی لہر'' زیادہ پسند آئیں۔ دیگر تحریریں بھی خوب تھیں مختلف رپورٹس بہت معلوماتی تھیں مستقل کالم اسے دن تھے کچھ ماٹھے تھے۔(ذوالفقار حسین ۔جھاوریاں)

☆.....ٹی وی' وی سی آر' کیبل اور ڈش جیسے پروگراموں نے انسان کو پست اور بے رحم بنا دیا ہے۔انسان اگر خود سنگدل ہے تو دوسروں سے رحم کی کیوں درخواست کرتا ہے۔اگر خود بے رحم ہے تو دوسروں سے کیوں رحم کی توقع کرتا ہے۔یہی دنیا ہے کہ یہ لوگ بے حس ہیں مگر جہاں برے ہیں وہاں ''آٹے میں نمک کے برابر'' نیک بھی ہیں۔ (ثمر ریاض۔ شکرگڑھ)

☆.....میں پھول کا گذشتہ چھ سال سے قاری ہوں لیکن خط شاید پہلی یا دوسری بار لکھ رہا ہوں۔ اس دفعہ کہانیاں زبردست بلکہ بہت ہی زبردست تھیں۔ (''علی'' وزیر آباد)

☆.....آج کل پی اے ایف کوہاٹ میں پریمک لے آخری مراحل میں ہوں باقی جہاں تک تعلق ہے پھول پڑھنے کا تو یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ البتہ لکھنے لکھانے کا سلسلہ تقریباً کچھ سال سے بند ہے۔ ٹارزہ اور ٹائٹل بھی زبردست تھا۔ خاص طور پر تحریریں جو دل کو بھا گئیں ان میں سے نمبر ون آپ کا اداریہ تھا۔ (سبطین احمد شاہد کوہاٹ)

☆.....اس دفعہ کرنیں اور الحدیث بہت پسند آئے۔ بے شک پہلے بھی اچھی ہوتی ہیں لیکن اس دفعہ کچھ زیادہ ہی پسند ہوئی ہیں۔ اور بیڈ ٹائم سٹوری بھی مجھے بہت پسند آئی۔ لیکن بھیا کالم بہت کم ہوتے جا رہے ہیں۔ کومل صدیقی۔ملتان

☆.....ہائیکل بہت ہی خوبصورت تھا سب سے پہلے ہائیکل پر لیٹ بچی کو دیکھتے رہے اور پھر منہ سے بے اختیار نکل گیا واقعی پھول کی ہر ادا سب سے جدا بھیا پھر اپنا نام ڈھونڈنے لگے اور میں اپنا نام دیکھ کر اطمینان ہوا۔ (راؤ ساجد کلیم ماتلی سندھ)

☆.....کوئی شعر نیا کوئی بات نئی میں حسین فاطمہ کی محنت اور عارف اور سمیع چوہدری کے اشعار زبردست تھے۔ سب سے اچھی جیل میں اشتیاق احمد نے جیل کی سیر کروائی۔ گناہ علی اکمل تصوری کی تحریر شاندار تھی واہ کیا بات ہے۔ اور مسکرایئے ڈبلی فونک کالم میں بھیا کی میٹھی میٹھی باتیں پڑھ کر خوش ہوئے۔ سوچنا ضرور میں جو یہ انجم بخت نے سوچ کر اپنی خوبصورت کہانی مکمل کی۔ (شیخ محمد اخلاق کوٹ ادو)

☆.....بسم اللہ پڑھ کر پھول رسالہ اٹھایا اور صوفے پر گر گیا سب سے پہلے کرنیں پڑھیں کرنیں جگ مگ کر رہی تھیں اور دلوں میں نور بکھیر رہی تھیں۔ اس کے بعد اداریہ پڑھا آمنہ انتخاب کی کہانی سنگل سٹوری پسند آئی۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں لیکن ''نی توں دادی'' ٹاپ پر رہی۔ (صہیب انوار لاہور)

☆.....کہانیاں سبھی اچھی اور نصیحت آموز تھیں لیکن ان میں نجم ثاقب کی کاوش گل رحمان بہت اچھی تھی۔ ''ہائے گل رحمان کے صدقے اور اس کی مس پر غصہ آیا دوبارہ کے۔ علاوہ ازیں رابعہ ارم کی مجھے چڑیا بننا ہے زبردست تھی آنے کی حسن ابدوس کیلئے اچھی تھی کہ بیٹا باپ کا بھی استاد نکلا ''نوپرابلم'' کی تو بات ہی چھوڑیں صوفیہ آپی کے جواب دینے کا انداز اور اپنائیت پر بہت پیار آتا ہے۔ ہم انہیں دل کے میٹھے جذبوں کی صداقت کے ساتھ دعا دیتے ہیں کہ وہ اسی طرح دکھی انسانیت کو سکھ بانٹ رضائے الٰہی کے موتی چنتی رہیں۔(ط۔ب۔سیالکوٹ)

☆.....ٹارگٹ جو عادل منہاج لکھ رہے ہیں وعدے کی طرح کامیاب نہیں ہو گی یہ میرا خیال ہے۔ باقی کیا کہتے ہیں مجھے نہیں پتہ نوپرابلم میں آپی بہت ثواب کما رہی ہے۔ نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا جو آصف عزیز نے لکھی ہے واقعی میں تحریر قابل ستائش ہے۔ (اے وسیم خٹک۔ میری کرک)

☆.....نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا' آصف عزیز کی بہت اچھی کوشش تھی۔ آج کے بچے کل کے نیوٹن بنیں گے اور نام پیدا کریں گے ۔ یہ تو بڑوں کی بہت بڑی غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں جنہیں ہمارے بزرگ اچھا سمجھتے ہیں۔ شعر اچھے تھے پسند آئے مجھے سب سے اچھے وزٹ اور انٹرویو لگتے ہیں۔ حافظ محمد اشرف علی ظفر کی خوشگوار باتیں۔ (ہما جبین ہاشمی فیصل ہاشمی قمر ہاشمی جھنگ)

☆.....سندھ سے واپسی کا سفر رپورٹ اچھی تھی۔ مسکرایئے اس دفعہ اچھا نہیں بلکہ بہت ہی اچھا تھا۔ خاص طور پر پہلا لطیفہ شان شہید شہی تو بہت اچھی ہے ٹارگٹ جاسوسی قسم کی ہے۔ سانگرہ مبارک ہو اچھا سلسلہ ہے۔ (قاضی فیض۔ بہاولپور)

☆.....ہاکی کے کھلاڑی ''سہیل عباس'' کا انٹرویو شائع کریں اور ''پھول'' کی رائٹر محترمہ جویریہ انجم بخت صاحبہ کو شادی مبارک۔ وہ شادی کے بعد ہم بچوں کے لئے کہانیاں ضرور لکھیں۔ (مقدس سجاد راولپنڈی)

☆.....واہ کیا بات کو دو صفحوں میں کر دیا میرا دل بڑا خوش ہوا جویریہ انجم بخت کی کہانی بھی اچھی تھی۔ ایڈیٹر بھیا کی بیڈ ٹائم سٹوری تو واقعی بے حد شاندار تھی۔ سید نظر زیدی کی الحدیث تو بے

پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول پھول بڑا مقبول

ہ اچھی ہوتی ہیں۔ (راجہ خالد جڑانوالہ)

☆.....پھول میں سب سے اچھی "گل رحمان" اور "نی توں وادی" لگی۔ دورہ سندھ کی رپورٹ کچھ خاص نہیں تھی شان شہید شمی بھی بہت اچھی جا رہی ہے پھول میں رپورٹس کا زور کچھ کم کردیں۔ (عدنان رسول۔ شکر گڑھ)

☆.....گل رحمان اور زندگی کی لہر بھی اچھی اور سبق آموز کہانیاں تھیں محمد عادل منہاج کا ٹارگٹ بھی اچھا جارہا ہے۔ دورہ سندھ کی رپورٹ بھی بہت زبردست تھی۔ ایسا لگا جیسے ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ (ثوبیہ خانم بہاولپور)

☆.....میں پچھلے دو ماہ سے باقاعدگی سے پھول پڑھ رہا ہوں مجھے پھول بہت پسند ہے میں نے اس سے پہلے کسی رسالے میں خط نہیں لکھا پھول میں بھی پہلی دفعہ لکھ رہا ہوں میں ایک مدرسے کا طالب علم ہوں میری عمر نو سال ہے۔ (محمد حیات مدرسہ حسینیہ قادریہ سعیدیہ بہاولپور)

☆.....پھول کے ہم نشین ٹھہرے ہیں
لوگ ہم بہترین ٹھہرے ہیں
اس سے بہتر کوئی پناہ نہیں
کر کے میں انکھین ٹھہرے ہیں
اس کو خوشبو سے جان لیتے ہیں
ہم بھی کتنے ذہین ٹھہرے ہیں
(سید غضنفر علی لاہور)

☆.....شان شہید شمی نئے کردار کی وجہ سے بہت اچھی تبدیلی آئی ہے۔ ٹارگٹ کی دوسری قسط اپنا اچھا تاثر چھوڑنے میں کامیاب رہی اب اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ دورہ سندھ کی رپورٹس اچھی لگی۔ "گدھا اور توانین نیوٹن" پڑھ کر لگا کہ موصوف گدھے کے بارے میں ایسے جذبات رکھنے والے دنیا کے پہلے انسان ہیں۔ (کرن زریں گل۔ کراچی)

☆.....پھول ٹیم کے دورہ سندھ کی رپورٹ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ ہمارے پیارے پھول نے اپنی خوشبو ریگستانوں میں بھی پھیلا دی ہے۔

لیس اٹس ی کا سلسلہ بے حد اچھا لگتا ہے۔ حافظ محمد اشرف ہیرا کی تصاویر اور ان کی باتیں اچھی لگیں۔

(زاہدہ نورین نیا۔ چناب نگر)

☆.....سندھ کا سفر" پڑھ کر کافی دیر تک کھانستے رہے (بھئی مٹی جو بہت تھی اس لئے) شان شہید شمی بہت اچھا جارہا ہے۔ بھیا مجھے بھی چڑیا بنانے بس ٹھیک ہی تھا۔ "زندگی کی لہر" لیٹ لکھا ہے تب لکھتے جب فٹ پڑا تھا۔ علی ظفر کے خیالات اچھے لگے سنٹرل پیج پر بہت غصہ آیا ٹیم ہار کر آگئی ہے اور آپ نے پوسٹر شائع کردیا ہے۔ غصہ ٹھنڈا تو اور کیا آئے۔

(سعدیہ اقبال غصے میں اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئیں)

☆.....شان شہید شمی بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور ڈاکٹر صاحب کو میری طرف سے بہت بہت مبارک دیں کہ علاج کرنے کے ساتھ اچھے لفظوں سے بھی کھیلتے رہتے ہیں نیوٹن کے قوانین دیکھتے ہی فزکس یاد آگئی اور میں نے سوچا کہ یہ بھی فزکس کی طرح کا ہو گا مگر پڑھ کر حیرت ہوئی کہ گدھے کی مثال دے کر نیوٹن کے قوانین حرکت کو بہت آسان بنا دیا۔

(ثوبیہ ملک۔ کمالیہ)

☆.....یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے مجھے اپنا ممبر بنا لیا ہے اور جب میرے گھر والوں نے یہ بات سنی تو ان کی خوشی کی تو انتہا ہی نہ رہی میرا ممبرشپ کارڈ بن کر آیا تو میرے ابو امی نے ایک دعوت کا اہتمام بھی کیا میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں مجھے ایسے الفاظ ہی نہیں مل رہے کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں کہ آپ نے مجھے یہ سعادت بخشی۔

(خواجہ محمد عمران بشیر۔ بھیرہ)

☆.....وقار خالق کی یاد میں ان کے والد کی نظم بلکہ ان کے جذبات و خیالات بہت درد انگیز تھے وقار تم ہمیں بہت یاد آئے۔ آنکھوں کے سامنے وہ ننھا منا سا بچہ جو "سجرے پھول" میں چنا گوبھی گاتا تھا ماریہ مجید اور مجیب ظفر کی تحریریں اس دفعہ پسند نہیں آئیں۔ کیوں نہیں آئیں بس اپنے معیار کی نہیں لگی ہیں۔

(کلثوم۔ گوجرانوالہ)

☆.....سب سے پہلے میں نے کالج سے آکر بازار سے ماہنامہ پھول خریدا کیونکہ ایک دن پہلے اخبار پر اس کا ٹائٹل دیکھا۔ جس پر ایک سنجیدہ ننھے پھول کی تصویر تھی۔ جو واقعی لاجواب تھی۔

اس میں "پھر کی" اور زندگی کی لہر کہانیاں بہت زیادہ سبق آموز تھیں۔ اس کے علاوہ درمیانی صفحات پر پاکستان کی ہاکی ٹیم کا فوٹو سیشن شاندار تھا۔ (حافظ محمد یاسین قادری۔ بورے والہ)

☆.....یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں پھول کا کس طرح شوقین ہوں کیونکہ یقین کیجئے کہ پھول ہمیشہ پہلے ایک خط کے اندر بھیجی تھیں۔ مختصر یہ کہ ابھی جو فارم برائے عہدیداران بھیجے میرے لئے بہت خوشی کی بات ہے۔ پھول کارڈ میں تو پہلے بغیر کارڈ کے مختلف سکولوں میں جا کر پھول کے قاری تلاش کرتا ہوں۔

مختار ثاقب۔ شرک نکران)

☆.....وقار خالق اللہ بخشے بہت پیارا معصوم بھائی تھا۔ انکل عبدالخالق نے جو محبت نامہ لکھا وہ پڑھ کر آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور ہمارے ابو جان بھی آنکھوں کو صاف کرنے لگے اس عظیم باپ کے عظیم بیٹے کے لئے دعائے مغفرت کی۔ بھیا نہ جانے کیوں کچھ دنوں سے عدنان جہانگیر' ہیرا ناز اور وقار بہت یاد آرہے ہیں اور ان کے لئے دل سے خود بخود دعائیں نکلتی ہیں۔ (تہمینہ شمسن شیخی کے)

☆.....جس" بہترین تھی باقی کہانیوں میں زندگی کی لہر' گل رحمان' گناہ' ٹارگٹ اور جویریہ انجم بخت کی دل کو چھو لینے والی تحریر "سوچنا ضرور" بہت اچھی تھی۔ (شاہد علی نارووال)

☆.....کرنیں' اداریہ' پی برتھ ڈے نو پرابلم Yes its me صفحہ بتائیے پھول بڑا مقبول' پھول اخبار واہ کیا بات ہے وغیرہ جیسی تمام چیزیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ہے خاص کر "پھول اخبار" بہت اچھا جارہا ہے۔ (قمر الزمان ڈوگر۔ فیصل آباد)

☆.....سندھ سے واپسی کے سفر کی رپورٹیں دلچسپ تھیں۔ لیکن ساتھ ہی اداس بھی کر گئیں کہ ہم سے دور رہنے والے سندھی بہن بھائی کتنی بے کسی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ کاش ہر پاکستانی ایک دوسرے کے لئے اتنی ہی محبت کا مظاہرہ کرے جتنا کہ ہمارا پھول کرتا ہے۔ (سعیدہ احسن۔ محلہ ڈنگہ)

☆.....بائیکل پر معصوم سی بچی سن گلاسز لگائے بہت پسند آئی۔ کرنیں واقعی کرنیں تھیں۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں سنگل سٹوری گل رحمان اچھی تھیں۔ ماریہ مجید کی (جس) اور بیڈ ٹائم سٹوری کچھ خاص نہ تھیں۔ (انعام الرحمان۔ گوجرانوالہ)

☆.....کوئی شعر نیا کوئی بات نئی میں بہت اچھے اور خوبصورت اشعار نے تو دل ہی توڑ دیا اور واہ کیا بات ہے اس میں سیدہ طاہرہ کی تحریر یاد خدا ہے زندگی اور "دستک" محمد زبیر ارشد کی تحریر بہت ہی اچھے تھے الحدیث بھی ہمارے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔

(لطف اللہ جمالی۔ جعفر آباد بلوچستان)

☆.....ہمیشہ کی طرح اس دفعہ کرنیں اپنی چمکدار روشنی کے ساتھ جلوہ افروز تھیں۔ ٹارگٹ کہانی ایسی تھی جس نے پھول کو چار چاند لگا دیئے سنگری سب سے اچھی جیل سب بہت اچھی کہانی تھی۔ (مصباح کرن۔ فورٹ عباس)

☆.....بیڈ ٹائم سٹوریز آج کل آپ پرانی دے رہے ہیں۔ بہرحال دوبارہ پڑھ کر بھی اچھا ہی لگ رہا ہے۔ اور پھر اچھی چیز تو پھر ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہے۔

دورہ سندھ واپسی کا سفر اور بوچھال کلاں میں آزادی شو کی رپورٹس بھی اچھی ہیں۔ (شائستہ عطا۔ فیصل آباد)

☆.....نیوٹن کے قوانین حرکت اور گدھا کے موضوع پر لکھی گئی آصف عزیز کی تحریر پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ (ایم بشیر احمد جڑانوالہ)

☆.....ہمیں پھول پڑھ کر ہی اپنے مذہب سے اور اپنے اللہ سے قریب ہونے کا پتہ چلا ہے۔ بھیا ہم بھی دوسرے بہت سے ساتھیوں کی طرح اس نیک کام میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اور ہماری بھی یہ خواہش ہے کہ جس طرح ہم اس سے استفادہ کر رہے ہیں دوسروں کو اس سے متعارف کرائیں۔ ویسے تو پھول میگزین اب دنیا بھر میں پڑھا جاتا ہے۔ (صائمہ جبین۔ نعیمہ نورین نارووال)

☆.....میں پھول کو 1990ء سے پڑھ رہی ہوں۔ اس کے سارے شمارے میرے پاس محفوظ ہیں۔ پھول کے سارے سلسلے بہت اچھے ہیں لیکن اداریہ' بیڈ ٹائم اور ٹیلی فونک کالم تو پسندیدہ سلسلے ہیں۔ کہانیاں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ (آمنہ لطیف۔ لاہور)

☆.....اس بار کا سرورق دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے ننھی بچی بڑی بے نیازی سے کرکٹ کا میچ دیکھ رہی ہو ہاں اداریہ سر کے اوپر سے گزر گیا جو بات میری سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ "اپنا بڑے سے بڑا احسان بھول جاؤ اور دوسروں کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی یاد رکھو"۔

سنگل سٹوری کیا کمال کی لکھی ایسی ہی تحریریں پھول کو بناتی ہیں "پھول بڑا مقبول" (آفتاب احمد بوسہرہ)

☆.....خوشبو سے مہکتا ہوا سب کے دلوں کا راجہ میں بھی اسے خرید کر بھاگا۔ ملی اندر سے ایک "ننھی سی پھول کہانی گھر لودھراں' پڑھا اس کو تین بار نام میرا نکلا صرف ایک بار پھر بھی لکھتا رہوں گا بار بار آخر ایک دن پھر بھی جائیں گے ہار۔ (اعجاز حسین۔ بھٹی لودھراں)

☆.....محمد عادل منہاج کی کہانی ٹارگٹ کی دوسری قسط پڑھی اچھی لگی اور پاکستانی ہاکی اولمپک ٹیم کا پوسٹر بہت اچھا لگا اگلی بار پاکستانی کرکٹ ٹیم کا پوسٹر دیں نی توں وادی اماں اچھی کہانی تھی۔ اشتیاق احمد کی کہانی سب سے اچھی جیل اچھی لگی۔ (بدر جاوید سرکانی محمد رفیق سرکانی ریحان صفدر سرکانی ڈیرہ غازی خان)

☆.....بھیا ستمبر کا شمارہ پڑھا اور اپنا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور یقین ہو گیا کہ آپ واقعی کسی کو مایوس نہیں کرتے بھیا میرا بڑا دل کرتا ہے کہ آپ سے فون پر بات کرنے کو لیکن وائے قسمت کہ دل بھی اس وقت چاہا جب فون کٹ چکا ہے۔ بھیا میں پھول کلب کی ممبر بننا چاہتی ہوں آپ مجھے اس کا طریقہ بتا دیں۔ (ناہید یونس۔ چنگھنیال)

(اپنا مکمل پتہ لکھ کر بھیجیں آپ کو فارم مل جائے گا)

☆.....کرنیں تو پھول کی جان ہوتی ہیں اداریہ بھی خوب داد کا مستحق ہے کہانیوں میں سنگل سٹوری جس' مجھے چڑیا بننا ہے ٹارگٹ اور شان شہید شمی اپنی نوعیت کی بہترین کہانیاں تھیں۔

(اشفاق چیمہ۔ برج چیمہ)

☆.....پھول کی بھینی بھینی خوشبو دل کو معطر کر گئی آنکھوں میں خوشی کے آنسو مجھ سے دیکھے نہ گئے ٹائٹل پر پھول سی پیاری بچی کی تصویر آنکھوں میں رنگین چشمہ لگائے نہ جانے کس دنیا کا نظارہ کر رہی تھی۔ جس سے پھول میں چار چاند جگمگا اٹھے۔ آمنہ احتساب کی کہانی سنگل سٹوری دلچسپ تھی۔ (شیخ رؤف رزاق کوٹ ادو)

☆.....اشتیاق احمد صاحب کی کہانی سب سے اچھی چل موضوع اچھا تھا لیکن اگر اشتیاق صاحب ہم ہم میں بچ بچ ہی اور ن ن نہیں ختم کر دیں تو ان کی کہانیوں کا حسن بھی بڑھ سکتا ہے مجھے چڑیا بننا ہے بہت اچھی کہانی تھی۔ (مدیحہ سعیدی۔ بہاولپور)

☆.....پھول رنگ دیکھے تو بڑی بڑی خوبصورت کہانیوں سے تعارف ہوا ہم نے کہانیوں سے تو یہی کہانیاں اچھی لگ رہی ہیں لیکن پڑھنے سے ہی پتہ چلے گا کہ کہانیاں کس طرح کی ہیں سب سے پہلے کرنیں اور اداریہ پڑھا اور واقعی یہ دونوں چیزیں تو اپنی مثال آپ ہیں بہت ہی اچھی ہوتی ہیں۔ (حافظ محمد یونس۔ جنڈیالہ باغوالہ)

☆.....پھول فورم میں کرامت بخاری کی باتیں بہت ہی اچھی لگیں بہ نسبت علی ظفر کے اتنے اونگے بونگے بندے رہنے دیا کریں بلانے سے۔ "گل رحمان" بھی بہت اچھی تھی۔ اور سنگل سٹوری بھی۔ "واہ کیا بات ہے" اب پہلے کی طرح جاندار ہوتا جارہا ہے۔ پچھلے تین چار مہینوں سے تو بور ہی ہوتا جارہا ہے۔ (صدف حنیف۔ جڑانوالہ)

☆2000ء کا شمارہ ملا۔ پھول اپنی خوشبو کے ساتھ پھر مہک اٹھا واہ کیا بات ہے۔ لیٹنے ابھی دروازہ کھلا تھا کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ ٹارگٹ کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ پڑھ کر ڈر لگنے لگا۔ (جویریہ تبسم۔ فورٹ عباس)

☆آصف عزیز کی تحریر پڑھ کر بہت ہنسی آئی واہ کیا نیوٹن حرکت بتائے ہیں۔ پھول فورم میں بادل اور ایکٹر علی ظفر اور کرامت بخاری سے مل کر خوشی ہوئی۔ واقعی اچھا ادب انسانی ذہن کی تربیت کرتا ہے۔ اور شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔ (سیدہ سعدیہ کنول۔ چنیوٹ)

☆اس دفعہ رسالہ کوئی خاص نہیں تھا صرف آپ کے عظیم سفر نامے اچھے لگے (دورہ سندھ اور واپسی) ہاں یاد آیا بیڈ ٹائم سٹوری بھی اچھی تھی۔ اس کے علاوہ آپ سے گزارش ہے کہ سپورٹس گالف کورد صفحوں پر کر دیں اور پھر جو کھلاڑیوں کی پی برتھ ڈے لکھی جاتی ہے وہ کچھ کی تو ہوتی ہے لیکن کچھ کی نہیں۔ (کوکب نوشین۔ مانہ احمانی)

صحافتی دنیا میں بچوں کا پہلا نیوز پیپر

پھول اخبار لاہور

ایڈیٹر اختر عباس

ترنڈہ محمد پناہ میں پھول کلب کی محفل مسکراہٹ کی جھلکیاں

20% نے جدت اور مسلسل تبدیلیاں، 15 فیصد نے عمدہ کہانیاں، 3% نے کلب کی سرگرمیوں، 10 انٹرنیٹ دستیابی، 15 نے تمام سلسلوں کو بتایا وجہ کی تلاش سروے

پھول کی مقبولیت زندگیوں پر مثبت سوچ کی وجہ سے ہے

46 فیصد پڑھنے والوں کی رائے

پھول ٹیم کی ذہنی ہم آہنگی اور پرخلوص محنت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ایک رائے پھول نے سوچوں ہی نہیں زندگیوں کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے قارئین کا اتفاق

رپورٹ (سید غضنفر علی) ملک بھر سے پھول کے قارئین نے پھول کی پسندیدگی کی وجوہات بتائیں پھول نے سوچوں کو ہی نہیں زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے گزشتہ سے پیوستہ ماہ پھول اور روزنامہ نوائے وقت میں ایک کوپن شائع کیا گیا تھا جس میں 6 مختلف وجوہات بتا کر قارئین پھول سے پوچھا گیا تھا کہ وہ کس وجہ سے پھول کو پسند کرتے ہیں۔ نتائج کو مرتب کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ اور میں حیران رہ گیا کہ قارئین میں کس قدر یکسوئی ہے کہ پھول کی کس خوبی نے انہیں مسحور کر رکھا ہے۔ نتائج کے مطابق 20 فیصد قارئین پھول کو اس کی جدت اور مسلسل تبدیلیوں کے باعث پسند کرتے ہیں۔ پندرہ فیصد پھول کی عمدہ کہانیوں کو پسندیدگی کی وجہ بتایا۔ پھول کلب کی سرگرمیوں کو پسند کرنے والوں کی تعداد 3 فیصد انٹرنیٹ پر دستیابی کو 1 فیصد نے پسندیدگی کی وجہ بتایا۔ ایسے ساتھی جنہوں نے 6 کی 6 وجوہات کو پھول کی مقبولیت کا باعث بتایا وہ 15 فیصد ہیں اور سب سے زیادہ تعداد یعنی 46 فیصد نے پھول کی مثبت سوچ اور زندگیوں کو تبدیل کرنے کے اثرات کو مقبولیت کی اصل وجہ بتایا ہے۔ پھول میں جدت اور مسلسل تبدیلیاں: 20%

پھول کی مثبت سوچ کا زندگیوں پر اثر: 46%

پھول کی عمدہ کہانیاں: 15%

پھول کلب کی سرگرمیاں: 3%

انٹرنیٹ پر پھول کی دستیابی: 1%

جنہوں نے تمام سلسلوں کو پسند کی وجہ بتایا: 15%

کچھ ساتھیوں نے اپنی اپنی ایک پسند کی وجہ بھی بیان کی ہے جو بڑی دلچسپ ہیں ان میں ایک بچے نے لکھا ہے کہ آئی لو پھول ایک بچے نے پھول ٹیم کی ذہنی ہم آہنگی اور پرخلوص محنت کو اس کی کامیابی کی وجہ قرار دیا کچھ نے پھول کو نزول الحدیث کو باعث پسندیدگی قرار دیا جبکہ باقی اکثر دوستوں نے ایڈیٹر بھیا کو پھول کی پسندیدگی کا باعث بتایا۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ ہمیں جس پھول کی بدولت اتنی خوشیاں اور آسانیاں ملیں ہیں اسے اور بھی خوشبو اور کامیابیاں عطا کر۔ اس نے واقعی بہت سارے لوگوں کی سوچوں اور زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے اور مایوسی سے نکال کر

باقیہ صفحہ 67 پر

لاہور کہانی گھر کا لوک کہانی پروگرام

پھول کلب ملتان کے پروگرام کی جھلکیاں

پھول "کلب" مستقبل "سنوارنے کیلئے کام کر رہا ہے: وہاڑی میں پھول شو

شوگل محمد آئیڈیل پبلک سکول میں ہوا۔ وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جو دوسروں کی بھلائی کا کام کریں پھول کلب خوش قسمت ہے

وہاڑی (پھول رپورٹر) گزشتہ دنوں پھول کلب وہاڑی کے ممبران نے پھول جہاد کشمیر فنڈ کیلئے 5000 روپے نقد اور چھ بوری سے زائد کپڑے اکٹھے کئے۔ پھول کلب وہاڑی کے محرکن صدر ذیشان شیخ نے پھول کلب پاکستان کے انچارج محمد اعظم ساہی سے ایک ملاقات کے دوران یہ عطیات انکے حوالے کئے۔

پھول کلب وہاڑی نے 5000 روپے اور 6 بوری کپڑے جہاد کشمیر کیلئے جمع کروائے

پھول گرلز کلب بوچھال کلاں نے چکوال کی تاریخ کی سب سے کامیاب واک کروائی

بوچھال کلاں (رپورٹ ہمارا کرام) پولیو ورکرز پر پھول گرلز کلب بوچھال کلاں کے زیر اہتمام سے ایک واک منعقد ہوئی۔ یہ واک گورنمنٹ ہائی سکول سے شروع ہو کر رورل ہیلتھ سنٹر بوچھال کلاں پر ختم ہوئی۔ واک میں علاقے کے 10 سے زائد سکولوں کے طلباء و طالبات، معزز شہریوں اور محکمہ کے اہلکاروں نے حصہ لیا۔ علاقے کے لوگوں کے مطابق یہ واک چکوال ضلع کی سب سے بڑی اور منظم واک تھی۔ واک کی قیادت ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر چکوال ڈاکٹر فردوس شاہ اور ایم ایس ڈی ایچ کو چکوال ڈاکٹر اقبال کھوٹ نے کی۔ واک کے اختتام پر مقامی سکول کے بچوں نے پولیو کے بارے خاکہ پیش کیا۔ فن بچوں میں اول انعام مقلدہ اکیڈمی منارہ کی انم منیر نے حاصل کیا۔ جبکہ دوسرے نمبر پر شاہین اکیڈمی میانی کے عدیل اعجاز رہے۔ پولیو کے بارے سوال و جواب کا مقابلہ بھی تھا۔ یہ مقابلہ المصطفےٰ ہائی سکول بھلیال کے کاشف نے جیت لیا۔ ایک خصوصی انعام پولیو کے بارے خوبصورت خاکہ پیش کرنے پر جناح اکیڈمی بوچھال کلاں کے شکیل نے حاصل کیا۔ اسکے علاوہ سب سے منفرد نعرے کا انعام شاہین اکیڈمی میانی اور سب سے خوبصورت بلے کارڈ کا انعام نیو جناح اکیڈمی بوچھال کلاں نے حاصل کیا۔ واک کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر چکوال نے "پھول کلب" کی سرگرمیوں کی تعریف کی۔

اہتمام: ذیشان شیخ معاونین: حافظ محمد جمیل، بلال اسلم، مزمل سلیمی

رپورٹ: ذیشان اختر پھول کلب وہاڑی کے زیر اہتمام گزشتہ دنوں گل محمد آئیڈیل پبلک سکول میں ماہنامہ پھول کا تعارفی پروگرام پھول شو منعقد ہوا۔ پروگرام کی صدارت پرنسپل لورہ ہذا ملک قصور احمد نے کی جبکہ مہمان خصوصی P.S.A وہاڑی کے صدر چوہدری فیض رسول تھے۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا یہ سعادت ذیشان نواز نے حاصل کی۔ دنیا کے سب سے پیارے انسان حضرت محمد ﷺ کی شان میں ہدیہ عقیدت مقصود احمد نے پیش کیا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ نے کہا کہ پھول اور پھول کلب ملک کے مستقبل (بچوں) کو سنوارنے کیلئے ملک بھر میں تربیتی ورکشاپوں پر کام کر رہا ہے انہوں نے کہا کہ پھول نے سوچ کا انداز بدل دیا ہے۔ احسن اخلاق نے خوبصورت ملی نغمہ سنا کر خوب داد وصول کی۔ علی اخلاق اور بلال چوہدری نے نشیات کے موضوع پر ایک خاکہ پیش کیا، چھٹی کلاس کے بچوں نے مشہور ملی نغمے ہم پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں پر خوبصورت پریڈ پیش کی۔ آرمی ڈریس میں ملبوس ان چوں کا انداز سب کو بھایا۔ پروگرام کے صدر ملک قصور احمد پرنسپل لورہ ہذا اور مہمان خصوصی چوہدری فیض رسول صدر P.S.A وہاڑی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی بھلائی کیلئے اپنا آپ وقف کر دیتے ہیں، اور اس خوش قسمتی کا بہت سارا حصہ پھول اور پھول کلب کے حصے میں آیا ہے۔ آخر میں پروگرام میں حصہ لینے والے بچوں میں انعامات تقسیم کئے گئے۔

پھول کلب کوٹ لدو کے افتتاحی پروگرام کی تصویر

پھول کلب جنوبی پنجاب کی کابینہ

وہاڑی (پھول رپورٹر) پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ نے صدر پاکستان پھول کلب اختر عباس اور انچارج پاکستان پھول کلب محمد اعظم ساہی کی خصوصی ہدایات پر پھول کلب جنوبی پنجاب میں مندرجہ ذیل ساتھیوں کی ذمہ داریاں لگائی ہیں! جانب صدر محمد طاہر عظیم چوہدری فورٹ عباس، جنرل سیکرٹری عبدالجبار عباسا ہوال، جوائنٹ سیکرٹری جاوید اقبال تبسم جلالپور پیروالا، امید ہے کہ یہ ساتھی اپنے علاقوں میں پھول کے پیغام کو مزید پھیلانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کا پہلے سے بہتر استعمال کریں گے۔ علاوہ ازیں پھول کلب وہاڑی کے تحت فخر شیخ پھول تعلیمی بورڈ کا نام تبدیل کر کے پھول ایجوکیشن پرائز لیس بورڈ رکھ دیا گیا ہے اور اسکا دائرہ کار جنوبی پنجاب تک بڑھا دیا گیا ہے۔ پھول ایجوکیشن پرائز لیس بورڈ کے چیئرمین ممتاز ماہر تعلیم میاں محمد غضنفر سلیمی ہونگے۔ جبکہ جنوبی پنجاب کے تمام پھول کلبوں کے صدور اپنے اپنے شہروں میں پھول ایجوکیشن پرائز لیس بورڈ کے کوآرڈینیٹر ز ہونگے۔

پہلا آل پاک پتن انڈر 18 پھول کرکٹ میلہ 2000ء

زیر اہتمام و نگرانی: راؤ محمد عظیم لیاقت چیف آرگنائزر: راؤ محمد سلیم لیاقت رپورٹ: راؤ اظہر خلیل، راؤ محمد نعیم لیاقت تعاون: کاسک سپورٹس اینڈ جنرل سٹور، فیئر اس ایجوکیشنل ٹیلیکس، ماہنامہ پاک پتن ٹائمز، فوجی فرنیچر سروس، خان ڈسپلر ٹیکسٹائل سٹور، ظفر میڈیکل سٹور، عرشی میڈیکل سٹور، القاسم لیبارٹری، البدر پبلک سکول، پنجاب کیڈٹ سکول سسٹم۔ پھول کلب پاک پتن نے بھی میٹرک کے پیپر دے کر فارغ ہونے والے طلباء کے لئے ایک تفریحی کا اہتمام کیا اور "پھول" کرکٹ میلے کروانے کا پروگرام بنایا۔ اس کے لئے عمر کی حد 18 سال مقرر کی گئی اور بے شمار انعامات رکھے گئے۔ ٹورنامنٹ میں 20 ٹیموں نے شرکت

بقیہ صفحہ 67 پر

کوٹ ادو میں پھول گرلز کلب کا افتتاح کہانی گھر سے مشترکہ پروگرام

ایک تیر میں چار شکار

ہر خاص موقع پر پروگرام کرانے کا اعلان : پروگرام میں ملتان سے آئی ہوئی آنیاں بھی شریک ہو گئیں کہانی گھر بھی ہو اسبچوں کو انعامات ملے

رپورٹ و اہتمام :۔ حنا خان نیازی معاونین :۔ سندس، عروج فرحان خصوصی تعاون :۔ بھائی ذیشان، بھائی لقمان، بھائی شفیق تحصیل کوٹ ادو میں جشن آزادی کے حوالے سے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا۔ جو کہ چار حصوں پر مشتمل تھا۔ یہ پروگرام ریلوے ریسٹ ہاؤس میں ہوا۔ ریسٹ ہاؤس کو جھنڈیوں اور جھنڈوں وغیرہ سے سجانے کی ذمہ داری بھائی شفیق، بھائی ذیشان نے نہایت سلیقے سے نبھائی۔ کمپیئرنگ کے فرائض حنا نیازی یعنی کہ ہم نے سنبھالے۔ لفنفر علی خان نیازی مہمان خصوصی تھے۔ تلاوت اور نعت کی سعادت فرحان نے حاصل کی۔ اس کے بعد پروگرام کے پہلے حصے کا آغاز ہوا جو کہ یوم آزادی کے سلسلے میں تھا۔ سب سے پہلے ہم نے پاکستان کی سلامتی کے لئے ایک دعائیہ نظم پڑھی۔ پھر سندس، عروج اور ہالہ نے ملی نغمہ "تیرا پاکستان ہے یہ میرا پاکستان ہے" گایا۔ رامش نے "روں دوں" پر ٹیبلو پیش کیا۔ بلیاب، میمونہ، سحاب اور غزل نے چاروں صوبوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک ٹیبلو کیا۔ جسے بچوں نے بہت سراہا۔ آخر میں فرحان نے بچوں سے پاکستان کے متعلق چند سوالات پوچھے۔ اس طرح اس حصے کا اختتام ہوا۔ پروگرام کا دوسرا حصہ چھوٹے بچوں کے مقابلوں پر مشتمل تھا۔ تاش، غزہ، ذرنین کے ملی نغمہ روانے کا مقابلہ ہوا۔ جس میں تاش کو مسٹ پرفارمنس اور باقیوں کو

باقیہ صفحہ 67 پر

پھول کلب ترنڈہ محمد پناہ کی محفل مسکراہٹ حاضرین کا ہنس ہنس کو برا حال ہو گیا

سٹیج پر اچانک ہنسی کا طوفان پھوٹ پڑا نظمیں خاکے اور مزاحیہ ڈرامے پیش کئے گئے

رپورٹ :۔ سیف الرحمان فاروقی تعاون :۔ شاہین آئیڈیل پبلک سکول انتظام :۔ محمد شہزاد قاسم، اختر ملک، شبیر احمد، عبدالرحمان ہنسی علاج غم ہے۔ پھول کلب ترنڈہ محمد پناہ نے غم کا علاج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس لئے ہم نے ایسی محفل منعقد کرنے کا فیصلہ کیا جس میں صرف ہنسی کا غول بالا ہو۔ پھول کلب ترنڈہ محمد پناہ کی طرف سے یہ محفل مسکراہٹ شاہین آئیڈیل پبلک سکول میں منعقد کی گئی۔ یہ محفل مسکراہٹ ایسی شاندار اور جاندار تھی کہ اس محفل کی خاص طور شاہین آئیڈیل پبلک سکول کے تعاون سے مووی بنائی گئی۔ تلاوت کلام پاک محمد یوسف حنیف نے حاصل کی۔ اس کے بعد نعت شریف محمد شاہد نے۔ وائس پرنسپل محمد شاہد فیض نے سپاسنامہ پیش کیا۔ اس کے بعد سٹیج پر ہنسی کا نہ تھمنے والا طوفان پھوٹ پڑا۔ ہنسی کا یہ طوفان سجاد، رمضان کی مزاحیہ نظم سے شروع ہوا۔ اس کے بعد مزاحیہ خاکہ "میں ویساں" محمد یوسف، محمد سجاد منور نذیر اور زاہد فیض نے پیش کیا۔ کمپیئرنگ کے فرائض فرحان ارشد، محمد عقیل اور سیف الرحمن فاروقی نے باری باری سر انجام دیئے۔ اس کے بعد مزاحیہ تقریر آج کا نوجوان سنا کر شہزاد رمضان نے دلو کمیلی۔ بعثری رحمان نے "کینی دھاکہ" کے عنوان سے مزاح سے بھرپور نظم کا دھاکہ کیا۔ سمیرا انجم نے کشمیر کے عنوان سے ایسی تقریر سنائی ایسی کہ سب دم خود رہ گئے۔ اس کے بعد ایک مزاحیہ خاکہ "کبوتر باز" پیش کیا گیا۔ اس خاکے میں اصل والے کبوتر بھی استعمال کئے گئے تھے۔ اس خاکہ میں یہ

باقیہ صفحہ 67 پر

ہم زندہ قوم ہیں جنوبی لاہور پھول گرلز کلب کی خصوصی تقریب

پاکستان پر خصوصی تقریریں ہوئیں بچوں نے ملی نغمے خاکے اور ڈرامے پیش کئے

اہتمام :۔ عائشہ نذر احمد محمد نذر قادری (پرنسپل امپیریل اکیڈمی اچھرہ) کمپیئرنگ :۔ نرمین گوہر، تنزیلہ قادری صدارت :۔ انور گوہر، طارق عباس چوہدری پینل :۔ محمد اشعر، ندیم احمد، نعمت اللہ رپورٹ :۔ نزہت نذر، عائشہ نذر پھول گرلز کلب جنوبی لاہور کے زیر اہتمام ایک خصوصی تقریب امپیریل اکیڈمی میں منعقد کی گئی۔ مقررہ وقت پر تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا جس کی سعادت عمران عارف نے حاصل کی۔ نعت رسول مقبول احمد حسن نے پیش کی۔ پرنسپل امپیریل اکیڈمی محمد نذر قادری نے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور پھول کلب پاکستان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی کاوشوں کو سراہا۔ اکیڈمی کے طلباء اور طالبات کے درمیان پاکستان کے حوالے سے تقریری مقابلہ شروع ہوا۔ جس کا بنیادی مقصد بچوں میں پاکستان کے متعلق شعور اجاگر کرنا تھا۔ سفیان شفیق نے پاکستان کے موضوع پر تقریر کی۔ اس کے بعد اشبہ گوہر نے سٹیج پر آکر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اتھم، مدیحہ اور فاطمہ نے اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں' ملی نغمہ پیش کیا۔ امیرہ شفیق و قاص اور شاہ سلیم نے "پاکستان ماضی اور حال کے آئینے میں" کے موضوع پر زبردست تقریریں کیں اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی پوری پوری کوشش کی۔ بچوں نے "اتحاد میں برکت ہے" کے موضوع پر ایک بہت خوبصورت خاکہ پیش کیا۔ نرمین گوہر جو کہ پروگرام کی کمپیئر بھی تھیں "تیرا پاکستان ہے یہ میرا پاکستان ہے" پر بہت خوبصورت پیروڈی پیش کی۔ اس کے بعد علی نذر، مس فوزیہ، فیصل اور شہزاد نے "پاکستان کی ترقی میں طلباء کا کردار" کے موضوع پر پرجوش تقریریں کیں۔ مدیحہ طارق مزیدار خبروں کے ساتھ حاضر ہوئیں۔ اور اس قدر دلچسپ خبریں سنانے پر خوب داد وصول کی۔

پھول کلب ملتان کے ممبر کا اعزاز

عبدالمعید بھلہ والد غلام یٰسین بھلہ نے امسال منعقدہ امتحان سالانہ F.A میں گورنمنٹ کالج حسن روڈ ملتان سے 1200 میں سے 789 نمبر لے کر جنرل سائنس گروپ میں اول آئے۔ ان کی کامیابی پر پھول کلب ملتان نے انہیں مبارکباد دی ہے۔

ملتان کلب کے زیر اہتمام پھول چناب شو

سیر کا پروگرام اچانک ہی فنکشن میں بدل گیا آس پاس پھرنے والے بھی شریک ہو گئے

رپورٹ : مدیحہ ظہور بھلہ جب سے میں پھول کلب میں شامل ہوئی ہوں، میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں بھی پھول کے پیغام کو عام کرنے کیلئے اسکی خوشبو کو ڈائریکٹ اپنے ہاتھوں سے پھیلاؤں یعنی کوئی پروگرام منعقد کروں۔ اور پھر میری یہ خواہش اچانک اس وقت پوری ہو گئی جب گزشتہ دنوں میں دریائے چناب کی سیر کو گئی ہوئی تھی۔ اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ چونکہ سب لوگ موجود تو ہیں ہی، کیوں نہ اس پکنک کو یادگار بنا لیا جائے۔ چنانچہ پکنک و ہوپ میں اپنے خیالوں کے ساتھ سب کو آگاہ کیا گیا تو سب نے میری چھوٹی سی خواہش کی پرزور تائید کی۔ کمپیئرنگ کے فرائض بلدو لت نے سنبھالے اور عروج فاطمہ کو تلاوت کلام پاک کیلئے بلایا گیا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت نیلم، کنول، اور نیہ اور منیب نے حاصل کی۔ میں نے تفصیلاً پھول کلب اور اسکی اہمیت اور افادیت کے

باقیہ صفحہ 67 پر

سیالکوٹ میں پھول کا آزادی شو

پھول کلب ملتان کے زیر اہتمام اسلامک ماڈل ہائی سکول میں خصوصی تقریب "ہم سب ایک ہیں"

رپورٹ (آصف رضا بلوچ) معاون' آصف اقبال صدیقی' تعاون اسلامک ماڈل سکول' پھول کلب ملتان کے زیر اہتمام ایک خصوصی تقریب بعنوان "ہم سب ایک ہیں" پچھلے دنوں اسلامک ماڈل ہائی سکول میں منعقد ہوئی۔ تقریب کی صدارت پرائیویٹ سکولز آرگنائزیشن کے جنرل سیکرٹری محمد اسلام شاد کر رہے تھے جبکہ مہمان خصوصی خو□ مظہر صدیقی صدر پھول ملک پنجاب اور ماہر تعلیم ظفر سلطان تھے۔ تقریب میں شرکت کے لئے بچوں کی کثیر تعداد لوائی ہوئی تھی۔ نظامت کے فرائض شاہد پروین اور نسرین صدر نے سر انجام دیئے۔ تقریب کا باضابطہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ محمد نبیل نے

باقیہ صفحہ 67 پر

بقیہ: سرورق

امید "یقین اور اللہ جی کی محبت سے جوڑ دیا ہے۔

انعامات کی تفصیل 1- شاہد اقبال تولب شاہ (دل کلاک)

2-ارج نصیر ڈار، اسماعیل خان (دل کلاک)

ساتھیوں کی شرکت اور تعاون کے باعث انعامات کی تعداد بڑھ گئی کردی گئی۔۔۔ خصوصی انعامات

1- سید محب علی کھر کراچی سیکٹر A-14 میٹرو ویل (انعامی کتب)

2- حامد حمید گولاڑچی ضلع بدین (انعامی کتب)

3- محمد زمان خٹک کروڑ ضلع لعل (کرکٹ بیٹ)

4- خنویر احمد ایجرس روڈ لاہور (کرکٹ بیٹ)

بقیہ: کرکٹ میلہ

کی۔ اختتامی میچ بگ ایون کرکٹ کلب اور پاک کرکٹ کلب کے درمیان ہوا اس کے مہمان خصوصی سعید احمد چشتی صاحب چیف ایڈیٹر ماہنامہ پاکستان ٹائمز تھے۔ یہ میچ پاک کرکٹ کلب نے 9 رنز سے جیت لیا۔ ٹورنامنٹ کے بیسٹ 14 جون کے جاری رہے۔ 16 جون کو پہلا سیمی فائنل کھیلا گیا جس کی مہمان خصوصی شخصیت پیر عبدالحفیظ چشتی صاحب معاون خصوصی پھول کلب پاکستان و سابقہ ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر تھیں۔ دوسرا سیمی فائنل 18 جون کو کھیلا گیا اور اس میچ کے مہمان خصوصی چوہدری علی حسین الرحمت برکس کینٹی تھے۔ ٹورنامنٹ کی تیسری اور چوتھی پوزیشن کیلئے میچ انیس جون کو پاک کرکٹ کلب اور گلی سٹار کرکٹ کلب کی ٹیموں کے درمیان ہوا جو گلی سٹار نے جیت لیا اس کے مہمان خصوصی رانا لقمان صاحب معروف سیاسی و سماجی شخصیت تھے۔ 20 جون کو ایور شائن کرکٹ کلب اور فائٹرز کرکٹ کلب کے درمیان فائنل کھیلا گیا جو فائٹرز کرکٹ کلب نے جیت لیا۔ فائنل کے مہمان رانا لیاقت علی خان صاحب (ایڈووکیٹ ہائیکورٹ) ممبر پنجاب بار کونسل تھے۔ انہوں نے آخر میں کھلاڑیوں میں تحائف اور شیلڈز تقسیم کیں۔ اس ٹورنامنٹ کے ہر میچ میں مین آف دی میچ اور ایک اوور میں تین چھکے یا تین وکٹیں لینے والوں کے لئے بھی خصوصی انعامات رکھے گئے تھے۔

بقیہ: کوٹ لدو

حوصلہ افزائی کے انعامات دیئے گئے۔ اس دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ چند آنٹیاں جو کہ ملتان کی تھی۔ ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھیں۔ ہماری دعوت پر وہ بھی پروگرام میں شریک ہو گئیں۔ تب ہم نے بچوں سے کہا کہ وہ آنٹی سے پیسے مانگنے کی ایکٹنگ کریں، اس مقابلے میں ننھی نورین، نے پہلا انعام حاصل کیا۔ اس سیکشن کے ججز میں سندس، عروج اور بالہ، جانے ایک خاکہ "چن چن چو" پیش کیا۔ جس پر سب بچوں ریوڑوں نے خوب داد دی، اور ہر طرف قہقہے ہی قہقہے دیل پڑے۔ پروگرام کا تیسرا سیکشن "پھول کہانی گھر" پر مشتمل تھا۔ اس سیکشن میں ہم نے ابو جان یعنی مہمان خصوصی سے سب سے پہلے بچوں کو کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ یہ گھڑی ان کے لئے کڑی آزمائش کی تھی۔ ابو جان نے ایک سچا واقعہ سنایا۔ شاہات نے کہانی گورا اور کالا سنائی۔ یہ کہانی سن کر کالے تو ہنسے، لیکن گورے بن سکان ر سات سے پانچ سالہ تاش نے اپنی "توتلی زبان" سے ہم سے کئی بار سنی ہوئی کہانی "چڑیا اور چوہے کی گیند" سنائی۔ اس کہانی پر سب لڑکوں نے تاش کو گود میں اٹھالیا اور نعرے لگانے لگے۔ راحش نے "اندھا شہزادہ" سنائی جبکہ کہانی کا اینڈ سنائے بغیر چلا گیا۔ اور سب بچوں کے لئے یہ کہانی کم پہیلی زیادہ بن گئی کہ پتا نہیں شہزادہ مرتا ہے یا جیتا ہے؟ پاکیزہ نے چور بادشاہ سنانے کا آغاز کیا اور شروع میں ہی اپنی ہکلاہٹ کے باعث ہونگ کا سامنا کرنا پڑا۔ رمشا نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جو کہانی سنائی اس کے نہ تو سر کا پتہ چلا اور نہ ہی پیر کا۔ اور وہ فرشی نشستوں پر بیٹھے بچوں پر گرتے پڑتے اپنی سیٹ تک پہنچی۔ تمام پروگرام کے دوران ہم بچوں کو اقوال، شعر اور لطائف وغیرہ سناتے رہے۔ آخر میں ان بچوں کو انعامات دیئے گئے جو کہ اپنا ہنر خود دکھا گئے تھے لیکن انعامات سے محروم تھے۔ بالہ، پاکیزہ، سندس، عروج، بالہ، فرحان، زرتاشہ، مہوا، رمشا، ماریہ، منا، نورین کو انعامات دیئے گئے۔ پروگرام کا چوتھا سیکشن "پھول کلب" کا افتتاح تھا۔ سوہلہ دولت رین کاٹ کر پھول کلب کا افتتاح کیا۔ بھائی ذیشان نے تصویریں بنائی۔ بچوں نے جوش و خروش سے جھنڈے لہراتے ہوئے فوٹو کھنچوائیں۔

بقیہ: چناب شو

بارے میں بتایا اور کہا کہ پھول کلب (ملتان میں) گرلز ونگ اس لئے بنایا گیا ہے کہ لڑکیاں بھی آگے ہو سکیں۔ فیملیوں کی خاص طور پر خواتین ہمارے پروگرام کی طرف متوجہ ہوئیں اور ساتھ آکر بیٹھ گئیں۔ مرد حضرات بھی سٹیج نظر آرہے تھے اور یقیناً پھول کلب کی افادیت کو سمجھ رہے ہونگے۔ آزولی کے حوالے سے نائلہ نے ڈرتے ہوئے جھجکتے ہوئے اظہار خیال کیا اگلی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ یہ آزولی ہی ہے جسکی وجہ سے ہم آزولہ فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ افشاں نے یہ پیغام دیا کہ آزولی حاصل کرنے کے بعد آزولہ قوم کی طرح زندہ رہنا ایک اہم اور مشکل کام ہے اور اصل مقصد بھی یہی ہے۔ اسکے بعد ملی نغمے، ملیغے، گانے وغیرہ کیلئے گلوکار، محمد علی، ہما، توصیف، فیصل، گلفام، عاطف، عدیل، اقصیٰ، شہروز، وجاہت، شجاعت، خاور، بلیاب نے خوب محظوظ کیا۔ عبدالرزاق بھٹہ نے ڈیپ آئٹم پیش کر کے چناب کی سیر کا لطف دوبالا کر دیا۔

بقیہ: مسکراہٹ

دکھایا گیا کہ کیوتر بازی ایک فضول اور بے مقصد کام ہے۔ خاکہ منور نذیر، شہزاد عظمت اللہ اور شعیب اجمل نے پیش کیا۔ اس کے بعد سجاد رمضان اور عظمت اللہ نے (ایک سیاستدان کے دل سے نکلی ہوئی آہ) کے عنوان سے ڈیپ نظم سنائی۔ شبیر احمد ملک نے مزاحیہ خبریں سنائیں جس پر سامعین کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔ پھر ایک اور مزاحیہ خاکہ "فیصلہ عوام پر" پیش کیا گیا۔ یہ تمام خاکے شاہد فیض اور سر جمیل احمد کی محنت اور کوششوں سے ترتیب دیئے گئے۔ اس کے بعد پھول کلب کے اغراض و مقاصد بتائے سیف الرحمن فاروقی (بلدولت) تشریف لائے بلدولت جوں ہی سٹیج پر پہنچے جو کچھ رنے لگا گا کر یاد کیا تھا سب کچھ بھول گیا۔ بہر حال جیسے کیسے بچوں کو بتایا کہ پھول کلب کا مقصد بچوں کو تعلیم، تربیت اور تفریح فراہم کرنا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی تفریح سے بھرپور تقریب کا اہتمام ہونا چاہئے تو زور سے تالیاں بجادیں۔ خیر بچوں نے ہماری لاج رکھ لی اور تالیاں بجانے میں کنجوسی نہیں کی۔

بقیہ: خصوصی تقریب

اپنی خوبصورت آواز میں تلاوت کی۔ نعت رسول مقبول پیش کرنے کی سعادت ربابہ لودھی اور ساتھی نے حاصل کی۔ محمد عارف نے سٹیج پر آکر بچوں کے لئے خوبصورت نظم پیش کی۔ فیحہ اور ساتھی جو کہ ننھے منے بچے تھے نے خوبصورت نیمبلو پیش کیا۔ فرحت اور ساتھی نے آئٹم سونگ کا اتروج کر کے حاضرین سے خوب داد تحسین حاصل کی۔ اس کے علاوہ ریحانہ، سدرہ ملہی، آصف، حمادہ، ساجدہ اور ساتھی نے بھی ملی نغمے اور نیمبلو پیش کئے۔ مقررین جن میں آصف رضا بلوچ (صدر کہانی گھر ملتان) رضوان مدنی (جنرل سیکرٹری کہانی گھر) آصف اقبال صدیقی (صدر کہانی گھر پوائنٹ 4) شیخ عبدالعلیم شامل تھے۔ خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماہنامہ پھول بچوں کی خمیر پاکستان اور استحکام پاکستان کا درس دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا پھول کلب ملتان بچوں میں دین سے محبت اور پاکستان سے محبت کا جذبہ پیدا کر رہا ہے۔

پھول کہانی گھر گڑھ فتح شاہ کا گرینڈ پھول شو

رپورٹ: شبیر احمد آصف گزشتہ ماہ فائن پبلک مڈل سکول گڑھ فتح شاہ میں پھول آئس کریم اور پھول جیگو جوس کے تعاون سے پھول شو ہوا جس کی صدارت سکول ہذا کے پرنسپل محمد اشرف صاحب نے کی مہمان خصوصی تحصیل ناظم لودھراں کے اسسٹنٹ کمشنر چوہدری عبدالغفور ورک تھے سٹیج سیکرٹری نے تمام حاضرین کو شرکت کرنے پر خوش آمدید کہا۔ صدر پھول کہانی گھر شبیر احمد آصف نے پھول کہانی گھر کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ محمد اشرف نے پاسنامہ پیش کیا۔

وسیم اے شیخ کو مظفر آباد پھول کلب کا صدر مقرر کر دیا گیا

وسیم اے شیخ کو مظفر آباد میں پھول کلب کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔

مظفر آباد میں پھول کلب کی تقریبات کے حوالے سے فرائض سرانجام دیں۔ پھول کلب مظفر آباد کے ممبران ان سے اس پتے پر رابطہ قائم کریں۔ وسیم اے شیخ، پوسٹ بکس نمبر 208، پریس کلب مظفر آباد فون نمبر 43319

تعلیم بچوں کا بنیادی حق ہے یوم خولندگی پر پاکپتن کلب کی واک

پرائیویٹ سکولز ایسوسی ایشن بھی شریک ہوئی تعلیم کی اہمیت پر مقررین نے روشنی ڈالی

رپورٹ: حافظ محمد کلیم لیاقت پھول کلب پاکپتن نے آل پاکستان پرائیویٹ سکولز مینجمنٹ ایسوسی ایشن پاکپتن کے تعاون سے عالمی یوم خواندگی پر ایک واک کا اہتمام کیا۔ میونسپل پارک میں 65 پرائیویٹ سکولز موجود تھے۔ تمام سکولوں کے بچوں نے مختلف بیرز اٹھا رکھے تھے جن پر یوم خواندگی کے جواب سے نعرے اور سلوگن درج تھے۔ واک صبح ساڑھے آٹھ بجے میونسپل پارک سے شروع ہوئی اور دیدبان فرید ملک کی شرح خواندگی پر روشنی ڈالی اور حکومت کی پالیسیوں سے آگاہ کیا۔ بعد میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسرز نے بھی خطاب کیا۔ صدر و جنرل سیکرٹری (اپسما) نے خطاب کیا اور پرائیویٹ سکولوں کے تعلیم کے معیار کے بارے میں آگاہ کیا اور پرائیویٹ سکولز میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے پر زور دیا۔ آخر میں پھول کلب پاکپتن، راؤ محمد عظیم لیاقت نے خطاب کیا اور کہا کہ تعلیم دور حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہمارے پاکستان میں شرح خواندگی کم ہونے کی وجہ سے اتنی ترقی نہ ہو سکی ہے جس کی توقع تھی۔

سوسائٹی پروفیسر ملک طارق محمود اور اس کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے شرکت کی۔ واک گنج چوک اور ٹاؤن ہال سے ہوتی ہوئی دوبارہ میونسپل پارک پہنچی۔ جہاں پر شرکاء نے واک نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈپٹی کمشنر جناب سلیم شیر افگن کیانی نے پھول کلب کے اتحاد کو سراہا اور اپنی مکمل واک پر مبارکباد دی۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے۔ انہوں نے ملک کی شرح خواندگی پر روشنی ڈالی اور حکومت کی پالیسیوں سے آگاہ کیا۔ بعد میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسرز نے بھی خطاب کیا۔ صدر و جنرل سیکرٹری (اپسما) نے خطاب کیا اور پرائیویٹ سکولوں کے تعلیم کے معیار کے بارے میں آگاہ کیا اور پرائیویٹ سکولز میں تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے پر زور دیا۔ آخر میں پھول کلب پاکپتن، راؤ محمد عظیم لیاقت نے خطاب کیا اور کہا کہ تعلیم دور حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہمارے پاکستان میں شرح خواندگی کم ہونے کی وجہ سے اتنی ترقی نہ ہو سکی ہے جس کی توقع تھی۔

پھول کلب گوجرہ کا صحت و صفائی پر خصوصی سیمینار

گلی محلوں کو صاف رکھنے کا عزم صحت کے لئے ماحول صاف رکھنا نہایت ضروری ہے: مقررین

رپورٹ (مزمل نوید) پھول سیمینار مسلم کیمرج ایجوکیشن پورہ میں منعقد ہوا۔ جس کا موضوع صحت و صفائی تھا۔ سیمینار کی میزبانی ثاقب اقبال خان ایڈووکیٹ ڈائریکٹر مسلم کیمرج ایجوکیشن نے کی جبکہ اس پروگرام کی صدارت سرپرست اعلیٰ پھول کلب گوجرہ ڈاکٹر محمد نوید سجاد بھلی نے کی۔ سٹیج پر خوبصورت رنگوں کے ساتھ بیز تو ریں تھا جس پر تحریر تھا صحت و صفائی کے اعتبار سے اپنے گلی محلوں کو صاف ستھرا رکھنے کا عہد کریں۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے چودھری محمد اختر ڈھلوں ممبر ڈسٹرکٹ ڈویلپمنٹ کمیٹی ضلع لودھراں نے کہا کہ ہمیں اپنے اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھنا ہوگا۔ جس سے ہماری صحت پر اثر بھی پڑے گا۔ ڈاکٹر زین الحلدین ممبر ڈسٹرکٹ ڈویلپمنٹ کمیٹی نے کہا کہ صحت مند معاشرہ کے لئے ہاتھوں کی گندگی کو ختم کرنا ہوگا۔ ثاقب اقبال خان ایڈووکیٹ پھول کلب گوجرہ نے کہا کہ عوامی مراکز جہاں ہمارا آنا جانا ہوتا ہے وہاں کی صفائی ہمارا فرض ہے۔ الحاج محمد اکلیم نے کہا کہ یقیناً صفائی نصف ایمان ہے۔ صدر پھول کلب گوجرہ ڈاکٹر محمد مزمل نوید نے کہا کہ صحت کے لئے صاف ستھرا ماحول بیاشعور لوگوں کی نشانی ہے۔ سرپرست پھول کلب گوجرہ ڈاکٹر محمد نوید سجاد نے کہا کہ موذی امراض سے بچاؤ کے لئے ہمیں پاکیزہ ماحول اپنانا چاہئے۔ دیگر مقررین جن میں ڈاکٹر محمد وسیم شعیب اختر مشہود احمد نے بھی خطاب کیا۔

پھول کلب فیصل آباد کا دورہ کشمیر بنا سپتی اور پاور تھرمل اسٹیشن"

رپورٹ و اہتمام: (فرحان جاوید) تھاون: این ایف سی انسٹیٹیوٹ تھ ڈیئر نگ جڑانوالہ روڈ فیصل آباد معاونین: محمد فاروق، لویس، رضوان، مبین الاسلام، محمد جمیل، وقاص انجم، پھول کلب فیصل آباد نے پوری ٹیم اور سائنس کے طلباء طالبات کے ساتھ گھی مل کا پلانٹ تھرمل پلانٹ کا دورہ کیا۔ یہ دورے دو دن پر مشتمل تھے۔ پہلے دن پاور پلانٹ کا دورہ کیا گیا اور بجلی کی پیداوار کے متعلق معلومات دی گئیں۔ پلانٹ کے سینئر انچارج محمد صدیق نے وزٹ کروایا اور مختلف حصوں کے متعلق بریفنگ دی۔ سب سے پہلے تو اندر داخل ہوتے ہی مکمل ڈیاگرام بنی ہوئی دیکھی جس میں پلانٹ کے مختلف حصوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ وہاں سے بھی کافی معلومات حاصل کیں

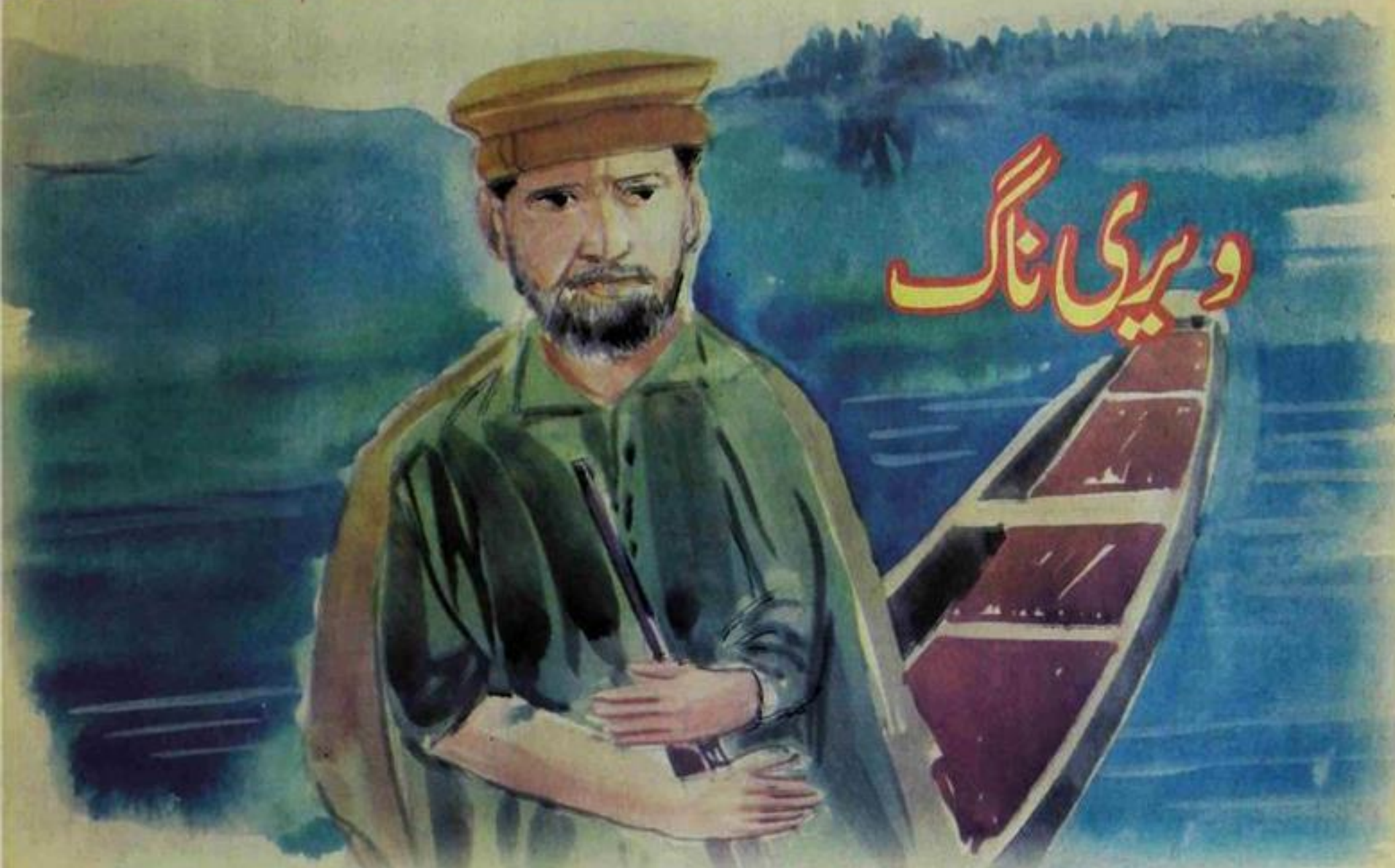

ویری ناگ

پروفیسر انور رومان۔کوئٹہ

وہ پتھر کی ایک ہموار سل پر لیٹے لیٹے سوچنے لگا۔ وہ آزادی کی اس جنگ میں غازی بنے گا۔ تو پھر اپنے اسی خوبصورت گاؤں میں جائے گا۔ ولر کے کنارے، پہاڑوں میں گھرا ہوا چشموں سے کھیلتا ہوا خوبصورت سنگور زمین پر اترا ہوا بہشت .....!!

اسے یاد آیا کہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں لہرا لہرا کر ولر کے سینے پر چلتی تھیں اور وادی میں پھلوں، پھولوں، اور خوشبوؤں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ دور افقوں پر سرسبز پہاڑ سرمئی دھاریاں بن جاتے۔ دنیا ایک طاؤس کی طرح رنگین ہو جاتی اور ولر کے پانیوں میں ان سب چیزوں کے عکس طاؤس کی طرح ناچنے لگتے۔ لیکن جب وہ جوان ہوا تو پہلے پہلے اداس رہا۔ اس نے کوئی چیز گم کر دی تھی۔ حالانکہ ولر کے سینے پر کشتیاں اور ڈونگے اسی طرح بہتے تھے۔ سپید برف اس کائنات پر اسی طرح طلوع کرتی تھی اور بہار کے موسم میں وادیوں میں خوشبوئیں اسی طرح پھیل جاتی تھیں۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ ان سب کو وہ اب سارا سارا دن مسافروں کو ولر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اور ولر سے ویری ناگ تک اور ویری ناگ سے بھی پرے لے جاتا۔ اور ان سے پیسے لے کر اپنی زندگی میں بھی پھول کھلاتا جاتا اور پھر تھک تھکا کر اور کبھی ولر کے بیچ ہی میں وہ دوسرے ہانجیوں کی طرح گیت گاتا تھا۔ یہ گیت اب اس کے لئے محض سننے اور کھو جانے کا بہانہ نہیں رہے تھے۔ بلکہ ایک ضرورت بن گئے تھے۔ یہ اس کی تھکن دور کرتے اور اسے ایک برادری کا فرد بنا دیتے تھے۔ جو خون پسینے سے روزی کماتی اور گیت گاتی تھی۔ لیکن ایک تیسری چیز بھی اس دنیا میں آ گئی تھی۔ ایک سایہ جو ان سب کی زندگیوں کو گھیرے ہوئے تھا۔ ایک نامعلوم ہاتھ جو انہیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا..... پسینے اور گیت کے علاوہ ایک سایہ، ایک نامعلوم ہاتھ جو کبھی ٹیکسی کی صورت میں ظاہر ہوتا کبھی گونجتی ہوئی لاریاں بن کر آتا اور کبھی سپاہی کا بھیس بدلتا۔ سرینگر میں تو یہ گڈریے کی طرح انسانوں کو بند کوٹھریوں میں لے جاتا اور کبھی اس کی شفاف سڑکوں پر انسانی لاشوں کا خون بھی جما دیتا..... یہی تین چیزیں تھیں جو اس کی زندگی پر حاوی تھیں۔ ان سب پر حاوی تھیں۔ سارے گردوپیش پر..... پسینہ، گیت اور سایہ!! وہ بہت عرصے تک اسی مثلث میں کھویا رہا لیکن آہستہ آہستہ اس نامعلوم ہاتھ کی گرفت اور مضبوط ہوتی گئی۔ اسے احساس ہوا کہ گیت بیکار تھے۔ یہ اس پر جھوٹا نشہ طاری کر کے اسے کہیں اور لے جاتے تھے۔ جو اس کی دنیا نہیں تھی۔ وہ گیتوں سے ڈرنے لگا۔ ضروری چیز پسینہ تھی۔ پسینہ جو چلتی ہواؤں میں بھی خشک نہ ہونا چاہئے۔ پسینے کے قطرے ہی آسمان کے ستارے تھے پسینے کے قطرے ہی پہاڑوں کے جھرنے تھے۔ اور یہی قطرے ڈھل ڈھل کر کبھی روٹی کے لقمے بنتے تھے اور کبھی چاولوں کے دانے!

اور پھر وہ نامعلوم ہاتھ اور مضبوط ہوتا گیا۔ یہ سایہ اس کی اپنی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔ اس کی زندگی کو گھیرتا جارہا تھا۔ اور شاید یہی اس کی موت تھی! ہر بچے کے ساتھ اس کی موت بھی پیدا ہوتی تھی۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کی طنابیں ڈھیلی پڑتی جاتی تھیں اور موت کا شکنجہ مضبوط ہوتا رہتا تھا یا پھر یہ ہمزاد سایہ کوڑے مار مار کر انسان کو بھگائے لئے جاتا اور جب وہ سرپٹ دوڑتا تو اس کی دبوچ لیتا' یہی سایہ جو مہاراجہ تھا!..... پسینہ اور مہاراجہ!! یہی تھی اس کی زندگی اور موت! لیکن اس وادی میں جہاں پھول مرجھائے جاتے تھے۔ وہاں چشمے بھی پھوٹتے تھے کوئی آگ ہوتی تھی۔ ان کے اندر یا کوئی پھوڑا، کوئی زہریلا مواد اور وہ کلبلا کلبلا کر ابل پڑتا تھا۔ اس کے اندر بھی کوئی مواد تھا۔ باہر سے کسی آہنی ناخن سے چھیڑ دیا اور اس کے اندر کا یہ مواد جوش کھانے لگا۔ ہر وقت پسینہ کیوں بہایا جاتا تھا؟ گیت مدھم ہو ہو کر کیوں مر جاتے تھے اور وہ نامعلوم ہاتھ انہیں کیوں دبوچتا تھا؟ یہ سایہ ہمزاد نہیں تھا۔ وہ نامعلوم ہاتھ ایک خونی کا ہاتھ تھا..... اور وہ آگ کے ایک الاؤ سے اس سائے کو بھگا سکتا تھا۔ اس سائے کو بھگا سکتا تھا اور اپنے پھوڑے کے زہریلے مواد سے اس ہاتھ کو مفلوج کرسکتا تھا۔ پھر وہ مواد کھول اٹھا اور اسے محسوس ہونے لگا کہ ہانجیوں کے گلے سے نکلتا ہوا گیت آگ برساتے ہوئے لاوے کا ایک سیلاب تھا جو ابلنے پر سری نگر کی سڑکوں پر بہتے ہوئے خون کو دھوتا ہوا جموں کی طرف بہالے جائے گا۔ اور بہتے بہتے نہ جانے کہاں تک نکل جائے گا؟ اس سائے کی زندگی اس سائے کی دہشت ہی تھی۔ جس دن یہ دہشت اس کے دل سے نکل گئی یہ سایہ کانپ کانپ کر مرگیا..... لیکن باہر کا ایک اور ہاتھ لپکا اور کشمیر کے زریں حصوں پر آسیب چھاؤں بن کر چھا گیا۔ اور چشمہ پوری طرح ابل پڑا۔ گلگت، اسکردو، کشتواڑ، تراڑکھل، پونچھ، مینڈھر، بانڈہ، یہ چشمہ، یہی ویری ناگ ہر جگہ سے ابل پڑا۔ اس چشمے کے ابال کی وجہ سے وہ آج پہاڑ کی اس چوٹی پر 303 کی رائفل لے کر جموں کی طرف منہ کیے لیٹا تھا۔ اور کشمیر کی جنگ آزادی لڑ رہا تھا مرے ہوئے گیت آنکھیں کھول رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بلند ہوتے ہوئے پہاڑ اس کے اپنے ہی فلک بوس ارادے تھے اور سنگلاخ چٹانیں اس کے اپنے ہی بے پناہ عزم کی علامتیں۔ اور جب کشمیر آزاد ہوجائے گا تو وہ سنگور جائے گا۔ سنگور، ولر کے کنارے، وہی سنگور جہاں وہ پیدا ہوا تھا پہاڑوں سے گھرا ہوا اور معصوم جیسے فطرت کی مسجد، شاید دشمن کے ہوائی جہازوں نے اس کی بھی توہین کی ہو لیکن وہ ان خونخواروں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا بنا اس کی پاکیزگی کو پھر زندہ کردے گا اور پھر ایک دن سنگور آزاد ہوگا۔ جیسے تمام گاؤں آزاد ہوں گے۔ سارا کشمیر آزاد ہوگا اور وہ سنگور میں ولر کے کنارے وہ گیت گائے گا جو اس نے کبھی سنا تھا لیکن گا نہ سکا تھا۔ وہ گیت جو زخمی ہوگیا تھا۔ اور زمین پر مخملیں سبزے کا فرش بچھ جائے گا اور وادیاں پھولوں اور پھلوں سے لد جائیں گی۔ اور ولر کے سینے پر آزاد بے پروا کشتیاں تیریں گی۔ اور کشمیر ناچے گا ایک طاؤس کی طرح ناچے گا۔ وارفتہ و وارستہ ہوکر!! پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی اسی طرح پہاڑوں پر لیٹے ہوں گے۔ شاید وہ بھی اس وقت سوچ رہے ہوں گے۔ اگرچہ جنگ کی ہماہمی میں سوچنے کا گزر نہیں ہے۔

لیکن دو معرکوں کے درمیانی خلا میں سپاہی سوچتا ہے اس نے پہاڑوں سے دور شمال کی طرف دیکھا جدھر سنگور واقع تھا۔ اور پھر اس کی نگاہیں مشرق کی جانب اٹھ گئیں جہاں جموں تھا اور وہ پھر سل پر لیٹ گیا۔ فضا تھرتھرائی اور دور سے ایک ہوائی جہاز نظر آیا۔ یہ جہاز جموں سے آرہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی رائفل کی گولیوں سے اس جہاز کو چھلنی کرڈالے لیکن وہ اسی طرح لیٹا اور اپنی رائفل کو دیکھتا رہا۔ ہوائی جہاز گھنگھناتا ہوا اوپر سے گزر گیا اور دور جاکر اس نے بم گرانے شروع کیے۔ فضا دھڑ دھڑائی اور گولیوں کی آوازیں آئیں۔ اس کے اپنے لاشعور میں کچھ بھنبھنایا..... انسانیت رو رہی تھی کھیتوں میں کام کرتے، ریوڑ چراتے اور کشتیاں کھیلتے ہوئے انسانوں پر بمباری کوئی بہادری تھی؟ ہوائی جہاز انسانی بہادری کی موت ہے۔ مردانگی کی توہین ہے یہ اس بزدلی کا نتیجہ ہے جس پر موجودہ تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے.....

مشرقی افق پر پھر تھرتھرایا۔ اور جہاز آرہے تھے۔ اور نیچے دشمنوں کے ٹرک اور ٹینک بڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنی رائفل کا جائزہ لیا اس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ کارتوسوں کی پیٹی بھی موجود تھی۔ حملہ آور آہستہ آہستہ ان پہاڑوں پر چڑھتے گئے اور جب وہ ایک ایسے مقام پر آگئے جہاں سے یک لخت اترنا بھی مشکل تھا۔ اور چڑھنا بھی، تو اس نے اپنی رائفل کو دیکھا، اسے آگے بڑھایا، اس پر اپنے ہاتھ جمائے اور سن کی اوٹ لے کر نشانہ باندھا..... ڈس، ڈس، ڈس، نہ جانے کب تک نہ جانے کتنے.....! نیچے سے توپ خانہ آگ اگل رہا تھا۔ لیکن بلند ہوتے ہوئے پیچدار پہاڑ مجاہد کو نہایت احتیاط سے چھپائے ہوئے تھے۔ حملہ آور چیخ چیخ کر دھڑام سے گرتے جارہے تھے۔ لیکن ان کا ایک ٹینک پہاڑ کے اوپر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ مجاہد نے اسی پتھر کو زور سے لڑھکا دیا جس کی اوٹ میں وہ خود چھپا ہوا تھا۔ پتھر ٹینک سے ٹکرایا اور اسے دھکیلتا اور لڑھکاتا ہوا زمین پر لے گیا۔ توپ خانہ خاموش ہوگیا لیکن ہوائی جہاز کے بم گرتے رہے۔ وہ ایک غار میں چھپا رہا اور ایک طنزیہ سی ہنسی ہنستا رہا ان جہازوں اور بموں سے وہ اسے مارنا چاہتے تھے اس کے جذبے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے بم تو خود ہی ان پہاڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر اپنا دم توڑ رہے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ان سپاہیوں کو دیکھے جو اس کی گولیوں سے مرے تھے۔ وہ نیچے اترا لاشیں سسک سسک کر خاموش ہوگئی تھیں اور بے ڈھب انداز میں پتھروں میں پھنسی اور بکھری ہوئی تھیں.....

ہوائی جہاز پھر جموں کی طرف جارہے تھے وہ پہاڑ کی تلہٹی پر بکھری ہوئی ان لاشوں کو غور سے دیکھتا رہا گویا انہیں ذہن نشین کررہا ہو میں کشمیری ہوں میری زندگی ایک دلفریب شبیہ کو چکنا چور کرنا چاہتے ہو تو وہی کشمیری چوٹیوں سے لڑھکتا ہوا وہ پتھر ہے دندناتا ہوا تمہیں اور تمہارے ان بزدل اوزاروں کو روند ڈالتا ہے۔ ان بکھرے ہوئے پرزوں کو دیکھو جب میں تم سسک سسک کر مررہے ہوں گے۔ ان پہاڑوں کو دیکھو جو بھڑوں کی طرح گونج گونج کر تمہیں ڈستے جارہے ہیں۔ وہی کشمیری تمہاری فوجوں کی موت ہے۔ تمہارے وقار کی لاش، تمہارے سامراج کا جنازہ.....!

اب ذرا دھیان سے!

اقوام متحدہ کونسل کی سلامتی سالانہ اجلاس جاری تھا۔ پاکستانی نمائندہ بھرپور انداز میں کشمیر میں بھارتی ظلم و بربریت کے حوالے سے بتا رہا تھا۔ ''کشمیر میں بھارت نے ظلم کی جو مثال قائم کی ہے وہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ وہاں سات لاکھ سے زیادہ فوجی نہتے کشمیریوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ ان سے ان کا بنیادی حق چھینا جارہا ہے جس کا وعدہ سلامتی کونسل میں بھارت نے خود کیا تھا لیکن اس وقت سے وہ اس وعدے سے مکر رہا ہے۔ اب کشمیری اگر اپنی آزادی کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں تو یہ ان کا حق ہے اور اس سلسلے میں عالمی برادری کو بھارت پر دباؤ ڈالنا چاہئے''۔ تقریر ختم ہوچکی تھی مگر ہال میں کوئی نہیں تھا۔ صرف بے حس چہرے تھے اب بھارتی مندوب کی باری تھی۔ امریکی رکن نے اپنے ساتھ بیٹھے مندوب کو ہلا کر کہا ''سر اب ذرا دھیان سے''

واہ کیا بات ہے

مرتبہ: سیدہ طاہرہ کراچی

علم اور عقل

حضرت کثیر بن مرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ داناؤں کے سامنے بے سروپا باتیں نہ کرو ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ کم عقل سے اونچی بات نہ کرو ورنہ وہ تمہاری تکذیب کرے گا۔ علم کے اہل کو علم سے محروم نہ رکھو یہ معصیت ہے۔ نااہل سے علمی گفتگو نہ کرو ورنہ وہ تمہیں ہی جاہل کہے گا۔ علم ہو یا دولت تم پر دونوں کے کچھ حقوق ہیں۔ (سنن دارمی)

(مرسلہ: غزالہ صدیق۔ آزاد کشمیر)

علم کی مثال

استاد اور شاگرد دریا کے کنارے کھڑے تھے۔ استاد نے شاگرد سے کہا "گھوڑے کو پانی پلاؤ" شاگرد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب گھوڑا اچھی طرح پانی پی چکا تو استاد نے شاگرد سے پوچھا "اچھا یہ بتاؤ کیا گھوڑے کے پانی پینے سے دریا کے پانی میں کوئی کمی ہوئی ہے؟ شاگرد یہ سن کر بڑا حیران ہوا اور بولا "نہیں جناب! پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ استاد یہ سن کر بولا "علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ اس میں سے جتنا چاہو خرچ کرو مگر اس میں کمی نہ ہو گی۔ (مرسلہ: سمیرا شفیق۔ جڑانوالہ)

اللہ کے گواہ

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے ایک جنازہ دیکھا تو اس کی اچھے الفاظ میں تعریف کی اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا "اس کے لئے واجب ہو گئی" جب حضرت عمر فاروقؓ نے دریافت کیا "حضورؐ کیا چیز واجب ہو گئی" آپؐ نے فرمایا "جب میت کی تم نے تعریف کی تو تمہاری تعریف کے سبب اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور جس میت کی تم نے برائی کی، برائی کے بیان سے اس کے لئے دوزخ واجب ہو گئی کیونکہ تم اللہ کی زمین پر اللہ کے (چلتے پھرتے) گواہ ہو"

(مرسلہ: آصفہ رشید۔ مغل پسرور)

ذکر الٰہی

گلستان میں شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر قیام کیا صبح کے وقت ایک فقیر نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور وجد میں رقص کرنے لگا۔ جب اسے سکون ہوا تو ہم نے پوچھا کہ اس وقت کس چیز پر وجد آیا۔ بولا میں نے دریا کے مینڈکوں، ہوا کے پرندوں اور پہاڑوں کے ہر جانوروں کو ذکر الٰہی کرتے سنا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ انصاف نہیں کہ پرندے تسبیح پڑھیں اور میں خاموش رہوں۔

(مرسلہ: غلام نبی خیال۔ چھانگا مانگا)

بیٹے کیوں آئے

شاہ شہیدؒ کے پاس قافلہ آزادی کی روانگی کے وقت ایک جوان رعنا آیا۔ اتنا خوبصورت کہ شاہ صاحبؒ کی بارگاہ میں جب وہ پہنچا اسماعیل شہیدؒ کہتے ہیں لوگوں کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ اتنا خوبصورت چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا چھوٹا سا ابھی مونچھوں کے بال بھی نہیں آئے تھے۔ شاہ شہیدؒ نے پوچھا بیٹے کیوں آئے ہو؟ کہا شاہ جی آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں۔ احمد شہیدؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا بیٹا میرا ساتھ دینے آئے ہو؟ پہلے میرے مسلک کا پتہ ہے؟ میری گزرگاہ کا علم ہے؟ پہلے میری روش کو جانتے ہو؟ کہنے لگا سید کیا ہے۔ فرمایا صبح کو کانٹوں پر چلنا پتھروں پر چلنا، رات کو آدھی رات تک جاگنا، تلواروں کی چھاؤں میں لڑنا اور رات کو کمر سیدھی کرنے کے لئے سونا نہیں، پچھلے پہر اٹھ کر رب کی بارگاہ میں گڑگڑانا اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنا" وہ نوجوان رو پڑا کہنے لگا شاہ جی! یہ ساری باتیں تو میری ماں نے مجھے بتا دی تھیں آپ نے نئی بات کون سی بتلائی ہے؟ سید احمدؒ نے اس کو گالوں سے پکڑا دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھپتھپایا کہنے لگے جہاد کے میدان میں یہ پھول سے گال مرجھا جائیں گے۔ وہ نوجوان تڑپ اٹھا۔ اس نے کہا شاہ جیؒ میرے گال حضرت آمنہؓ کے لال کے گالوں سے تو بہتر نہیں؟ میں سوچ سمجھ کر آیا ہوں۔

(مرسلہ: غلام مصطفیٰ کاوگی۔ بھکر شہر)

امت مسلمہ

ایک عورت حضرت نوحؑ کے پاس آئی اور کہنے لگی اے پیغمبر! میرے بچے اڑھائی سو سال کے ہو کر وفات پا جاتے ہیں۔ ان کی لمبی عمروں کے لئے دعا کریں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا "اے عورت! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ ایک امت ایسی آئے گی جس کی اوسط عمر پچاس ساٹھ سال ہو گی"

عورت نے کہا "پھر تو وہ مکان بھی نہیں بنائیں گے"

حضرت نوحؑ نے جواب دیا "ان کے مکان ہمارے مکانوں سے زیادہ پختہ اور شاندار ہوں گے" (مرسلہ: خرم شہزاد اعوان۔ ملتان)

پڑھئے اور جانئے

بارش کا درخت: انڈونیشیا کے جزیرے سماٹرا میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جو پانی برساتا ہے۔ لوگ اسے "بارش کا درخت" کہتے ہیں۔ دراصل دوپہر کو سورج کی شعاعیں زمین پر بالکل سیدھی پڑتی ہیں تو یہ درخت اپنے اندر پانی کے بخارات جذب کر لیتا ہے اور کچھ دیر بعد یہ پانی جمع ہو کر بارش کی شکل میں برسنے لگتا ہے۔ 888 بچے: مراکش کے شاہ مولائے اسماعیل کے 888 بچے تھے۔ اس کی فوج میں 540 سپاہیوں کی ایک رجمنٹ تھی اور

اس رجمنٹ میں شامل تمام سپاہی اس کے بیٹے تھے۔

تین چشمے: سری لنکا میں تین ایسے چشمے ہیں جو ایک ہی مقام سے نکلتے ہیں لیکن ایک چشمے کا پانی سخت سرد دوسرے کا نیم گرم اور تیسرے کا سخت گرم ہوتا ہے۔
(مرسلہ: فائقہ خان۔ فیصل آباد)

ماڈرن تشریحات

انٹرویو: اپنے سے زیادہ احمق کے سوالوں کا جواب دینا ڈپلومہ: ملازمت تلاش کرنے کا لائسنس

تاریخ ساز: جس کی پرائیویٹ چیزیں بھی عوامی یادگار بن جائیں

ہوٹل: جس کا آب و دانہ مہمانوں کے دم سے ہے۔

درمیانی عمر: جب لوگ تمہیں کم غذا اور زیادہ ورزش کا مشورہ دیں۔

وکیل: ایسا انسان جو آپ کی جائیداد آپ کے دشمنوں سے بچا کر خود رکھ لیتا ہے۔

صبر: اخروٹ کا وہ بیج جو بیس سال میں پھل دے گا۔
(مرسلہ: سارہ چوہدری۔ آزاد کشمیر)

یادیں اور باتیں

یہ یادیں اور باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کبھی بن بلائے مہمان کی طرح آ کر سارے دماغ پر قابض ہو جاتی ہیں کہ خود آپ کے لئے کچھ نیا سوچنے کی جگہ نہیں بچتی۔ آس پاس جو چاہے ہوتا رہے نہ دیکھنے کی فرصت ہوتی ہے نہ ماننے اور جاننے کی نوبت آتی ہے۔ ریل کے سفر میں آپ کھڑکی باندھے باہر دیکھتے رہئے۔ اپنی زندگی اور رویوں پر غور کرتے رہئے منظر آتے اور جاتے رہیں گے آپ انہیں دیکھیں یا نہ دیکھیں مانیں یا نہ مانیں اس لئے نہ ماننا شائد سب سے آسان کام ہے۔ آپ کسی بھی لمحے کسی بھی چیز سے انکار کر دیں' میں نہیں مانتا۔ یہ سچ ہے۔ آپ کا جواب ہو گا ہوا کرے۔ میں نہیں مانتا ساری دنیا کر رہی ہے' کرتی رہے۔ میں نہیں مانتا ایک بار یہ رویہ جگہ بنا پھر روشنی کا روزن' ہر راستہ بند ہو جاتا ہے اپنی ہر بات پر اصرار۔ دوسروں کی ہر خوبی سے انکار۔ دیر تک پانی میں رہے تو مضبوط سے مضبوط رسہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ سوچ پرانے پانیوں میں رہے تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے اور جب تازگی اور مضبوطی کی ضرورت پڑتی ہے تو ریگستان میں ایک ایک بوند کو ترسے آدمی کی حالت ہوتی ہے۔ دل میں نئی بات کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔ مایوسی اور غصے کا سارا جادو پھر خود پہ ہی چلتا ہے اور ہر خوشی سے دور کر دیتا ہے۔ ترقی کا ہر راستہ بند کر دیتا ہے اور آدمی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر آخری وقت کا انتظار کرتا ہے۔ تنہائی اور رسوائی اس سارے عمل میں ساتھ رہتی ہے۔ (اکتوبر 96ء کے اداریئے سے ماخوذ)

آب چشم کا نور

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ایک نوجوان لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ لوگ اس کا جنازہ لے کر چلے۔ راستے میں حضرت علیؓ بھی شریک ہو گئے۔ بعد فراغت جب لوگ واپس جانے لگے تو اس کی ماں نوحہ کرنے لگی۔ وہ حضرت علیؓ کے قدموں میں گر پڑی کہ میں نے اپنے لڑکے کا چہرہ نہیں دیکھا ہے مجھ کو اس کا چہرہ دکھا دیجئے۔ ہر چند آپؓ نے منع فرمایا مگر وہ عورت باز نہ آئی۔ آپؓ نے حاضرین کو اجازت دے دی کہ قبر کو کھول کر اس لڑکے کا منہ دکھا دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جوں ہی اس کا چہرہ کفن سے باہر آیا معلوم ہوا گویا آفتاب مشرق سے طلوع ہوا ہے۔ اس کی چمک سے حاضرین کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ حضرت علیؓ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ ایسا کون سا نیک عمل یہ کرتا تھا جس کی وجہ سے ایسا ہوا۔ ماں نے عرض کیا ظاہراً سوائے فسق و فجور اور لہو و لعب کے اس کا کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ کو اس پر اور بھی حیرت ہوئی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ نوجوان حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہے رسولؐ نے آپؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے علیؓ تم نے دیکھا اس لڑکے کے دونوں رخساروں کے نور و روشنی کس قدر درخشاں و تاباں ہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسولؐ میں نے دیکھا یہ کس عمل حسنہ کی تابانی ہے؟ رسولؐ نے اس پر ارشاد فرمایا ''یہ آب چشم کا نور ہے۔ آنسوؤں کی برکت ہے جب اس سے گناہ سرزد ہوتا تھا تو خوف' سزا اور ندامت سے آنسو بہاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کو بخش دیا بلکہ یہ نور اور رتبہ بھی عطا فرمایا۔
(مرسلہ: مہوش عابد۔ جڑانوالہ)

چین میں پہلا مسلمان سفیر

713ء میں جب پہلا مسلمان سفیر شاہ چین کے دربار میں حاضر ہوا تو شاہی آداب کے مطابق اسے کہا گیا کہ وہ شاہ کے حضور جھک کر آداب بجا لائے۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ہم صرف خدائے لایزل کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ انسان چاہے کتنا ہی بڑا بادشاہ کیوں نہ ہو' ہم اس کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔

یہ دیکھ کر شاہ چین پہلے تو ناراض ہوا اور حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے یہ گستاخ ہے مگر پھر خیال آیا کہ سفیر کی جرات قابل داد ہے نہ کہ قابل دار اس لئے اسے معاف کر دیا گیا۔
(مرسلہ: عاصمہ حسن۔ رحیم یار خان)

زندگی' ایک سمندر ہے

زندگی کا سمندر بڑا وسیع ہے۔ بڑا بے درد' بڑا ظالم اور بڑا ہی پیارا ہے۔ اس کے ساحل پر پہنچو تو بہت سے لوگوں سے شناسائی ہوتی ہے۔ پیارے پیارے' خالی خالی سیپوں جیسے لوگ' دمکتی ریت جیسے لوگ' نوکیلی کنکریوں جیسے لوگ' حسین سنگریزوں جیسے لوگ اور ان میں کچھ تو ہتھیلیوں پر جمی ریت کی طرح وقت کی دھوپ پا کر ہاتھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے بھی اتر جاتے ہیں کچھ خوشبو صفت لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی انگلیوں کا لمس ان کے لہجوں کی ملاوٹ ہمیشہ ساتھ رہتی ہے اور زندگی کا حسن بڑھاتی رہتی ہے۔ (مرسلہ: نصرت پروین۔ خانیوال)

خواتین و حضرات

1929ء میں علامہ اقبال نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے ہال میں چھ خطبے انگریزی میں ارشاد فرمائے۔ پہلے خطبے میں سر عبدالقادر (صدر جلسہ) نے مولانا ظفر علی خان اور پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس سے کہا کہ وہ خطبے کے اہم نکات نوٹ کرتے جائیں اور خاتمے پر حاضرین کو اردو میں سمجھائیں۔ جب خطبہ ختم ہوا تو مولانا ظفر علی خان مائیک پر آئے اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ یہ خطبہ میری ناقص فہم سے بہت بلند تھا۔ اس لئے میں معذرت چاہتا ہوں پھر پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس اٹھے اور کہنے لگے: اس میں مشکل کون سی چیز تھی؟ سر اقبال نے اپنا خطبہ ''لیڈیز اینڈ جنٹلمین'' سے شروع کیا تھا جس کا ترجمہ ہے خواتین و حضرات رہا باقی خطبہ تو اس کا مفہوم آپ مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اس لئے السلام علیکم! پطرس یہ کہہ کر اپنی نشست پر بیٹھ گئے اور ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

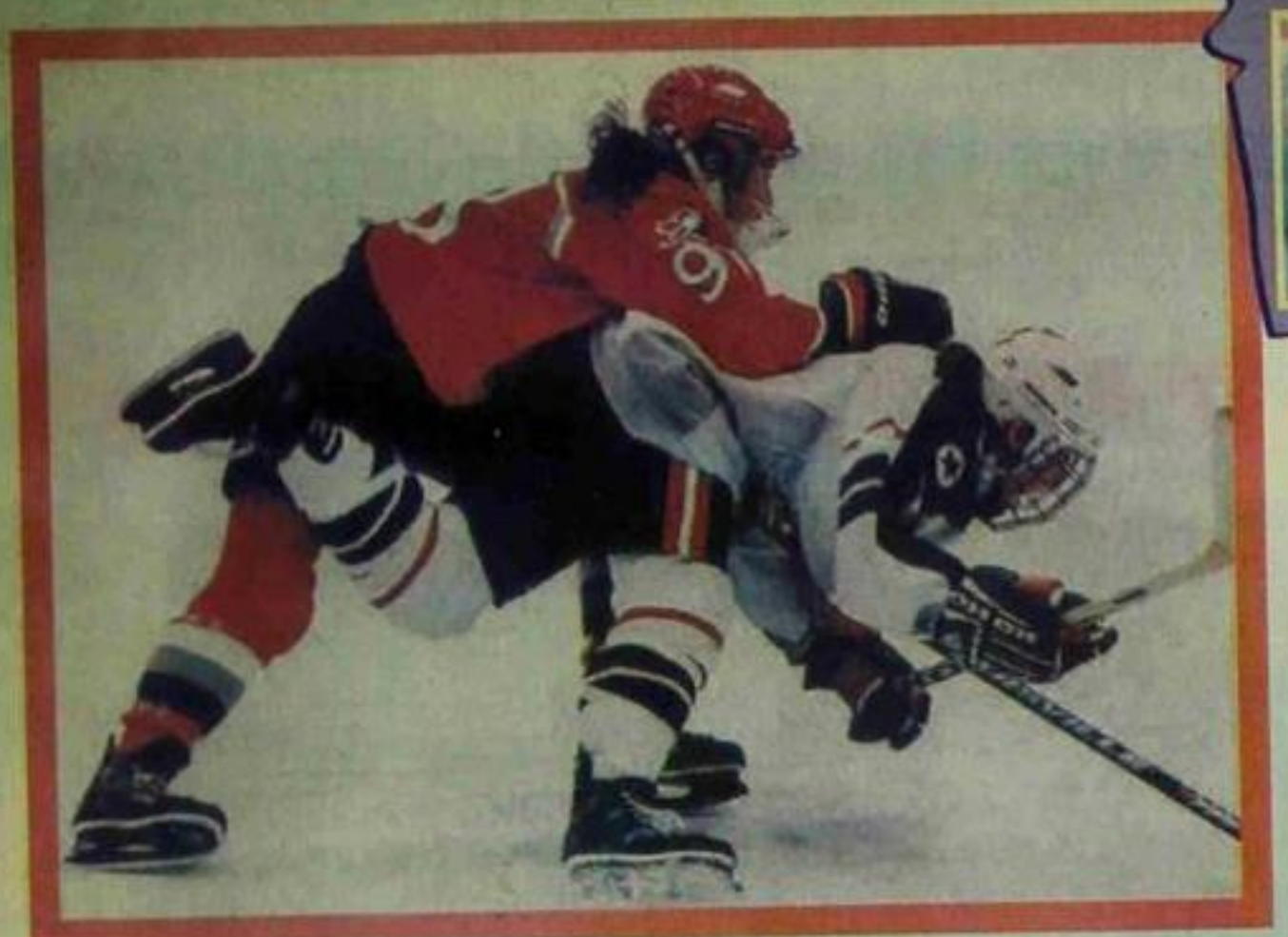

Sports Glance

مونا سکندر

ہاٹ نیوز

سڈنی اولمپکس کو ختم ہوئے ایک ماہ ہونے کو ہے چند روز قبل ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ لوگوں نے اولمپکس کے دوران سڈنی میں شیکسپیر' دانتے اور ڈکنز کو پیزا کھاتے' گپ شپ لگاتے اور میچوں پر تبادلہ خیال کرتے دیکھا۔ یہ سڈنی اولمپکس کی کشش نہیں تھی کہ یہ تینوں مرحوم شاعر و ادیب کھیل دیکھنے چلے آئے بلکہ اگر آپ ان اولمپکس میں شرکت کرنے والے دس ہزار دو سو کھلاڑیوں کے ناموں کی فہرست کو غور سے پڑھیں تو آپکو ان کے علاوہ اور بھی کئی مرحوم و حیات مشہور شخصیات نظر آئیں گی ان میں کئی بل' ولادی میر' مونیکا' میڈونا' جیکسن' ریگن وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے مختلف کھیلوں میں حصہ لیا تھا۔ یکم اکتوبر سے انٹرنیشنل کرکٹ میں ایک نیا قانون متعارف کروایا جا رہا ہے جسے آسٹریلیا اور انگلینڈ کو ڈومیسٹک کرکٹ میں عنقریب آزمایا جائے گا۔ قانون کے مطابق اب امپائرز میچ کے دوران کسی بھی ٹیم کی طرف سے ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے پر پانچ رنز کا جرمانہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس کے اشارے کے طور پر امپائر اپنے ایک ہاتھ کو سینے کے سامنے لا کر دوسرے کندھے کو چھوئے گا۔ ہاکی میں قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر کارڈز دکھائے جاتے ہیں جن میں سے 'گرین کارڈ' پاکستانیوں کو بہت پسند ہے لیکن اب قومی کرکٹ ٹیم کے ان باؤلروں کو بھی کنٹرول کرنا ہوگا جن کا اوور بعد میں ہوتا ہے لیکن وہ خود پہلے اوور ہو جاتے ہیں۔

آئس ہاکی

ایک گھنٹے پر محیط یہ کھیل 1858ء میں کینیڈا سے شروع ہوا۔ پہلے پہل اس کو بغیر کسی قانون کے کھیلا جاتا تھا۔ 1870ء میں مونٹریال کی مک گل یونیورسٹی کے کیمپس میں پہلی بار آئس ہاکی کو مکمل قوانین ضوابط کے ساتھ کھیلا گیا۔ پھر تقریباً 25 سال بعد اس کو کینیڈا کے قومی کھیل کا درجہ دے دیا گیا۔ اسکے گیند کو 'پک' جبکہ ہاکی کو 'سٹک' کہتے ہیں۔ کھلاڑی جوتوں کے نیچے سٹیل کا بلیڈ بھی پہنتے ہیں جس سے برف کی شیٹ پر دوڑنے میں مدد ملتی ہے۔ کینیڈا سے یہ کھیل امریکہ پہنچا اور اس وقت آئس ہاکی نارڈن ورلڈ خصوصاً سویڈن' سوئٹزرلینڈ' جرمنی' فن لینڈ' ناروے' چیکوسلواکیہ سمیت اور بہت سے دوسرے ممالک میں انتہائی مقبول ہے۔

آپ کیا سمجھے؟

شعیب اختر ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے دوست سے ملنے راجہ بازار گیا۔ میں نے ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا جونہی گاڑی پارک کر کے میں دوست کی دکان کی طرف بڑھا' دو لڑکوں نے مجھے پہچان لیا اور ایک ساتھ چلائے وہ دیکھو شعیب اختر جا رہا ہے۔ اس پر ایک موٹے سے صاحب نے بھی مڑ کر میری طرف دیکھا اور گالی دے کر بولے جسے دیکھو شعیب اختر بنا پھرتا ہے کیا اس طرح کی کٹنگ کرانے اور سٹائل مارنے سے ہر کوئی شعیب اختر بن سکتا ہے۔ اس پر مجھے غصہ بھی آیا اور میں نے لطف بھی اٹھایا۔ دراصل ان صاحب کو میرے حلیئے پر یقین نہیں آیا تھا کہ میں ہی شعیب ہوں۔ ٹریک سوٹ پہنے' واک مین لگائے اور کاؤبوائز کی طرح چلتے۔ ویسے شعیب بھائی آپ اس واقعہ کے بعد بھی نہیں سدھرے۔

ٹاک شاک

ہم نے ایک آف سپنر سے پوچھا یہ کلائی گھما گھما کر بال سپن کرنے کا فائدہ؟ بولے' کلائی مضبوط ہوتی ہے۔ ہم نے پوچھا مضبوط کلائی کا فائدہ؟ بولے' بال سپن کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

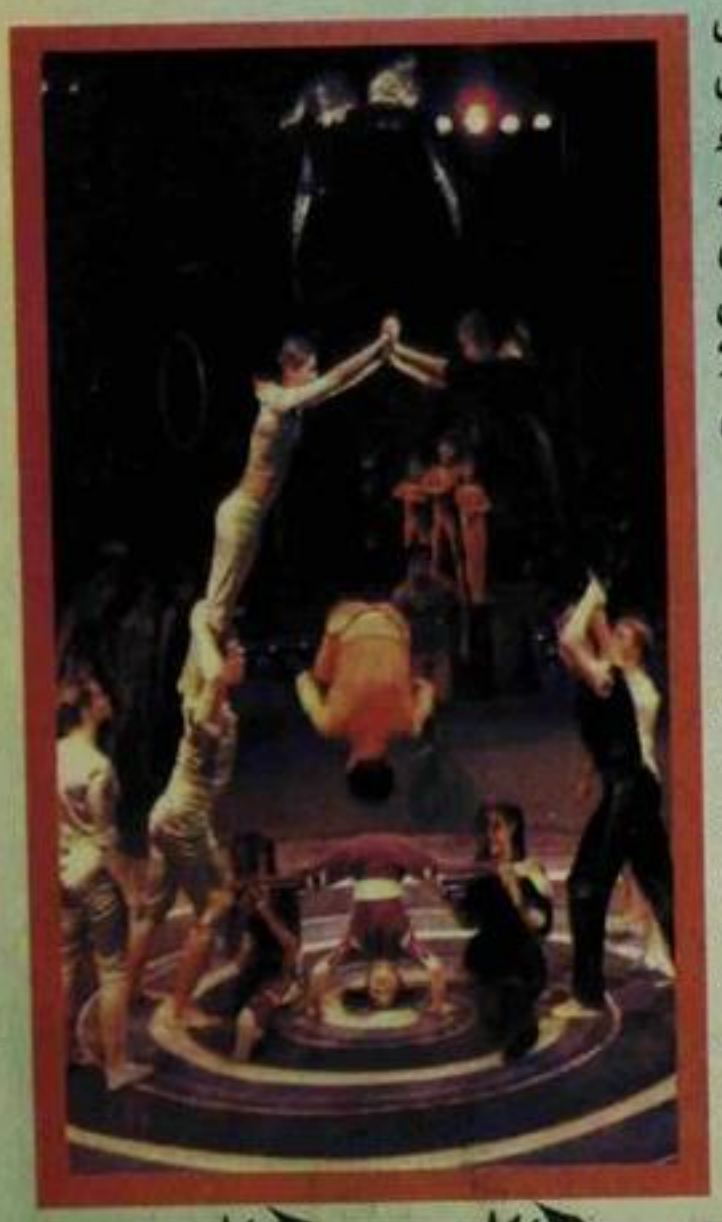

شہر کے وسط میں ہو کر بھی یہ جگہ گمنام ہے

اک شام جاوید منزل میں

لگتا ہے علامہ اقبال ابھی اٹھ کر گئے ہیں.....

پھول گرلز کلب لاہور کی ٹیم نے علامہ اقبال کا ذاتی گھر اور میوزیم گڑھی شاہو میں جا ڈھونڈا.....

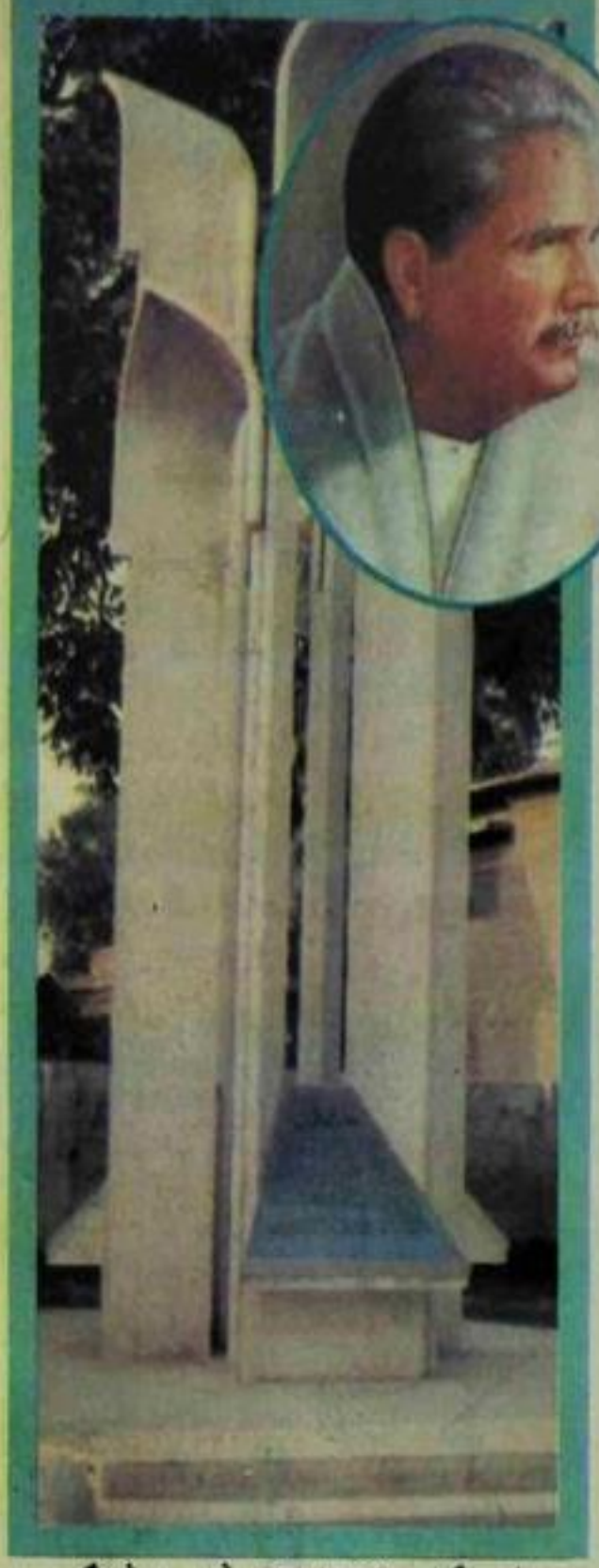

رپورٹ: شفا علی

وہ ایک شام تھی۔ نہ ہم اسے جلتی کہہ سکتے ہیں اور نہ سہانی۔ وہ ایک عام سی شام مگر چند لوگوں نے کہ جن کے دلوں میں ایک اہم اور پیاری شخصیت کی گزری زندگی کو قریب سے دیکھنے کی خواہش تھی اسے نہ صرف خاص بلکہ رنگین بنا دیا تھا۔

مرتا ہوں خاشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

جی ہاں یہ شاعر مشرق علامہ اقبال کی ہی رہائش گاہ تھی جس میں ہم ان کی ذاتی زندگی سے تعلق جاننے کی جستجو لئے آئے تھے مگر نہ تو یہ کسی پہاڑ کے دامن میں واقع تھی اور نہ ہی اس کو منزل تھی اسے اب اقبال میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ اور سب سے زیادہ افسوس جس بات پر ہوا وہ یہ تھی کہ شہر کے وسط میں واقع ہو کر بھی یہ گمنام ہے۔ بہت کم لوگ اس کے تعلق جانتے ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم وہاں آسانی سے پہنچ جاتے مگر لوگوں کی لاعلمی کی وجہ ہم خاصا آگے نکل گئے اور پھر پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ گائیڈ کی رہنمائی میں ہم اندر داخل ہوئے تو پہلی تصویر اقبال کی قرطبہ کی مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے تھی اقبال پین گئے تو مسجد قرطبہ سے گزر ہوا نماز کا وقت انگریزوں نے مسجد کو اصطبل بنایا ہوا تھا دو پہرے دار باہر کھڑے تھے۔ آپ نے اپنا تعارف کروایا اور بتایا کہ بہت دور سے آیا ہوں مسلمان ہوں آپ اجازت دیں تو یہاں نماز پڑھ لوں وہ اپنے افسروں سے پوچھنے گئے۔ علامہ پیچھے اندر گئے اذان دی اور نماز پڑھی۔ سلام پھیرا ہی تھا کہ وہ لوگ آ گئے اور کہنے لگے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ملی اسی پر اقبال نے مسجد قرطبہ کے نام سے ایک طویل نظم بھی لکھی ہے اقبال کی نماز ادا کرتے ہوئے تصویر مصور کمال نے بنائی ہے اور ساتھ ہی اقبال کے زیر استعمال جائے نماز بھی موجود ہے۔

اگلے کمرے میں اقبال کی میٹرک سے لے کر پی۔ ایچ۔ ڈی تک کی ڈگریاں رکھی ہوئی تھیں اس کے علاوہ ان کی کتابوں مسودات موجود تھے۔ ایک اعزازی ڈگری جو کہ اقبال کو ان کی وفات کے بعد 21 اپریل 1960 میں جاپان کی یونیورسٹی نے پیش کی تھی وہاں موجود تھی مسودات میں زبور عجم کا پہلا ایڈیشن جو کہ 1928 میں طبع ہوا بھی دیکھا۔ اگلا کمرہ خطوط' سپاسناموں' تصاویر وغیرہ سے بھرا ہوا تھا۔ الہ آباد 1930 کا خطبہ صدارت مکمل حالت میں دیکھا گیا۔ اقبال کی کتابوں شکوہ' جواب شکوہ' زبور عجم' اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن' اقبال کی تمام رہائش گاہوں کے ماڈل جائے پیدائش کا ماڈل یہ سب کچھ دیکھنے میں آیا۔ اقبال نے اپنی زندگی میں 3 شادیاں کیں پہلی شادی میٹرک میں ہوئی۔ ادھر رزلٹ آ رہا تھا اور ادھر بارات جا رہی تھی خاصی دلچسپ صورتحال ہوگی۔ تینوں بیگمات کی تصاویر دیکھیں پہلی بیوی کرم بی بی کی تصویر ذرا بڑھاپے کی تھی کوئی بولا اقبال نے اتنی بوڑھی خاتون سے شادی کی تھی پھر ان کو سمجھایا گیا کہ شادی تو جوانی ہی میں کی تھی مگر تصویر بڑھاپے کی ہے۔ غرض کہ اس میوزیم میں ہم نے اقبال کے کپڑے' گاؤن ترکی ٹوپیاں' چیتے کی کھال کی واسکٹ' چھڑیاں' کلائی کی گھڑی' چشمہ' بٹن' کف لنکس' انگوٹھیاں' بٹوہ' کلاہ' لنگی' شیروانی اور جوتے بھی دیکھے۔ جوتوں کا سائز خاصا بڑا تھا جس پر سب سراپا سوال بن گئے پتہ چلا کہ اقبال کا قد تو پانچ فٹ چھ انچ تھا مگر جوتے بہت عرصہ پڑے رہنے کی وجہ سے لمبے ہو گئے ہیں اس کے علاوہ دو قالین بھی تھے جو کہ والئی افغانستان نادر شاہ اور شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے اقبال کو پیش کئے تھے۔ یہ سب دیکھنے کے بعد ہمیں اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں اقبال کا انتقال ہوا ہر چیز اپنی جگہ قرینے سے پڑی تھی یہاں تک کہ وہ ادویات بھی جو وہ دوران علالت استعمال کرتے رہے کمرے کی گھڑی میں 4 بج کر 3 منٹ ہو رہے تھے جو کہ ان کی وفات کا وقت تھا بستر مرگ کے ساتھ ہی ان کا حقہ' سرہانے قریب کتابوں کی الماری اور ساتھ کی انگیٹھی پر پرانی کا لیمپ۔ لگتا تھا ابھی ابھی کوئی اٹھ کر گیا ہے وہ یہاں بیٹھے تھے جب ملک الموت سے ان کی ملاقات ہوئی' اتنی عظیم شخصیت اس بستر سے اس جہاں فانی سے رخصت ہوئی سب کے ذہن یہی بات سوچ رہے تھے آگے اقبال کا ڈرائینگ روم تھا اور اس سے آگے ڈائینگ روم ساتھ ہی ملحقہ کچن تھا جو کہ اب آفس کے طور پر استعمال ہوتا ہے کافی بڑا اور آرام دہ گھر تھا مگر ایک بات جو بہت واضح تھی وہ یہ کہ پورے گھر سے نہایت سادگی کا عنصر چھلکتا تھا۔ اقبال کی وفات کے بعد یہاں ان کے بیوی بچے رہائش پذیر رہے صد سالہ جشن ولادت پر حکومت نے اس گھر کو میوزیم بنانے کا سوچا جاوید اقبال سے معاوضہ طے کیا گیا اور 1977 سے اب تک یہ گھر قومی یادگار کے طور پر موجود ہے گھر کا وزٹ کرنے کے بعد تاثرات کھنچوائے گئے اور سب نے اپنے اپنے تاثرات بتائے

چیخ

بیڈ ٹائم سٹوری

اختر عباس

دکھ کسی دریا کا نام ہے تو اس لمحے میں اس میں غوطے کھا رہا ہوں..... یہ کسی دلدل کا عنوان ہے تو گردن تک اس میں دھنسا ہوا ہوں۔ یہ دکھ مجھے ایک رکشا ڈرائیور نے عطا کیا ہے میں تو اپنے دھیان میں صبح سویرے اس رکشے پر جا رہا تھا کہ یہی سب سے پہلے نظر آیا تھا..... اس میں بیٹھنے کی کوئی اور خاص وجہ نہیں تھی۔ آج صبح دفتر جانے کیلئے گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے رہ گیا۔ چابی وہیں سے سنی کو پکڑائی اور فائل ہاتھ میں لئے ٹہلتا اور کچھ سوچتا ہوا ملتان روڈ پر آ گیا ہوں..... دفتر کا بتا کرو ہیں میں نے رکشے کی لکڑ جیسی سخت نشست سے ٹیک لگائی مجھے ایک سوراخ نظر آیا..... اور میں ایک لمحے کو تو کانپ کر ہی رہ گیا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆

یہ 94ء کا کوئی مہینہ تھا۔ جب میں کئی گھنٹوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد مظفر آباد سے کچھ دور ایک خیمہ بستی پہنچا تھا۔ میرا گائیڈ مجھے کئی گھنٹوں کیلئے وہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا اور میں ایک ٹوٹی چارپائی پہ بیٹھا غلام نبی ڈار کے چہرے پر نظریں جمائے اور اس کی باتوں پہ کان لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی بیوی بڑے اصرار سے ایک ٹوٹے کنارے والے کپ میں شاید کچی شکر سے بنی ہوئی چائے لیکر آئی تھی۔ باتوں میں ایسا محو تھا کہ مجھے تو یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ میں اپنی چینی کا کئی دن کا کوٹا ایک ہی کپ میں پی گیا تھا۔

یہ میرا بیٹا ہے عثمان..... عثمان راٹھور۔

بوڑھے ڈار نے بڑے پیار سے تعارف کروایا تھا۔ وہ لڑکا بڑا ہی خوبصورت جوان تھا عمر اس کی یہی کوئی اٹھارہ بیس سال رہی ہو گی۔ اس کے چہرے پہ نظر نہیں ٹکتی تھی۔ دوبارہ دیکھتے ہوئے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی اور دوسری سے نہ ہونے کے برابر نظر آتا تھا۔ اللہ رکھے یہ بڑا پیارا بیٹا ہے۔ تم اس کے چہرے پہ دیکھو ایک مرد کا وہ حسن ہے جو ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ سکھ بے غرضی سے دوسروں کیلئے جینے سے اپنے آپ کو قربان کرنے سے ملتا ہے..... یہ تمہارے ہی شہر کا ہے۔ لاہور کا اس کا باپ وہاں بڑا انسپکٹر ہے پولیس میں۔

پھر بوڑھے ڈار نے ٹھنڈی سانس لی..... یہ پرانی بات ہے اب تو یہ صرف میرا بیٹا ہے۔ میرے سارے سانس اسی کیلئے ہیں۔ جب تک جیتا ہوں سمجھو اسی کیلئے جیتا ہوں۔ اس نے میرے گھر جنم نہیں لیا تو کیا ہوا اس کے جسم میں کتنا ہی میرا خون دوڑتا ہے۔ رشتے صرف خون سے ہی تھوڑے بنتے ہیں۔ یہ تو من اور متر تا سے ہوتے ہیں

☆☆☆☆☆

بس کر بابا..... عثمان دھیرے سے بولا تھا۔ ہاں اس کی پلکوں پہ ٹھہرا ہوا ایک آنسو پورے زور سے بولا تھا۔ کہ دیکھو! مجھے اس گھر کا سہارا بننا تھا اور اب صرف ایک بوجھ ہوں۔ مگر اس کے کچھ اور بولنے سے پہلے بوڑھے ڈار نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ اس کی سوچ میں آئے چبھتے ہوئے کسی خاردار کانٹے کو بڑے پیار سے چن لیا تھا۔

نہ میرے بیٹے نا! تو کچھ نہ بولنا..... تو جانے کس کرماں والی ماں کا بیٹا ہے جو اپنے لڑکپن میں ہی دوسروں کیلئے جینے اور مرنے کیلئے نکل کھڑا ہوا..... اب یہاں اس پھٹی ترپال والے کیمپ میں میرے ساتھ ہے کہ جا کر اپنی ماں کو دکھ دینا نہیں چاہتا..... کہ کیسا صحیح وسالم بیٹا گیا ہے اور واپس آیا ہے تو ادھورا اور نامکمل..... کٹا پھٹا..... پر میرے لئے تو تو مکمل ہے۔ اللہ نے زندگی دی تو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر تیرا نور واپس لاؤں گا۔

☆☆☆☆☆☆

اس لمحے وقت بھی کچوے جیسی ڈھیلی رفتار سے گزر رہا تھا..... غمزدہ ہونے کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے اور یہ نشہ میری رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ اور دکھ برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

ہمارا گھر سوپور میں تھا۔ سری نگر سے یہی کوئی پچیس کلو میٹر دور..... خوف، دہشت اور موت ہمارے گھروں سے باہر پھرتی اور گزر جاتی تھی۔ اور ہم سوچتے کہ یہ وقت ہم پہ نہیں آنا۔ ہم کون سے مجاہد ہیں۔ نہ ان کے ساتھی ہیں گھر میں کل چار فرد تھے۔ میری دو بیٹیاں اور ہم میاں بیوی، بظاہر زندگی ٹھیک ہی گزر رہی تھی جب ایک روز اچانک فوجیوں کے ایک گروپ نے مجھے گھیر لیا۔ ایک نے ہاتھ بڑھا کر مجھے گریبان سے پکڑا اور رکشے سے باہر کھینچ لیا۔ اس نے اپنی رائفل کا بٹ اس تیزی سے میرے منہ پہ مارا کہ میں چہرے کو حرکت بھی نہ دے سکا۔ میرا جبڑا ٹوٹ گیا۔ میں دکھ، درد اور حیرت کی تصویر بنا کھڑا تھا جب ایک دوسرے سپاہی نے چیخ کر کہا تم millitant ہو۔ میں نے اس کی تردید کرنی چاہی۔ اپنے امن پسند ہونے

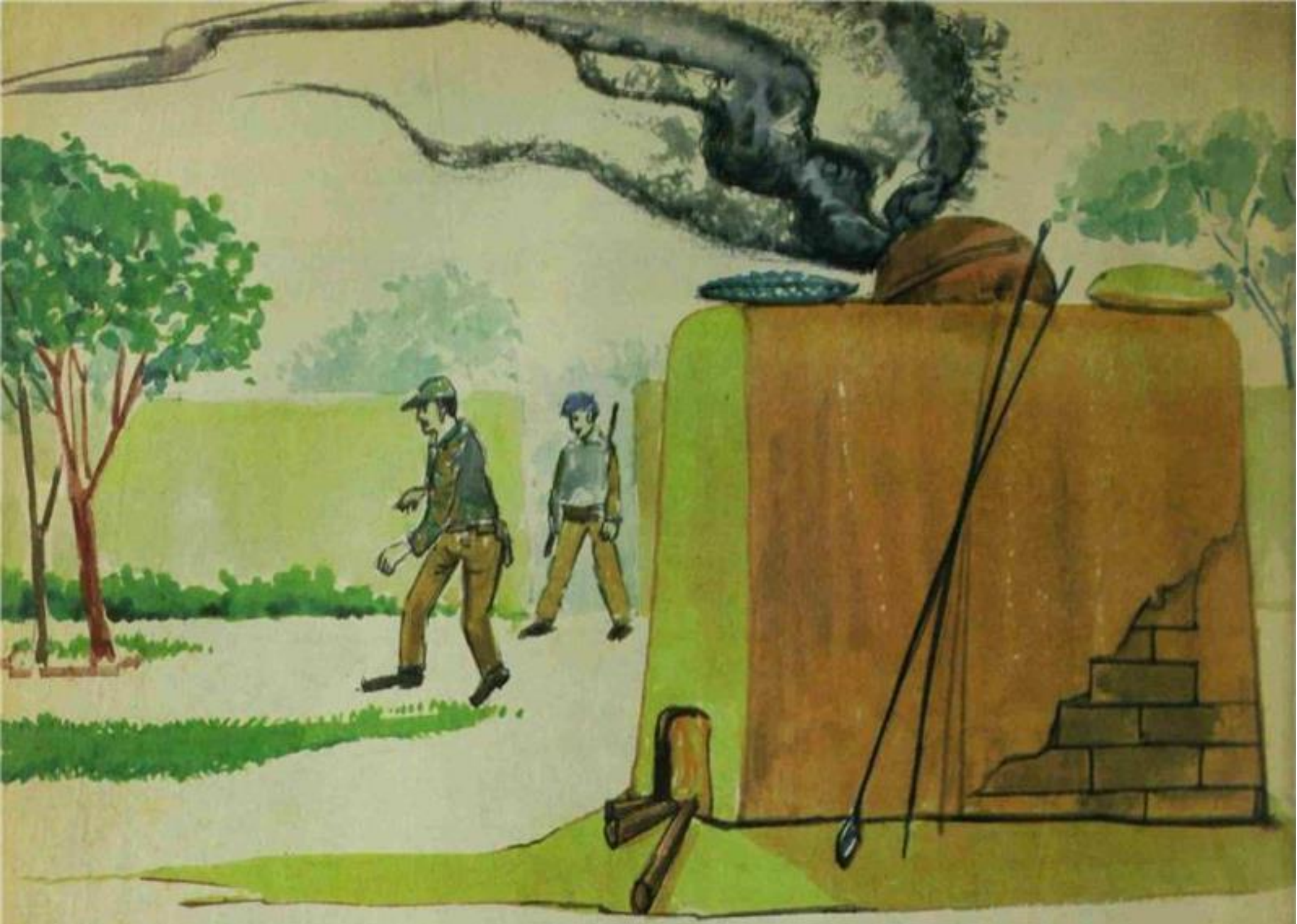

کا بتانا چاہا مگر منہ سے کسی جملے کی بجائے درد کی لہر اور خون کی دھار نکلی۔ انہیں کیسے بتاتا کہ مجھ ایسا رکشہ ڈرائیور بھلا کیسے millitant ہو سکتا ہے۔

انہوں نے مجھے اٹھایا اور اپنے فوجی ٹرک میں یوں پھینکا جیسے کچرے کی بے وقعت بوری پھینکتے ہیں۔ پھر وہ سارے خود بھی سوار ہو گئے۔ وہ پہلے گالیاں نکالتے پھر ٹھڈے مارتے۔ میں نے جس طرف بھی سرکنے کی کوشش کی ان کا سلوک ایک سا ہی رہا..... میں کوشش کر کے بول پڑا۔

دیکھو! تمہیں میں شکل سے milli tant لگتا ہوں؟ میں تو غیر جانبدار ہوں۔ کسی کی بھی طرف نہیں۔ اس پہ انہوں نے قہقہہ لگایا۔ ہو تو مسلمان ہی ناں..... ابھی مانو گے کہ تم نے کتنے بم چلائے ہیں۔ جانے انہیں کیا یقین تھا کہ انٹروگیشن سنٹر میں لے جاتے ہی رسیوں سے باندھ دیا۔ وہ مارے جاتے تھے اور پوچھتے جاتے تھے۔ میں بے خبر انہیں کاہے کی خبر دیتا۔ کس مجاہد کا نام لیتا کس کا ٹھکانا بتاتا..... اس ساری تکلیف کو میں نے سہا جب مزید برداشت نہ ہو پائی تو میں چیخوں سے رو پڑا اور کہا اتنی تکلیف سے تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں مجھے کیا پوچھتے ہو..... پتا ہوتا تو کب کا بتا دیتا۔ یہ میری بات کا انہیں یقین آ گیا یا کچھ اور وجہ بنی۔ مجھے رسیوں سے آزاد کیا تو میں خود سے کھڑے ہونے کے قابل بھی نہ تھا۔ میں ہوش میں ہی تھا جب ایک سپاہی کو میں نے چاقو کھولتے اور اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ غلام نبی ڈار ٹوٹی ہوئی چارپائی پہ بیٹھا دھیرے دھیرے مجھے اپنی کہانی سنا رہا تھا اور میرے دھیان میں کیلی فورنیا امریکہ کے مارٹن اے شوگرمن کی کتاب کشمیر۔ پیراڈائز لوسٹ کے وہ جملے آ رہے تھے جن کو پڑھ کر میں یہاں پہنچا تھا۔ اپنی کتاب کے آغاز ہی میں اس نے ڈار کے یہ جملے لکھے تھے۔

Befor letting me a solgier took his knife and sliced my arm warning me that the next time it would be my throat

سپاہی کی تسلی نہیں ہوئی تو اس نے کہا تمہارا کوئی ہمدرد آئے تو اسے دکھانا کہ یہ سوراخ جو اس کے پیٹ میں ہونا تھا۔ اب تمہارے کان میں ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے چاقو کان میں گھونپ دیا اور یوں گھمایا جیسے سکریو گھماتے ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ درد زیادہ تھا یا خون بس اس کے بعد میں ہوش میں بھی نہیں رہا اور ان کے انٹروگیشن سیل میں بھی نہیں۔ وہ باہر کسی سڑک پہ پھینک کر واپس چلے گئے۔

اس سڑک پہ جہاں مجھے وہ پھینک گئے تھے عثمان نے کچھ لوگوں کی مدد سے مجھے اٹھایا اور ہسپتال لے گیا..... جانے کتنی دیر لگی۔ کب مجھے ہوش آیا۔ میرے لئے تو

جہنم کے دروغوں کے بعد عثمان کے روپ میں جنت سے ایک فرشتہ آ گیا تھا۔ وہیں اک روز اس نے مجھے بتایا کہ یہ لاہور سے آیا ہے۔ ظالموں سے لڑنے اور انہیں بے گناہوں پہ جبر سے روکنے۔ اس کی ڈیوٹی سو پور لگی تھی کہ وہاں رہے اور وہیں کا ہو جائے۔ اس وقت میں نے سوچ لیا کہ اسے میں اپنا بیٹا بنا لوں گا..... اس نے میری بہت خدمت کی۔ دن رات جاگا۔ گھر میں میرے زخموں کی خبر تک نہ ہونے دی۔ روز جاتا تسلی دے آتا کہ کسی کام سے سری نگر گیا ہوں۔ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر آئے تو میں نے آتے ہی اسے اپنا بیٹا بنا لیا اور بڑی بیٹی سے شادی کر دی اب یہ قانونی طور پر کسی ڈر اور خوف کے بنا وہاں رہ سکتا تھا۔

آنے والے مہینوں میں اس نے وہاں نوجوانوں میں خوب کام کیا۔ مقامی لڑکوں کی ذہنی تربیت سے لیکر انہیں دشمن سے مقابلے کے سارے گر سکھائے۔ ہم جیسے غیر جانبدار اور موت سے ڈرنے والوں کو بے خوف بنایا۔ اب میری چھوٹی بیٹی لڑکیوں میں کام کرتی اور بڑی بیٹی گھر کے کام میں ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ میں اس سے کہتا کاش میں تری زندگی سے زندگی بدل سکتا۔ تیرے برسوں سے برس بدل لیتا۔ اس کی ہمت اور محبت سے کتنوں کی کم ہمتی کو پیوند لگا کر نئے پودے لگائے ہوں گے۔ جن کی ہمتوں کے پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کو جوڑ کر اڑنا سکھایا ہوگا۔ انہیں جینا بتایا ہو گا۔ اتنی محبت اور اتنا سکھ اس کے وجود سے وابستہ تھا کہ ہمیں لگتا ہے عمر بھر کا خالی پن دور ہو گیا۔ زندگی میں جن رنگوں کی کمی تھی وہ پوری ہو گئی۔ رشتے کیسے نبھاتے ہیں۔ دل کیسے رکھتے ہیں۔ مشن کیسے چلاتے ہیں۔ چھوٹی سی عمر میں مولا نے اس کو کس قدر باتیں سکھا دیں تھیں۔ بس انہی دنوں کی بات ہے جب چاند کی ساری ٹھنڈی کرنیں ہمارے آنگن میں اڑا کرتی تھیں۔ ایک شام کریک ڈاؤن ہو گیا اور ہر سو اندھیرا کر گیا۔ دروازہ توڑ کر فوجی گھر میں گھسے تو سامنے میں میری بیوی اور عثمان ہی تھے۔ دونوں بچیاں بھاگ کر چھپنے کیلئے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ ہمارے دل اس وقت حلق میں آئے ہوئے تھے۔ بچیوں کی عزت کا خوف ہی اس لمحے سب سے بڑا خوف تھا۔ اسی سے ہمارے سانسوں کی رفتار بے ترتیب تھی۔ فوجیوں نے پورا گھر چھان مارا۔ انہیں بچیاں ملیں نہ کوئی milli tant ..... وہ مایوسی اور غصے میں جاتے ہوئے راہ میں آئی ہر چیز کو ٹھوکریں مارتے اور فنا کرتے جا رہے تھے..... پھر اچانک وہ پلٹے اور عثمان کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ ہماری چیخ و پکار اور منتیں کب ان ظالموں کے کانوں میں پڑے ہوں گے۔ وہ اس کو مارتے تھے اور ایک ایک ٹھوکر ہمارے کلیجے پر لگتی تھی۔

ٹرک میں انہوں نے بستی کے کئی اور نوجوانوں کو بھی پھینکا اور چلے گئے۔ تب ہمیں ہوش آیا ہم گھر کی طرف بھاگے۔ اپنی بچیوں کو آوازیں دیں ہمیں پہلے خیال آیا کہ شکر ہے مولا نے عزت رکھ لی اور بچیوں پہ ان بد نگاہوں کی نشاہ نہیں پڑی۔ پھر ایک اور خیال نے پریشان کر دیا کہ اتنا سا تو گھر ہے یہ چھپ کہاں گئیں۔ تلاش شروع کی۔ آوازیں دیں کوئی جواب نہ ملا۔ اب ہمیں چنتا شروع ہوئی۔ ہم دونوں میاں بیوی ہی تو تھے پاگلوں کی طرح چارپائیوں پیٹیوں۔ دروازوں۔ کھڑکیوں غرض ہر جگہ ہی تو دیکھ لیا۔ اچانک میری بیوی چلائی۔ ہائے میں مر گئی۔ یہ کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔ وہ صحن کی طرف بھاگی میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ خیال تھا اس نے کچھ پکنے کو رکھا ہو گا اس کے جلنے کی بو ہو گئی۔ تندور سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس نے ڈھکن پرے کیا۔ جلے ہوئے گوشت کی بو چاروں طرف پھیل گئی..... کیا بتاؤں وہ کیا لمحات تھے۔ میری دونوں بیٹیاں اوپر تلے پڑی تھیں۔ گرم تندور میں انہوں نے پناہ ڈھونڈی تھی اور اس نے انہیں اپنی گود میں ایسی پناہ دی کہ ہر خوف اور دکھ سے ہی آزاد کر دیا۔

ایسی پناہ کب کسی نے ڈھونڈی ہو گی۔ کب کسی کو میسر آئی ہو گی۔ بوڑھے ڈار کی آنکھوں میں بیٹیوں کی محبت کے آنسو جانے کب سے رکے ہوئے تھے۔ میں چاہتا بھی تو انہیں روک نہ سکتا۔ خود رونے والا دوسرے کو کیسے چپ کروا سکتا ہے۔

محبت آبلہ ہے کرب کا
اور پھوٹ جائے تو
محبت روگ ہوتی ہے
محبت سوگ ہوتی ہے
محبت شام ہوتی ہے
محبت رات ہوتی ہے
محبت جھلملاتی آنکھوں میں برسات ہوتی ہے
حسین خوابوں کے رستے پر سلگتے جان کو
آتے تمام رتجگوں کی گھات ہوتی ہے
محبت جیت ہوتی ہے
محبت مات ہوتی ہے
محبت ذات ہوتی ہے

بوڑھے ڈار کی آواز ٹوٹے بغیر آ رہی تھی۔

اس روز ہمارے گھر میں دو نہیں تین موتیں ہوئی تھیں۔ میرا نواسہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی واپس ہو لیا۔ عثمان کی تلاش اور واپسی کا انتظار دونوں ہمارے بس سے باہر تھے۔ ہم ہر لمحے اس کی خیریت کی دعائیں کرتے۔ اپنے لئے حوصلہ جمع کرتے پھر سوچتے کہ اسے کیسے بتائیں گے۔ اس صدمے کی شدت سے کیسے بچائیں گے۔ اب ہماری زندگی کی واحد امید اسی کی ذات سے وابستہ تھی..... اور کئی ہفتوں کے بعد جو عثمان ہمیں واپس ملا وہ ہمارا وہ والا عثمان نہیں تھا۔ ان ظالموں نے اس کی آنکھوں پہ کرنٹ لگا لگا کر اس کی بینائی اپنے پاس رکھ لی تھی..... کٹے ہوئے بدن اور ٹوٹتی سانسوں والا عثمان ہمارے ہاتھوں میں آیا تو اس کے لبوں پہ کوئی شکوہ کوئی شکایت نہ تھی۔ بولا تو صرف اتنا کہ بابا! فکر نہ کرنا جتنی دنیا بنانے والے نے دکھانی تھی وہ دیکھ لی، باقی تمہاری آنکھوں سے دیکھوں گا۔

غذائیت سے بھرپور، سہولت سے تیار
فرنچ اسپریڈز ہر وقت کا ساتھ

بریڈ پر لگائیں مزے سے کھائیں ۔ بھرپور توانائی کا لطف اٹھائیں

YOUNGS FOOD PRODUCTS, KARACHI-PAKISTAN